خاتون اسلام

اسلامی شریعت میں عورت کا مقام

اسلام اور جدید تہذیب کا تقابل

مولانا وحید الدین خان

ناشر : دارالتذکیر

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انگریز مستشرق ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱۔۱۸۷۶) نے قرآن کے مختلف حصوں کا انگریزی ترجمہ تیار کیا تھا۔ یہ ترجمہ پہلی بار لندن سے ۱۸۴۳ میں چھپا۔ اس ترجمہ کے ساتھ ایک دیباچہ شامل تھا۔ اس دیباچہ میں فاضل مترجم نے اسلامی تعلیمات کا

تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام کا تباہ کن پہلو عورت کو حقیر درجہ دینا ہے

The fatal point an aslam as the degradation of woman .
Edward william lane.
selection frome.
london 1982.p.xc(antroduction)

یہ بات اتنی عام ہوئیکہ ہر شخص اس کو دہرانے لگا۔ اس بیان پر اب تقریباً ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں مگر ابھی تک لوگوں کے یقین میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ ہندوستان کے سابق چیف جسٹس مسٹر چندرا چوڑ نے محمد احمد۔ شاہ بانو کیس میں ۱۹۸۵ میں جو فیصلہ دیا تھا اس میں بھی اس بیان کو اس طرح بے تکلف دہرایا گیا ہے جیسے کہ وہ کوئی مسلمہ حقیقت ہو۔

عورت کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کو درجہ گرانے (degradation) سے تعبیر کرنا اصل بات کو بگاڑ کر پیش کرنا ہے۔ عورت کے بارے میں اسلام کا کہنا یہ نہیں ہے کہ وہ مرد سے کم ہے اسلام کا کہنا صرف یہ ہے کہ عورت مرد سے مختلف ہے۔ یہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فرق کا معاملہ ہے نہ کہ ایک کے مقابلے میں دوسرے کے بہتر ہونے کا:

not better ,but different.

ایک ڈاکٹر اپنے مریض سے کہتا ہے کہ۔۔ آنکھ تمھارے جسم کا نازک حصہ ہے تم اپنی آنکھ کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کر سکتے جو، مثال کے طور پر، تم اپنے ناخن کے ساتھ کرتے ہو۔ اپنی آنکھ کے ساتھ تم کو زیادہ محتاط رویہ اختیار کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر کی اس

ہدایت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ناخن کے مقابلہ میں آنکھ کو کم تر درجہ دے رہا ہے۔ بلکہ وہ ناخن کے مقابلہ میں آنکھ کے فرق کو بتا رہا ہے۔

عورت اور مرد کے بارے میں اسلام میں جو قوانین ہیں وہ سب اسی اصولی حقیقت پر مبنی ہیں کہ عورت اور مرد دو الگ الگ صنفیں ہیں۔ تخلیقی اعتبار سے دونوں کے اندر قطعی فرق پائے جاتے ہیں۔ اس لیے خاندانی اور سماجی زندگی میں دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہو سکتا۔ جب دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی بناوٹ کے اعتبار سے فرق ہے تو ان کے درمیان عمل کے اعتبار سے بھی لازمی فرق ہونا چاہیے۔

عورت کے بارے میں یہی تمام آسمانی مذاہب کا کا نقطہ نظر رہا ہے۔ پچھلی ہزاروں برس کی تاریخ میں کبھی اس پر شبہ نہیں کیا گیا۔ دور جدید میں آزادی نسواں کی تحریک (woman'sliberation movement.) نے پہلی بار دنیا میں یہ ذہن پیدا کیا کہ عورت اور مرد دونوں یکساں ہیں اور دونوں کو ہر میدان میں بالکل یکساں کام کے مواقع ملنے چاہئیں۔

یہ تحریک سب سے پہلے برطانیہ میں اٹھارھویں صدی میں اٹھی۔ اور اس کے بعد پورے یورپ اور امریکہ میں پھیل گئی۔ میری وولسٹون گرافٹ (mary wollstonecraft.) نے ۱۸۹۲ میں ایک کتاب چھاپی جس کا نام تھا:

A vindication of the rights of women.

اس کتاب کا خلاصہ یہ تھا:

تعلیم، روزگار اور سیاست کے میدان میں عورتوں کو وہی مواقع ملنے چاہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ ایک ہی اخلاقی میعار ہونا چاہیے جو دونوں صنفوں پر منطبق کیا جائے۔

اس بات کو اتنے زور و شور کے ساتھ اٹھایا گیا کہ ہر طرف اس کا غلغلہ برپا ہو گیا۔ مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں طور پر شریک تھے۔ حتیٰ کہ عورت اور مرد کے درمیاں نابرابری کی بات کرنا پس ماندگی کی بات قرار پایا۔ بیسویں صدی کے آغاز

تک یہ فکر ساری دنیا میں چھا چکا تھا۔ اب اسی کے مطابق قوانین بنائے گے۔ اسی کے مطابق ہر شعبہ مردوں کی طرح عورتوں کے لیے کھول دیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

مگر عملاً یہ تجربہ سراسر ناکام ثابت ہوا۔ تقریباً دوسو سالہ جدوجہد کے بعد اب تک عورت کو مرد کے برابر کا درجہ حاصل نہ ہوسکا۔ عورت آج بھی ہر شعبہ حیات میں اسی طرح پیچھے ہے جس طرح وہ آزادی نسواں کی تحریک سے پہلے پیچھے تھی۔ اس تحریک کا عملی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوا کہ عورت گھر سے باہر آ گئی۔ وہ ہر جگہ مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی نظر آنے لگی۔ عورت نے اپنی نسوانیت کھو دی مگر اس کی قیمت میں اس کو وہ چیز نہیں ملی جس کے لیے اس نے اپنی نسوانیت کھوئی تھی۔۔۔ یعنی زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے برابر مقام۔

آزادی نسواں کی تحریک کی اس مکمل ناکامی نے دوبارہ لوگوں کو اس مسئلہ کی تحقیق پر آمادہ کیا۔ ساری دنیا میں خالص سائنسی انداز میں اس کا مطالعہ شروع ہوگیا۔ آخر کار یہ ثابت ہوا کہ عورت اور مرد کے درمیان تخلیقی فرق ہے۔ یہی تخلیقی فرق وہ اصل سبب ہے جس کی بنا پر عورت کو زندگی کے شعبوں میں مرد کے برابر درجہ نہ مل سکا۔۔ عورت کے بارہ میں دینی نقطۂ نظر کو جھوٹے فلسفوں نے مشتبہ بتیا تھا۔ سائنس کے حقائق نے دوبارہ اس کو ثابت شدہ بنا دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ عورت اور مرد کے بارہ میں دینی نقطۂ نظر ہی صحیح نقطۂ نظر ہے، اس کے باوجود کیوں ایسا ہے کہ آج بھی لوگ اسی پرانی بات کو دہراتے ہیں آج بھی اسلام پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ اس نے عورت کو کم درجہ دیا ہے۔

ہندوستان میں حکومت کے خرچ پر یہ اسکیم شروع کی گئی کہ مجاہدین آزادی کی (freedom fighters) کی آواز کو ریکارڈ کرلیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان کے خیالات کو ان کی اپنی آواز میں سن سکیں۔ اس سلسلے میں مسٹر ایس ایم جوشی کے

انٹرویو میں جو باتیں کہیں ان میں سے ایک اخبار (ٹائمس آف انڈیا ۱۲اپریل ۱۹۸۶) کے الفاظ میں یہ تھی:

مسلمانوں کی شریعت اور ہندوؤں کی منوسمراتی جس کو دونوں فرقے صدیوں سے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یکساں طور پر اور سماجی طور پر رجعت پسند ہیں۔

اس طرح کی باتیں جو آج بھی بڑے پیانہ پر کہی جارہی ہیں، ان پر جھنجھلانے کی بجائے ہمیں ان کے سبب پر غور کرنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے فرق کے بارہ میں جدید نظریہ ابھی تک صرف علمی تحقیق ہے، وہ ابھی تک فکری انقلاب نہ بن سکا۔ اس دنیا کا قاعدہ ہے کہ کوئی نقطۂ نظر خواہ وہ کتنا ہی مدلل ہو، وہ لوگوں کے درمیان اس وقت تک عمومی قبولیت حاصل نہیں کرتا جب تک اس کو فکری انقلاب کا درجہ نہ دے دیا جائے۔

پچھلے زمانے میں جو انبیاء آئے، ان میں سے ہر نبی توحید کو دلائل کے اعتبار سے ثابت شدہ بناتا رہا۔ اس کے باوجود یہ ممکن نہیں ہوا کہ شرک کا خاتمہ ہو اور توحید کو عمومی غلبہ حاصل ہو جائے۔ یہ دوسرا کام صرف اس وقت ہوا جب پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب اٹھے اور اللہ کی خصوصی مدد کے ذریعہ توحید کی حقانیت کو فکری انقلاب کے درجہ تک پہونچادیا۔

اسی طرح موجودہ زمانے میں بھی ایک فکری انقلاب درکار ہے۔ علم جدید نے اس کے حق میں استدلالی بنیاد فراہم کردی ہے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ اہل دین اس مہم کو آگے بڑھائیں اور اس کے حق میں ضروری جدوجہد کر کے اس کو عالمی فکری انقلاب کے درجہ تک پہونچادیں۔

اگلی سطروں کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو اس تاریخی جدوجہد کے لیے اٹھنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

وحید الدین

۱۹ ستمبر ۱۹۸۶

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب اول

......ایک جائزہ::

سر جیمز جینز (۱۹۴۶۔ ۔ ۱۸۷۷) کی ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے پر اسرار کائنات (themysterious univrse) رکھا ہے۔۔ یہ موجودہ کائنات کی صحیح ترین تعبیر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری محدود عقل کی نسبت سے پوری کائنات ایک پر اسرار کائنات ہے انسان اپنی عقل سے صرف قیاسیات قائم کرسکتا ہے، وہ اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

کائنات کی اسی پر اسراریت نے قدیم زمانے میں وہ چیز پیدا کی جن کو اب خرافات (myths) کہا جاتا ہے۔ انسان نے محض قیاس وگمان کے تحت بہت سے فرضی عقیدے بنا لیے۔ یہ قیاسات بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ پوری انسانیت پر چھا گئے۔

ہر زمانہ میں انسان کا ایک نظام عقائد ہوتا ہے۔ اسی نظام عقائد کا یہ اوہام و خرافات (.myths) پر قائم تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں پہلی بار انسان کا نظام عقائد بدلا اور اوہام کے بجائے حقائق کو اہمیت دی جانے لگی۔ یہ انقلاب اسلام کے زیر اثر ہوا۔

یہ اوہام کائنات کی توجیہہ کے لیے وجود میں آئے۔ خداؤں نے کس طرح آسمانوں، زمین، نباتات اور جانوروں اور انسانوں کو پیدا کیا۔ انسانی اداروں اور عالمی نظام کی حدائی اصل کیا ہے؟ کامیابی اور ناکامی کے خدائی ضابطے کیا ہیں۔ ان بنیادی سوالوں کے جواب کے لیے تو جہی اوہام وجود میں آئے مثال کے طور پر مرد اور عورت کے درمیان کشش اور اس کے نتیجے میں شادی کا ادارہ وجود میں آنا۔۔ اس کی توجیہہ اسی فرضی قصہ سے کی گئی کہ ابتدا میں مرد ہی واحد مخلوق تھا اس کے بعد وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک مرد اور دوسرے عورت۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی

طرف کھینچتے ہیں تاکہ اپنی ابتدائی واحدت کو دوبارہ حاصل کرسکیں۔ ارسٹوفین نے جنسی کشش کے اسی نظریہ کو اپنی کتاب میں بیان کیا۔ بائبل کے باب پیدائش میں بھی یہی نظریہ مشہور افسانہ کی صورت میں بیان ہوا کہ آدم کے جسم سے ایک پسلی نکالی گئی اور اسی سے ان کی بیوی حوا بنائی گئیں۔ اور چوں کہ عورت کو مرد کے اندر سے نکالا گیا، مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنی بیوی سے مل جاتا ہے تاکہ دونوں دوبارہ ایک جسم ہو جائیں:

چند مثالیں::

یہاں ہم دو مثالیں نقل کرتے ہیں۔ اس سے بیک وقت دو مثالیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اوہام وخرافات میں اور علم میں کیا فرق ہے۔ نیز یہ کہ اوہام وخرافات کے قدیم دور کو ختم کر کے نیا دور لانے کا کام اصلاً اور اولاً جس نے انجام دیا وہ اسلام ہے۔

ہماری دنیا میں جو واقعات ہوتے ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جس کو گرہن کہا جاتا ہے کبھی سورج کو گرہن لگتا ہے اور کبھی چاند کو۔ موجودہ زمانے میں اس کے فلکیاتی اسباب معلوم کر لیے گئے ہیں۔ مگر قدیم زمانے میں انسان اس کی حقیقت سے ناواقف تھا۔ اس لیے اس نے فرضی قیاس کے تحت عجیب عجیب نظریے قائم کر لیے۔

مثلاً قدیم چین کے لوگوں کا خیال تھا کہ گرہن کا سبب ایک آسمانی اژدہا ہے۔ جب کبھی سورج گرہن لگتا ہے تو چینی لوگ سمجھتے کہ سورج کو ایک بہت بڑا اژدہا نگل رہا ہے۔ اس کے بعد ساری آبادی اس کے ساتھ مل کر آخری ممکن حد تک شور کرتی تاکہ وہ سورج کو بچا سکے۔ اور وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے،

گرہن ختم ہونے کا ہمیشہ ایک وقت ہوتا ہے۔ وہ آخر کار اپنے وقت پر ختم ہو جاتا ہے۔ شور کرنے والے لوگ جب دیکھتے کہ کچھ دیر بعد گرہن ختم ہو گیا تو وہ سمجھتے کہ وہ

ان کے شور کرنے کی وجہ سے ختم ہوا ہے۔ چنانچہ اگلے گرہن کے موقع پر وہ مزید یقین کے ساتھ شور کرنے میں لگ جاتے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب اسلام آیا۔ مگر اسلام نے سورج گرہن کے بارہ میں زمانے کے بالکل خلاف وہ بات کہی جو آج کی تحقیقات کے عین مطابق قرار پاتی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کا نام ابراہیم تھا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں شوال ۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جس روز ابراہیم کا انتقال ہوا، اسی روز سورج گرہن واقع ہوا، قدیم قوموں میں سورج گرہن کے بارہ میں عجیب عجیب اعتقادات تھے ایک عقیدہ یہ تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت پر واقع ہوتے ہیں۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ جس دن پیغمبر کے صاحب زادے ابراہیم کا انتقال ہوا اسی دن سورج گرہن پڑا تو مدینے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے یہ سورج گرہن ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور اس کی حقیقت بیان فرمائی:

فخطب الناس فحمد الله واثنیٰ علیه ثم قال ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته، فاذا رائیتم ذالك فادعو الله و کبروا و صلوا و تصدقوا (متفق علیه)

ترجمہ! آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ کی حمد کی اور اس کی تعریف بیان کی۔ پھر فرمایا سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانی ہیں ان میں گرہن کسی شخص کی موت اور اس کی زندگی کی وجہ سے نہیں لگتا۔ پس جب تم اس کو دیکھو تو اللہ کو پکارو، اور اس کی تکبیر کرو اور صلوٰۃ وسلام بھیجو اور صدقہ کرو۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم: هذه الایاتُ التی یرسل الله لا تکون لموت احدٍ و لا لحیاته و لکن یخوف الله بها عباده ناذا

رائیتم شیئاً من ذالك فا فن عوا الیٰ ذکرہ رد عائدہ و استغفارہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نشانیاں جو اللہ بھیجتا ہے وہ کسی شخص کی موت یا زندگی کے سبب سے نہیں ہوتیں۔ بلکہ اللہ ان کے زریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔پس جب تم ایسی چیز دیکھو تو اللہ سے ڈر کر اس کا ذکر کرو اور اس سے دعا کرو اور اس سے استغفار کرو۔

اس قسم کے بنیادی اوہام و خرافات کو تاریخ میں پہلی بار اسلام نے ختم کیا

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں حسبِ ذیل طریقہ سے آیا ہے:

ابن لھیہ نے کہا کہ قیس بن حجاج نے ایک صاحب سے سنا ہوا یہ واقعہ بیان کیا کہ جب مصر فتح ہوا تو اس کے باشندے حضرت عمرو بن العاص کے پاس آئے اور وہ وہاں امیر تھے۔جب عجمی مہینوں میں سے بوونہ کا مہینہ آیا تو انھوں نے کہا کہ اے امیر، ہمارے پاس اس دریائے نیل کے لیے ایک رواج ہے، وہ اس کے بغیر نہیں بہتی۔انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔اہل مصر نے کہا جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایک ایسی کنواری لڑکی کا قصد کرتے ہیں جو اپنے ماں باپ کے درمیان اکیلی ہو۔پھر ہم اس کے ماں باپ کو راضی کرتے ہیں اور اس کو زیور اور کپڑا پہناتے ہیں جو سب سے اچھا ممکن ہو پھر ہم اس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ اسلام میں ایسا نہیں ہوسکتا۔اسلام اپنے سے پہلے کی چیزوں کو ختم کردیتا ہے۔

پھر اہل مصر بوونہ کے مہینے رکے رہے مگر دریائے نیل میں پانی نہیں آیا۔یہاں تک کہ انھوں نے ارادہ کیا کہ اس علاقے کو چھوڑ کر چلے جائیں۔اب عمرو بن العاص نے اس کی بابت حضرت عمر و الخطاب کو لکھا۔حضرت عمر نے ان کو لکھا کہ جو تم

نے کیا صحیح کیا۔ اور میں اپنے اس خط کے ساتھ تمھارے لیے ایک پرچہ بھیج رہا ہوں تم اس کو نیل میں ڈال دو۔

جب خلیفہ کا خط پہنچا تو حضرت عمرو بن العاص نے پرچہ کو لے کر اسے کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا: خدا کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر والوں کے دریائے نیل کے نام، اما بعد، اگر تو خود اپنی طرف سے جاری ہوتا تھا تو تو نہ جاری ہو۔ اور اگر اللہ واحد و قہار تھا جو تجھ کو جاری کرتا تھا تو ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ تجھ کو جاری کر دے۔

راوی کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے یہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیا۔ لوگوں نے اگلے دن صبح کو دیکھا تو اللہ نے نیل کو جاری کر دیا تھا۔ ایک ہی رات میں اس کے اندر ۱۶ ہاتھ اونچا پانی آ گیا اس سال اللہ نے مصر والوں سے اس رواج کو ختم کر دیا اور وہ اب تک ختم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، الجزءالرابع، صفحہ ۴۲۴)

ایک عملی ضرورت::

قدیم زمانے میں خرافات (superstitions.) اور توہمات (myths.) کے رواج نے تمام معاملات میں انسان کے نقطہ نظر کو غیر حقیقی بنا رکھا تھا۔ عورتوں کے معاملات میں ایک مزید سبب بھی شامل ہو گیا۔

انسانی معاشرے کی جو مختلف ضرورتیں ہیں ان کو وسیع تر تقسیم میں دو ضرورتیں کہا جا سکتا ہے۔ ایک گھر کے اندر کا کام۔ اور دوسرے گھر کے باہر کا کام۔ گھر انسانی معاشرے کی ابتدائی بنیاد ہے۔ یہیں آدمی کو سکون کے لمحات ملتے ہیں۔ یہیں کسی قوم کی اگلی نسل تیار ہوتی ہے۔ گھر ہی معاشرے کی وہ اکائی ہے جس کی بہت سی تعداد ملنے سے معاشرہ بنتا ہے۔ گھر نہیں تو انسانی معاشرہ بھی نہیں جس طرح اینٹ کی درستگی پوری عمارت کی درستگی ہے۔

تاہم کام کی ان دونوں قسموں کی نوعیت الگ الگ ہے۔ گھر کے اندر کے کام نرم و نازک کام ہیں۔ گھر کے معاملات کو سنبھالنے کے لیےا نفعالی صلاحیتیں زیادہ مفید ہیں۔ اس کے برعکس باہر کے کام کے لیے فعال صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ باہر کے کام کو انجام دینے کے لیے زیادہ سخت جسم اور زیادہ طاقت وراعصاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی تمدن کی بقا اور ترقی کے لیے یہ دونوں ہی قسم کی صلاحیتیں ضروری ہیں۔ چنانچہ قدرت نے اسی کے لحاظ سے مرد اور عورت کی دو الگ الگ جنسیں پیدا کی ہیں۔ اس نے عورت کے اندر انفعالی صلاحیتیں زیادہ رکھی ہیں تاکہ وہ گھر کے اندر کے کام سنبھالے۔ اور اسی طرح مرد کے اندر فعال صلاحیتیں زیادہ رکھی ہیں تاکہ وہ گھر کے باہر والے کام کی ذمہ داری اٹھا سکے۔

زندگی کی تنظیم میں اس حکمت کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر صنف کو وہی کام دیا جائے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے تو زندگی کا نظام نہایت درست اور متوازن رہے گا لیکن اگر اس حکمت کو ملحوظ رکھے بغیر زندگی کی تنظیم کی جائے تو زندگی کا نظام غیر متوازن ہو کر رہ جائے گا اور بربادی کے رخ پر چل پڑے گا۔

قدیم زمانہ میں بہت سی قومیں اس حکمت کو سمجھ نہ سکیں۔ انھوں نے دیکھا کہ مرد معاشی شعبوں کو سنبھالتا ہے۔ وہ جنگ و مقابلہ کے وقت قوم کا دفاع کرتا ہے۔ وہ تمام محنت طلب کاموں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے یہ رائے قائم کرلی کہ مرد برتر مخلوق ہے اور عورت کم تر مخلوق۔۔۔ قدرت نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کو برائے ضرورت رکھا تھا، انھوں نے اس فرق کو برائے فضیلت سمجھ لیا۔

یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ میں ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کا درجہ گرا دیا گیا ہے۔ اس کو مرد کے مقابلہ میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔

عورت کے بارہ میں توہمات ::

عورتوں کا مرتبہ مردوں سے کم سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معاشرے میں حقیر قرار دے

دی گئی۔ اس کو خاندانی جائداد میں حصہ کا مستحق نہیں سمجھا گیا۔ قانون کی نظر میں وہ اس قابل نہ رہی کہ اس کو وہ حق دیا جائے جو مردوں کو حاصل ہے۔ اس کو عملاً غلام کو درجہ دے دیا گیا۔ حتیٰ کہ بعض انتہاپسند قبیلوں میں اس طرح کی مثالیں ملنے لگیں کہ ایک شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے بچپن ہی میں اس کو مار کر زمین میں گاڑ دیا۔

انسان کا عام مزاج یہ ہے کہ اگر وہ کسی کو بڑا سمجھ لے تو اس کے بارے میں وہ فضلیت اور تقدس کی جھوٹی کہانیاں گھڑنا شروع کر دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی چیز اس کے ذہن میں نیچے درجہ کی قرار پا جائے تو اس کے بارہ میں وہ اپنے ذہن کو ایسے انسانی صورت میں ظاہر کرتا ہے جس میں وہ چیز واقعاتی طور پر ذلیل اور حقیر دکھائی دینے لگے۔

یہی معاملہ عورت کے ساتھ پیش آیا۔ قدیم زمانہ میں اکثر قوموں میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہوئیں۔ یہ کہانیاں سراسر جھوٹی تھیں مگر قدیم ماحول میں ان کو اتنا زیادہ رواج حاصل ہوا کہ لوگ ان کو حقیقت سمجھ کر ان پر یقین کرنے لگے۔ عورت کے بارے میں تحقیری کہانیاں ہر ملک اور ہر قوم میں پھیلیں۔ ان میں سے دو مشہور کہانیوں کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

ان جھوٹے افسانوں میں سے ایک وہ ہے جو قدیم یونانیوں اور ان کے اثر سے یورپ کی دوسری قوموں میں بہت مشہور رہا۔ یہ افسانہ ''پہلی عورت'' کے بارہ میں تھا۔ یعنی وہ ابتدائی عورت جو پہلی بار زمین پر آئی۔ اس پہلی عورت کے بارے میں طرح طرح کے افسانے گھڑے گئے جو زبان اور لٹریچر میں اس طرح پھیلے کہ لوگ ان کو حقیقت سمجھنے لگے۔

اس پہلی عورت کا نام پانڈورا (pandora) تھا۔ پانڈورا ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں سب کچھ دینے والا۔ مگر استعمال کے اعتبار سے یہ لفظ ایک برا

مفہوم رکھتا ہے یعنی ہر قسم کی خرابیاں دینے والا، مفروضہ کہانی کے مطابق ایک دیوتا پرومی تھیس (prometheus) نے آسمان سے آگ چرائی اور اس کو زمین میں بسنے والے انسانوں تک پہونچا دیا۔ دیوتاؤں کے بادشاہ زیوس (zeus) کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس نے زمینی مخلوقات سے اس نعمت کو کالعدم کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ اس نے ایک عورت بنائی جس کا نام پانڈورا تھا۔ اس کے بعد اس نے اس پہلی عورت کو زمین پر بھیج دیا۔ زمین پر اس وقت ایپمی تھیس (empimethcus.) آباد تھا۔ اس نے پانڈورا کی ظاہری کشش سے متاثر ہو کر اس کو اپنی بیوی بنالیا اور وہ اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اس پہلی عورت کے ساتھ ایک بکس تھا جس کو فرضی طور پر پانڈورا کا بکس کہا جاتا تھا (pandora,s box.) کہا جاتا ہے پانڈورا نے زمین پر قیام کرنے کے بعد ایک روز اپنا یہ بکس کھول دیا۔ اس بکس کے اندر ہر طرح کی برائیاں (evils.) بھری ہوئی تھیں۔ بکس کھلتے ہی تمام برائیاں زمین پر پھیل گئیں اس کے بعد پھر زمین کبھی برائیوں سے خالی نہ ہو سکی۔

(ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کولنس انسائیکلوپیڈیا، تحت لفظ (pandora.)

اسی قسم کا افسانہ، کسی قدر مختلف شکل میں یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان مشہور ہوا۔ یہ افسانہ خاتون اول حضرت حوا کے بارہ میں تھا۔ اس افسانہ کی اصل خود بائبل کے اندر شامل کر دی گئی چنانچہ موجودہ بائبل میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

"اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان (آدم) کو بنایا۔ اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کیہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے۔ لیکن نیک و بد کی پہچان کے درختکا کبھی نہ کھانا۔ کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا۔ اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور خداوند خدا اس پسلی سے ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا۔ اور سانپ کل دشتی جانوروں سے چالاک تھا اور اس نے عورت سے کہا کیا

واقعی خدا نے کہا ہے کہ اس درخت کا پھل تم نہ کھانا سانپ نے عورت سے کہا کہ درخت کا پھل کھانے سے تم ہرگز نہ مروگے۔عورت نے اس کے بعد اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر (آدم) کو بھی دیا اور اس نے کھایا تب دونوں کو معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں۔تب خداوند نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا تو میں نے کھایا۔جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا۔اس لیۓ مین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگائے گی (پیدائش:باب۲-۳)

یہ قصہ بتاتا ہے کہ انسان اول (آدم) آرام کے ساتھ جنت میں تھے۔وہاں سے ان کے نکلنے کا سبب جو چیز بنی وہ خاتون اول (حوا تھیں۔حوا کو سانپ (شیطان) نے بہکایا اور حوا نے آدم کو بہکایا۔اس طرح انسان اس ابتدائی گناہ (original sin) کا مرتکب ہوا جس میں ساری نسل انسانی شریک ہوگئی۔

یہ افسانہ یقینی طور پر بے بنیاد ہے مگر وہ اتنا مشہور رہا کہ نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں میں بلکہ دنیا کی اکثر قوموں میں کسی نہ کسی طرح پھیل گیا۔وہ زبان اور لٹریچر میں شاملہو کر طبقہ کے لوگوں تک پہونچ گیا۔

قرآن نے جس طرح بائبل کیدوسری بہت سی تحریفات کی تصیح کی ہے۔اسی طرح اس نے بائبل کیاس تحریفی بیان کی بھی تردید کی ہے۔اس سلسلہ میں حسب ذیل آیات کا مطالعہ کیجئے:

(الاعراف ۲۳-۲۰) ترجمہ: پھر شیطان نے دونوں کو بہکایا تا کہ وہ دونوں کی شرم کی جگہیں کھول دے جو ان سے چھپائی گئیں تھیں۔اس نے دونوں سے کہا کہ

تمھارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتہ نہ بن جاؤ یا تم دونوں کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جائے۔ اور اس نے قسم کھا کر دونوں سے کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ پس اس نے دونوں کو فریب سے مائل کر لیا پھر جب دونوں نے درخت کا پھل چکھا تو دونوں کی شرم گاہیں ان پر کھل گئیں۔ اور وہ دونوں اپنے آپ کو درختوں کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ اور ان کے رب نے ان دونوں کو پکارا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا۔ اور تم دونوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ دونوں نے کہا کہ اے ہمارے رب، ہم دونوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم دونوں کو معاف نہ کرے اور ہم دونوں پر رحم نہ کرے تو ہم دونوں گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

ان آیات میں دیکھیے، ہر موقع پر تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہر بات میں آدم وحوا دونوں کو یکساں طور پر برابر درجہ میں شریک کیا گیا ہے۔ اس سے بات واضح ہے کہ شیطان نے ایک ساتھ دونوں کو بہکایا، دونوں بیک وقت شیطان کی باتوں سے متاثر ہوئے اور دونوں نے ایک ساتھ ممنوعہ درخت کا پھل کھایا، دونوں یکساں طور پر اس کے انجام سے دوچار ہوئے۔ پھر اللہ نے دونوں کو برابر کے درجہ میں ذمہ دار ٹھہرایا اور دونوں سے یکساں حیثیت سے خطاب کیا۔

تجرد کا معاملہ::

اسلام سے پہلے تقریباً تمام مذاہب میں تجرد کو پارسائی کا اعلیٰ معیار سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ بھی وہی تھی جس کا اوپر ذکر ہوا۔ عورتوں کو حقیر اور گناہ کا سرچشمہ سمجھنے کی وجہ سے یہ ہوا کہ عورتوں کو اپنی زندگی میں شامل کرنے والا شخص لوگوں کی نظریں کم تر ہو گیا۔ اس کے برعکس وہ شخص لوگوں کی نظر میں مقدس بن جاتا تھا جو تجرد کی زندگی اختیار کیے ہوئے ہو۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ:

ترجمہ: تجرد کسی ایک یا دوسری شکل میں انسان کی پوری مذہبی تاریخ میں موجود رہا ہے۔ عملی طور پر وہ دنیا کے تمام بڑے مذہبوں میں پایا جاتا رہا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) کے مقالہ تجرد (celibacy.) میں تفصیل سے دکھایا گیا ہے کہ کس طرح تمام مذاہب اس سے متاثر رہے ہیں۔

تجرد کا خاص مقصد یہ ہے کہ مذہبی شخصیتوں میں تقدس کی شان پیدا کی جائے۔ مذہبی شخصیت کو روحانی طور پر خود کفیل ہونا چاہیے، جب کہ عورت کے ساتھ تعلق بتاتا ہے کہ اپنی تکمیل کے لیے وہ اپنے سے باہر بھی کسی چیز کا محتاج ہے ابتدائی مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے یہاں بھی مذہبی شخصیتوں کے لیے عورت کے ساتھ ازدواجی تعلق ممنوع تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کا روحانی تزکیہ نہیں ہوسکتا تھا۔ بعد کو جو مذہبی لٹریچر تیار ہوا اس میں زور وشور کے ساتھ دکھایا گیا کہ تجرد کی زندگی اختیار کرنے سے آدمی کی اخلاقی اور روحانی ترقی ہوتی ہے۔ اس لیے جو لوگ اخلاقی اور روحانی ارتقا چاہتے ہیں وہ نکاح نہ کریں اور اگر ان کی نکاح ہو چکا ہے تو بیوی سے جنسی تعلق مطلق طور پر چھوڑ دیں جنسی عمل کو مذہب کا سب سے بڑا دشمن سمجھا گیا۔ عورتوں کے لیے بھی سب سے اونچا روحانی تصور یہ تھا کہ وہ سار عمر کنواری رہیں اور اسی حال میں مر جائیں۔ قدیم رومی مذہب میں فلسفیوں اور مذہبی لوگوں کے بارے میں اعلیٰ تصور یہ تھا کہ وہ ہمیشہ مجرد زندگی گزارتے ہیں۔ ایسا ہی شخص آئیڈیل روحانی معلم بن سکتا ہے۔ جین مذہب کے متعلق عورت کو دیکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ یہی حال بت ھزم اور دوسرے تمام مذاہب کا ہے۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، (۱۹۸۴ جلد ۱۶، صفحہ ۵۹۹)

تاریخ کی معلوم شخصیتوں میں پیغمبر اسلام پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے قول و عمل سے ان باتوں کی تردید کی۔ آپ نے بتایا کہ تقدس کی علامت تجرد نہیں، تقدس یہ ہے کہ آدمی بیوی، بچوں کے درمیان ہو اور پھر بھی وہ خدا کی مقرر کی ہوئی حد پر قائم

رہے عورت زندگی کی بھلائی ہے نہ کہ برائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خو نکاح کیا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بار بار ترغیب دی کہ تم بھی نکاح کرو۔ حتیٰ کہ ماضی کے تقدس کو توڑنے کے لیے آپ نے یہاں تک فرمایا کہ عورت کو میرے لیے محبوب بنایا گیا ہے (حبب الی النساء) قدیم زمانے میں عورت سے تعلق کسی مذہبی شخصیت کے لیے اتنی معیوب چیز سمجھی جاتی تھی کہ آپ اگر اس باب میں اتنا زیادہ زور نہ دیتے تو لوگ بدستور سابقہ رواج پر قائم رہتے۔

موجودہ زمانے کی تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ تجرد کا نظریہ سراسر غیر فطری اور غیر واقعی ہے نظریہ تھا۔ اس کے مقبلہ میں اسلام کا تصور عین فطری اور عین مطابق حقیقت ہے۔ آج یہ ثابت ہوگیا ہے کہ انسان کے اندر جنسی اعضاء صرف جنسی عمل میں مدرگار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی اہمیت اس سے بہت زیادہ ہے۔ وہ انسان کے اندر تمام عضویاتی، ذہنی، روحانی سرگرمیوں کو تیز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مخنت آدمی کبھی کوئی بڑا فلسفی یا بڑا سائنس داں نہیں بنا ہے۔ حتیٰ کہ وہ بڑا مجرم بھی نہیں بن سکا۔ جنسی اعضاء کی اہمیت انسانی اعمال کے لیے بہت زیادہ ہے؛

ماضی میں مذہب کے دائرہ میں عورت سے نکاح کو معیوب چیز سمجھ لیا گیا تھا۔ اسلام نے اس کے برعکس عورت کے ساتھ نکاح کے متعلق کو پسندیدہ چیز قرار دیا۔ جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ پہلا ذہن فطرت کے خلاف تھا اور اسلام کا ذہن فطرت کے عین مطابق۔ یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کی تعلیمات سراسر مبنی بر حقیقت ہیں۔

فطرت کا نظام

پتھر وغیرہ کو تراش کر اسٹیچو (مورت) بنانا ایک بہت پرانا فن ہے جس کو بت تراشی (sculpture.) کہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ زندہ انسان میں اور پتھر کی مورتوں میں ظاہری طور پر کافی مشابہت ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص انسان کے معاملہ کو اسٹیچو کا مطالعہ سمجھ لے اور انسان کا مطالعہ فن تراشی کے تحت کرنے لگے تو ایسی حالت میں کیا ہوگا۔ یہ طریق مطالعہ بڑے عجیب وغریب نتائج پیدا کرے گا تراشی ہوئی مورت کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسا عالم یہ فرض کرلے گا کہ انسان کے لیے بھی کھانے پینے کا انتظام کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک مورت کو مہینوں اور سالوں کے لیے کمرے میں بند کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا عالم انسان کو بھی ایک اندھیرے کمرے میں بند کردے گا اور اسے کوئی پریشانی نہ ہوگی خواہ سالوں تک بھی کمرہ کھولنے کی نوبت نہ آئے۔

سابق صدر مصر جمال عبدالناصر کے زمانہ میں ایک منصوبہ کے تحت پتھر کی ایک قدیم مورت ابوسمبل (abu simbel.) کو اپنی جگہ سے ہٹانا تھا۔ یہ مورت ۲۰ میٹر اونچی تھی اور پہاڑ میں جمی ہوئی تھی چنانچہ اس کو اس طرح ہٹایا گیا کہ ۶۶۔۱۹۶۴ میں خصوصی مشینوں کے ذریعہ کاٹ کر اس کے کئی ٹکڑے کیے گئے۔ یہ ٹکڑے پرانی جگہ ہٹا کر نئی محفوظ جگہ لائے گئے اور پھر دوبارہ جوڑ کر کھڑے کر دیے گئے۔ اب مذکورہ عالم یہ بھی کر سکتا ہے کہ وہ اپنے کسی منصوبے کی تکمیل کے لیے انسان کے جسم پر بھی آرا چلانا شروع کردے۔

بظاہر ایسا کوئی سنگ تراش (sculptor.) دنیا میں موجود نہیں ہے۔ مگر ایک اور شعبہ علم میں موجودہ زمانہ میں اسی قسم کے ماہرین پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ ''انسان'' کو اسٹیچو فرض کرکے اس کے ساتھ وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو صرف اسٹیچو کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کو موجودہ زمانے میں علم الانسان (anthropology.)

) کہا جاتا ہے۔انتھراپالوجی کا علم انیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوا۔اس کا مقصد انسانی سماج کا مطالعہ خارجی معلومات کی روشنی میں کرنا تھا۔انھوں نے قدیم انسان کے حالات، اس کے عقائد، اس کی روایات اور اس کے مروجہ طریقوں (customs.) کو جمع کیا اور اس کی روشنی میں انسان کے بارے میں رائیں قائم کیں۔

ان کے مطالعہ کے دائرہ میں قدرتی طور پر مذہب بھی آتا تھا۔چنانچہ انھوں نے مختلف فرقوں اور قبیلوں میں موجود مذہب کے بارے میں معلومات جمع کیں۔ ہر وہ رواج جو مذہب کے نام پر کہیں پایا جاتا تھا وہ سب انھوں نے اپنی فہرست میں اکٹھا کرلیا۔

اس طریق مطالعہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب ایک سماجی مظہر (social phenomenon.)بن گیا۔یعنی ایک ایسی چیز جو انسانی توہمات (myths.)اور رواج (customs.)اور سماجی حالات کے اثر سے بنتی ہے۔۔۔۔مذہب اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک خدائی حکم تھا مگر انتھراپالوجی کے مخصوص طریق مطالعہ کے نتیجہ میں وہ محض ایک انسانی رواج بن کر رہ گیا۔اس طریق مطالعہ کا زبر دست نقصان یہ ہوا کہ مذہب نے موجودہ زمانہ میں اپنی اعتباریت (credibility) کھوی۔وہ ایک غیر اہم چیز بن کر رہ گیا۔مذہب ایک خدائی حکم کی حیثیت سے ایک چیز کی حیثیت رکھتا تھا جو اپنی ذات میں مستند ہو۔جس کے بارے میں پیشگی طور پر یہ یقین کیا جا سکے کہ اس کا ہر بیان امر واقعی کا بیان ہے۔اور اس قابل ہے کہ اس کو بالکل درست سمجھ کر مان لیا جائے۔

اس کے برعکس مذہب کو جب محض ایک سماجی مظہر (o c i a l sphenomenon.)مان لیا جائے تو اس کی ساری اعتباریت ختم ہو جاتی ہے۔وہ ایک ایسی چیز بن جاتا ہے جس کو ناواقف انسانوں کے رواج نے وضع کیا ہو نہ کہ اس

خدا نے جو ہر چیز سے براہ راست واقف ہے یہ ایسا ہی تھا جیسے کیمسٹری (chemistry.) کی سائنس کو گھٹا کر کیا گری (alchemy) کا درجہ دیا جائے یا فلکیات (astronomy.) کو فن جوتش (astrology.) کے ہم معنی سمجھا جانے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کے بارہ میں یہ طریق مطالعہ سراسر غلط ہے۔ اس طریق مطالعہ نے ایک حقیقی جر بنا دیا۔ اس نے ایک خدائی چیز کو ایک انسانی چیز کا درجہ دے دیا۔

مذہب کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے قرآن کی اس آیت پر غور کیجئے:

افغیر دین اللہ یبغون و لہ اسلم من فی السماوات و الارض طوعاًو کرھا وانیہ یر جعون (آل عمران ۸۳)

ترجمہ: کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں حالاں کہ اسی کے تابع ہے وہ سب کچھ جو زمین اور آسمان میں ہے۔ خوشی سے یا نا خوشی سے۔ اور اسی کی طرف لوگ لوٹنے والے ہیں۔

اس آیت کے مطابق مذہب عین وہی خدا کا دین ہے جو بالفعل ساری کائنات میں قائم ہے۔ خدا نے جس دین (یا قانون) کا پابند بقیہ دنیا کو بنا رکھا ہے، اسی کا پابند وہ انسان کو بھی بنانا چاہتا ہے اور اسی آفاقی قانون کا نام مذہب ہے۔

قانون کا توازن::

اب دیکھئے کہ وہ کون سا دین (یا خدائی قانون) ہے جو خدا نے بقیہ کائنات، میں نافذ کر رکھا ہے وہ قرآن کے لفظ میں میزان (balance.) کا قانون ہے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

والسماء رفعھا ووضع المیزان الاتطغو افی المیزان (الرحمن)

ترجمہ: اور اللہ نے آسمان کو اونچا کیا اور اس میں میزان رکھی کہ تم میزان میں تجاوز نہ کرو اور تول کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور وزن میں کمی نہ رکھو۔

کائنات کوئی ایک چیز نہیں۔ وہ بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی تمام چیزیں متحرک ہیں۔ ایٹم سے لے کر شمسی نظام یا کہکشاں تک کوئی چیز ساکن نہیں ان متحرک اجزاء کو صحیح کارکردگی پر باقی رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ہر ایک کے عمل کی ایک حد ہو، اور مختلف چیزوں کے درمیان صحیح ترین توازن وتناسب قائم رکھا گیا ہو۔ خدا نے چیزوں کو پیدا کرنے کے ساتھ ان کے درمیان باقاعدہ توازن بھی قائم کر دیا۔ اسی توازن کا دوسرا نام فطرت (law of nature.) ہے۔

اسی طرح انسانی دنیا بھی بہت سے افراد کا مجموعہ ہے یہاں بھی ء ہر فرد متحرک ہے۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ہر ایک کی حد مقرر کر دی جائے۔ مختلف افراد کے درمیان وہ توازن قائم کر دیا جائے جو اس بات کی ضمانت ہو کہ فرد دوسروں کے لیے مسئلہ بنی بگیر اپنی تکمیل کرے گا۔ وہ دوسروں سے غیر ضروری ٹکراؤ کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھے گا۔

یہی وہ قانون توازن ہے جو پیغمبروں کیذریعہ انسان پر کھولا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں کہا گیا ہے:

انا ارسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالسط (الحدید)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ ایک میزان مکتوب اتاری۔ اور اس کے حق میں دلائل بھی فراہم کیے تا کہ لوگ اس کی صداقت وواقفیت کا یقین کر سکیں اور پھر اپنی زندگی کو اس میزان (قانون عدل) کے مطابق

ڈھالیں۔ کائنات کی بقیہ چیزوں کے لیے خدا کا جو قانون توازن ہے وہ ان کے اندر داخلی طور پر شامل ہے مگر انسان کے لیے وہ ایک خارجی کتاب میں لکھ کر اس کو دیا گیا ہے۔

انحراف کا نقصان::

خدا کی اس میزان (قانون عدل) سے انحراف ہی کا نام بگاڑ ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ نے زمین میں اپنے اصلاحی قوانین کے ذریعہ جو توازن قائم کر رکھا ہے اس میں فرق نہ کرو۔ ورنہ زمین میں فساد پیدا ہو جائے۔

(لا تفسدو افی الارض بعد اصلاحھا)

کائناتی توازن کی ایک مثال زمین اور سورج کا فاصلہ ہے۔ زمین اور سورج کے درمیان تقریباً نو کروڑ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ حد درجہ متوازن ہیاس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ اگر ایک درمیانی فاصلہ نصف کے بقدر گھٹ جائے یعنی سورج ہماری زمین سے ساڑھے چار کروڑ میل کی دوری پر آ جائے تو زمین پر اتنی سخت گرمی پیدا ہو گی کہ اس کی ہر چیز جل جائے گی اور یہاں زندگی جیسی چیز کا وجود ناممکن ہو جائے گا۔

یہی معاملہ زمین کی جسامت کا ہے۔ زمین کا محیط اس وقت تقریباً ۲۵ ہزار میل ہے۔ اگر یہ محیط نصف کے بقدر گھٹ جائے یعنی وہ کم ہو کر ساڑھے بارہ ہزار میل ہو جائے تو اس کی کشش اتنی کم ہو جائے گی کہ زمین کی سطح پر ہمارا جمادنا ممکن ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر زمین کا محیط دگنا مقدار میں بڑھ جائے۔ یعنی وہ ۵۰ ہزار میل ہو جائے تو اس کی کشش اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ تمام نمو پذیر چیزوں کی بڑھوتری (growth.) رک جائے گی انسان چوہوں کی مانند ہو جائیں گیاور چوہے چیونٹیوں کی مانند۔

زمین پر جو بے مثال توازن قائم ہے اس کی ایک عجیب مثال وہ ننھی مخلوقات ہیں

جن کو کیڑے مکوڑے کہا جاتا ہے، یہ کیڑے مکوڑے انسان کی طرح پھیپھڑے نہیں رکھتے۔ وہ نالیوں کے ذریعے سانس لیتے ہیں۔ جب یہ کیڑے بڑے ہوتے ہیں تو ان کی یہ نالیاں ان کے جسم کی نسبت سے نہیں بڑھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی کیڑا انچوں سے زیادہ نہیں بڑھتا۔ اپنے اس ڈھانچے کی وجہ سے کبھی کوئی کیڑا بڑے سائز کا نہیں ہوا۔ اسی نظام نے کیڑوں کو اس سے روکا کہ وہ دنیا پر چھا جائیں۔ اگر یہ طبعی روک نہ ہوتا تو زمین پر انسان کا وجود ناممکن ہو جاتا۔ ایسے انسان کا تصور کیجئے کہ جس کا مقابلہ ایسی بھڑ سے ہو جو شیر کے بقدر بڑی ہو یا ایک ایسی مکڑی جو بڑھ کر عظیم الجثہ جانور کی مانند ہو گئی ہو:

بعض لوگوں دنیا کی ءاسی نظام پر اعتراض کیا ہے۔ مثلاً ایک مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ زمین کی کشش ضرورت سے زیادہ ہے۔ ۔ چنانچہ دس کلو کا وزن لے کر چلنا بھی زمین کے اوپر مشکل ہو جاتا ہے اگر زمین کی کشش کم ہوتی تو ہم دس کیلو کا وزن بآسانی لے کر اس پر چل سکتے تھے۔ مگر یہ ایک نادانی کا اعتراض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کشش کی وجہ سے زمین پر ہمارے مقانات ٹھوس چٹان کی طرح قائم ہوتے ہیں اگر زمین کی کشش کم ہوتی تو ہمارے مقانات کاغذ کے گھروندوں کی طرح ادھر سے اُدھر ارنے لگتے اور زمین پر تہذیب کا قیام ناممکن ہو جاتا۔

خوش قسمتی سے کائنات کا نظام انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے، ورنہ کوئی صاحب زمین کی کشش گھٹا کر زمین کے اوپر انسانی نسل کے استحکام کو ناممکن بنا دیتے۔ کوئی صاحب اٹھتے اور زمین اور سورج کے فاصلہ میں تبدیلی کرتیاور پھر یا تو ساری زمین کو برف کی طرح ٹھنڈا بنا دیتے یا آگ کی بھٹی کی طرح گرم۔ اسی طرح کوئی صاحب کہتے کہ کیڑے کی نالیوں کا موجودہ نظام ان کے اوپر ظلم ہے۔ اس لییاایس اہونا چاہیے کہ جسم کے ساتھ ان کی نالیاں بھی بڑھتیر ہیں اور اس کے بعد یہ حال ہوتا کہ ساری زمین بھینسوں اور ہاتھیوں جیسے بھیانک کیڑوں سے بھر جاتی۔

انسان بقیہ کائنات میں اس قسم کا بگاڑ پیدا کرنے پر قادر نہ تھا، اس لیے وہ کائنات کے نظام میں تبدیلی نہ کرسکا۔ البتہ خود اپنی دنیا میں عمل کے لیے وہ آزاد تھا۔ اس لیے یہاں اس نے دل کھول کر ہر قسم کا بگاڑ پیدا کیا۔ حتیٰ کہ وہ صورت حال پیدا ہوگئی جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (الروم ۴۱)

ترجمہ: خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہوگیا ان اعمال کے نتیجہ میں جو انسان نے کیے ہیں۔

مرد اور عورت کا مسئلہ:

اس سلسلے میں مرد اور عورت کے تعلقات کے مسئلہ کو لیجئے۔ مرد اور عورت کا باہمی تعلق خدائی قانون میں تقسیم کار کے اصول پر قائم کیا گیا تھا۔ یعنی مرد باہر کا کام کرے اور عورت گھر کے اندر کے کام کو سنبھالے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے الرجال قوامون علی النساء (النساء ۳۴) اس کا مطب یہ نہیں کہ مرد عورتوں کے اوپر حاکم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے نظام میں وہ تمام کام جن کے لیے فعال صلاحیت درکار ہے، وہ سب مرد کے ذمہ ہیں۔ مثلاً کمانا، دفاع کرنا، بیرونی معاملات کا انتظام کرنا، حکومت چلانا وغیرہ۔ مرد ان کاموں کے لیے فطری طور پر زیادہ موزوں ہیں، اس لیے یہ سب کام انھیں کے ذمہ کئے گئے ہیں "قوام کا لفظ تقسیم عمل کی حکمت کو بتاتا ہے نہ کہ ایک صنف پر دوسرے صنف کے امتیازی مرتبہ کو۔

اس کے برعکس گھر کے اندرونی نظام کو سنبھالنے کا جو کام ہے اس کے لیے منفعل صلاحیتیں درکار ہیں۔ یہ صلاحیتیں عورت میں زیادہ ہیں اس لیے اس کو گھر کے اندرونی کاموں کا انچارج بنایا گیا ہے۔

اسی تقسیم کار پر ہزاروں سال سے زندگی کا نظام چل رہا تھا۔ یورپ میں صنعتی

انقلاب کے بعد پہلی بار وہ حالات پیدا ہوئے جب کہ یہ نظام ٹوٹنا شروع ہوا۔قدیم زمانے میں کمانا نام تھا۔۔شکار کرنے کا، کھیتی اور باغبانی کرنے کا، تجارتی سامان لاد کر برو بحر کا مشکل سفر کرنے کا، وغیرہ اس قسم کی مشقت کمائی صرف مرد ہی کر سکتے تھے، اس لیے عملاً اس کے سوا کوئی صورت ممکن نہ تھی کہ مرد کمائیں اور عورتیں گھر کے اندورنی نظام کو سنبھالیں۔

مگر یورپ میں صنعتی انقلاب نے بے شمار نئے کام پیدا کر دیئے جن کو کرنا نہ کسی درجہ میں عورتوں کے لیے بھی ممکن تھا۔یورپ میں پردہ کا نظام پہلے بھی موجود نہ تھا۔چنانچہ عورتیں دفتروں اور کارخانوں میں پہونچ کر کام کرنے لگیں۔اس طرح دھیرے دھیرے یہ صورت حال ختم ہونے لگی کہ کمائی کا انحصار صرف مرد پر ہو اور عورتیں کچھ نہ کر سکیں۔ جب عورتیں خود کفیل ہوئیں تو اسی کے ساتھ ان کے اندر یہ ذہن بھی پیدا ہوا کہ وہ مرد کی پابندی سے نکلیں اور اپنے لیے آزادی اور مستقل زندگی بنائیں اس طرح وہ تحریک پیدا ہوئی جس کو آزادیٔ نسواں (women ,s liberation) کی تحریک کہا جاتا ہے۔آزادی نسواں کی تحریک کے صنعتی انقلاب سے وابستہ ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ تحریک اولاً انھیں ملکوں میں شروع ہوئی جہاں سب سے پہلے صنعتی انقلاب آیا تھا۔چنانچہ آزادی نسواں کی تحریک بتاتی ہے کہ وہ سب سے پہلے انگلینڈ میں شروع ہوئی۔عورتوں کے لیے برابری کے حقوق کا مطالبہ کرنے والی پہلی قابل ذکر کتاب لندن میں چھپی جس کا نام یہ تھا:

a vindication of the rights of woman.(by mary wollstonecraft,(1792)

امریکہ میں صنعتی انقلاب دیر سے آیا۔اس لیے امریکہ میں آزادی نسواں کی تحریک انیسویں صدی میں شروع ہو سکی۔صنعتی انقلاب کی ترقی کے ساتھ آزادی نسواں کی تحریک بھی ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ بیسیں صدی میں پہنچ کر وہ اپنے آخری کمال تک پہونچ گئی۔

آزادی نسواں کے علم برداروں کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ قدیم سماجوں میں مرد اورعورت کے درمیان جو فرق تھا اس کا سبب فطرت میں نہ تھا بلکہ سماج میں تھا عورت ہر وہ کام کرسکتی ہے جو مرد کرتا ہے یا کرسکتا ہے۔ مگر قدیم سماجی حالات نے عورت کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا اگر یہ سماجی دباؤ ختم کر دیا جائے تو عورت ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرے گی وہ کسی اعتبار سے مرد سے پیچھے نہیں رہے گی۔

اس تحریک کو اب پورے دو سو برس ہو چکے ہیں۔ جدید ترقی یافتہ ممالک میں وہ اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو چکی ہے کہ وہاں وہ سماجی حالات باقی نہیں ہیں جو اس تحریک کے علم برداروں کے نزدیک عورت کی مساویانہ حیثیت کو حاصل کرنے میں رکاوٹ تھے۔ ہر ملک میں برابری کے قوانین بنائے جا چکے ہیں قانون یا رواج کے اعتبار سے آج عورت کی راہ میں مطلق کوئی رکاوٹ باقی نہیں ہے۔ اس کے باوجود عورت ابھی تک مرد سے پیچھے ہے۔ وہ کسی بھی شعبے میں مرد کی برابری حاصل نہ کرسکی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) نے جدید معاشرے میں عورت کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقتصادی میدان میں گھر سے باہر کام کرنے والی عورتیں بہت زیادہ تعداد میں کم تنخواہ والے کاموں میں ہیں۔ اور ان کا درجہ سب سے نیچا ہے۔ حتیٰ کہ عورتیں ایک ہی کام میں مرد سے کم تنخواہ پاتی ہیں۔ امریکہ میں خاتون کارکنوں کی اوسط تنخواہ مردوں کے مقابلہ میں ۶۰ فیصد ہے جاپان میں یہ اوسط ۵۵ فیصد ہے۔ سیاسی طور پر عورتیں بہت بڑے پیمانے پر نمائندگی سے محروم ہیں۔ قومی اور مقامی حکومتوں میں نیز سیاسی پارٹیوں میں:

آج قدیم طرز کی سماجی حد بندیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ ہر ملک میں برابری کے قوانین بن گئے ہیں اس کے باوجود جدید عورت کو مرد کے مقابلہ میں بدستور کم تر درجہ حاصل ہے۔ وہ کسی بھی شعبے میں مرد کے برابر درجہ حاصل نہ کرسکی۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ

عورت اور مرد کی حالت میں فرق کی وجہ وہ نہ تھی جس کو آزادی نسواں کے علم برداروں نے سمجھ لیا تھا۔ اگر وہ وجہ ہوتی تو اب بیسویں صدی کے نصف آخر میں عورت کو کامل طور پر مرد کے برابر درجہ مل جانا چاہیے تھا۔ جب ایسا نہ ہو سکا تو اب ہمیں اس کی توجیہہ کے لیے کوئی دوسرا سبب تلاش کرنا ہوگا۔

ی دوسرا سبب آج خود علم انسانی نے تلاش کر لیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان فرق سماجی حالات کی بنا پر نہ تھا بلکہ دونوں کی پیدائشی بناوٹ کی بنا پر تھا اس کا سبب حیاتیات میں نہ تھا کہ سماجی حالات میں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس سلسلے میں کافی تحقیقات ہوئی ہیں اور اب یہ بات آخری طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی اعتبار سے بنیادی فرق ہے اور جب تک یہ فرق باقی ہے، دونوں کی سماجی حیثیت میں بھی فرق باقی رہے گا۔

مرد اور عورت کا فرق::

تاریخ کے ہر دور میں عورتیں، مردوں کے ماتحت رہی ہیں۔ حتیٰ کہ آج بھی مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں یہ صورت حال مکمل طور پر موجود ہے۔ نام نہاد آزادی نسواں تحریک کے مغربی علم بردار اب تک یہ کہتے رہے ہیں کہ یہ کوئی فطری تقسیم نہیں ہے۔ بلکہ سماجی حالات (social conditioning.) نے مصنوعی طور پر یہ فرق پیدا کر رکھا ہے۔ تاہم حال میں اس سلسلے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں انھوں نے اس مفروضہ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

امریکہ کے پروفیسر اسٹیون گولڈ برگ نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام: ''نظام سرداری کی ناگزریت۔'' مصنف کہتے ہیں کہ معاشرے میں عورت مرد کے فرق کو وجہ حقیقتہً کوئی سماجی دباؤ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں جنسوں میں بنیادی فطری فرق اس کا سبب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کو امریکہ کی انتہا پسند خواتین کی طرف سے نہایت سخت خطابات ملے ہیں۔ مثلاً'' ظالم خنزیر'' اور''

مرد سادی‘‘ وغیرہ۔

سادیت، کونت دی سادے (۱۸۴۰-۱۸۱۴) کی طرف منسوب ہے۔اس سے مراد ایک قسم کی جنسی کجروی ہوتی ہے جس کے مبتلا کو اس میں لطف آتا ہے کہ وہ معشوق کو جسمانی تکلیف دے ’’مرد سادی‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مرد جو عورت کے حق میں ظالم ہو۔

کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر گولڈ برگ سے جب [ڈیلی اکسپرس‘‘ کا نمائندہ ملا تو انھیں نے مسکراتے ہوئے کہا: مساوات نسواں کا علم بردار خواتین مجھ سے نفرت کرتی ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ تمام انسانی معاشروں میں مرد کا عمومی غلبہ (malc dominance.) صرف سماجی حالات کی وجہ سے نہیں ہوسکتا۔‘‘

اس فرق کی زیادہ حقیقت پسندانہ توجیہہ یہ ہے کہ اس کو مردانہ ہارمون (malc hormone.) کا نتیجہ قرار دیا جائے جو کہ ابتدائی جرثومہ حیات پر اس وقت غالب آجاتے ہیں جب کہ وہ ابھی رحم مادر میں ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچے ہمیشہ چھوٹی بچیوں سے زیادہ جارح ہوتے ہیں اور یہ فرق عین اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ ابھی وہ سماجی حالات کے زیر اثر بھی نہ آئے ہوں۔

مساوات نسواں کے علم برداروں کا مقدمہ، خالص علمی اعتبار سے زیادہ مظبوط نہیں ہے۔اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ مرد کا غلبہ سماجی حالات کی وجہ سے ہے نہ کہ پیدائشی خصوصیات کی وجہ سے، تو یقیناً کبھی نہ کبھی دنیا کے کسی خطہ میں ایسا معاشرہ ضرور بنتا جس میں عورتوں کو غلبہ حاصل ہوتا۔جب کہ پوری معلوم تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔حتیٰ کہ اشتراکی معاشرہ میں بھی ایسا نہیں ہے جو جنسی مساوات کا سب سے بڑا علم بردار ہے روس کی وزارتی کابینہ میں ۲۶ طاقت وزراء شامل ہیں۔مگر ان میں کوئی ایک بھی خاتون ممبر نہیں۔

علم النسان کی ماہر خاتون ڈاکٹر مارگریٹ میڈ، جو خود بھی مساوات نسواں کی تحریک

سے تعلق رکھتی ہیں، انھوں نے ساری عمر مختلف انسانی معاشروں کا مطالعہ کیا ہے، تاہم وہ لکھتی ہیں؛

''ایسے تمام دعوے جن میں زور وشور کے ساتھ ایسے معاشروں کا نکشاف کیا گیا ہے جہاں عورتوں کو غلبہ حاصل تھا، بالکل لغو ہے۔ اس قسم کے عقیدہ کے لیے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ہر دور میں مرد ہی امور عامہ کے قائد رہیہیں۔ اور گھر کے اندر بھی اعلیٰ اختیار ہمیشہ انھیں کو حاصل رہا ہے۔'']

پروفیسر گولڈ برگ کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرد عورتوں سے بہتر (better) ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مرد عورتوں سے مختلف (different.) ہیں۔ مرد کا دماغ اس سے زیادہ مختلف طرز پر کام کرتا ہے جس طرح عورت کا دماغ کام کرتا ہے۔ یہ فرق چوہوں وغیرہ کے نر اور مادہ میں بہت واضح طور پر تجربہ کیا جا چکا ہے۔ کچھ عورتیں مستثنیٰ ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ بہت معمولی اقلیت ہیں۔

خلاصۃ یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں، رحم مادر سے لے کر سوچنے کی صلاحیت تک۔ یہ فرق دونوں کی حیاتیاتی نوعیت کے فرق سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ کسی قسم کے سماجی حالات سے۔ (ڈیلی اکسپریس ۴ جولائی ۱۹۷۷)

بنیادی فرق::

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر الکس کیرل (۱۸۷۳۔۱۹۴۴) نے مذکورہ موضوع پر نہایت نفیس بحث کی ہے۔ وہ اس معاملہ کی حیاتیاتی تفصیلات پیش کرنے بعد لکھتے ہیں:

مرد اور عورت کے درمیان جو فرق پائے جاتے ہیں وہ محض جنسی اعضاء کی خاص شکل، رحم کی موجودگی، حمل یا طریقہ تعلیم کی وجہ سے نہیں ہیں۔ وہ اس سے زیادہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔

وہ خود نسیجوں کی بناوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور پورے نظام جسمانی میں خصوصی کیمیائی مادے کے سرایت کرنے سے ہوتے ہیں جو کہ خصیۃ الرحم سے نکلتے ہیں۔ ان بنیادی حقیقتوں سے بے خبری نے ترقی نسواں کے حامیوں کو اس حقیقت تک پہنچایا ہے کہ دونوں صنفوں کے لیے ایک طرح کی تعلیم، ایک طرح کے اختیارات اور ایک طرح کی ذمہ داریاں ہونی چاہئیں۔ باعتبار حقیقت عورت نہایت گہرے طور پر مرد سے مختلف ہے۔ عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے۔

یہی بات اس کے اعضاء کے بارے میں بھی درست ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اس کے اعصابی نظام کے بارے میں۔ عضویاتی قوانین بھی اتنا ہی اٹل ہیں جتنا کہ فلکیاتی قوانین اٹل ہیں ان کو انسانی خواہشوں سے بدلا نہیں جا سکتا۔ ہم مجبور ہیں کہ ان کو اسی طرح مانیں جیسے کہ وہ ہیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو خود اپنی فطرت کے مطابق ترقی دیں، وہ مردوں کی نقل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تہذیب کی ترقی میں ان کا حصہ اس سے زیادہ ہی جتنا کہ مردوں کا ہے انھیں اپنے مخصوص عمل کو ہرگز نہیں چھوڑنا نہیں چاہیے۔

عورتوں کو مساوی مواقع دیئے جانے کے ایک پر جوش حامی کی حیثیت سے میں مسلسل طور پر ان کی تخلیقی صلاحیت کے بارے میں شبہ کا شکار رہا ہوں۔ ایسا کیوں ہے کہ عورتوں نے اعلیٰ درجہ کے لیے ادیب، شاعر، آرٹسٹ اتنی کم تعداد میں پیدا کیے۔ ایسا کیوں ہے کہ ان شعبوں میں جو روایتی طور پر عورتوں کے شعبے سمجھے جاتے ہیں، مثلاً طباخی اور لباس سازی، وہ مردوں کے مقابلے میں دوسرے درجہ پر ہیں۔ تمام مشہور طباخ اور لباس ساز (حتیٰ کہ عورتوں کے لباس کے بھی) مرد ہی ہیں۔

اب تک میں سماجی علماء اس نقطہ کو مانتا رہا ہوں کہ یہ روایت اور ماحول ہے جس نے ان کے خلاف کام کیا ہے۔ مگر سماجی توجیہہ سے مجھے پورا اطمینان ہے نہ ہو سکا۔

میں محسوس کرتا رہا کہ ماحول یا مواقع کے فقدان کے علاوہ بھی اسباب ہیں جنھوں نے عورتوں کو مردوں سے پیچھے کر رکھا ہے۔ پروفیسر آئی سنک جنھوں نے ذہانت کا حسابی پیمانہ ایجاد کیا ہے، اور جن کا کہنا ہے کہ کالے اور سانولے رنگ کی نسلیں، سفید فام نسلوں کے مقابلہ میں کم تر ذہانت رکھتی ہیں، اب انھوں نے دعوی کیا ہے کہ یہی بات عورتوں کے لیے بھی صحیح ہے۔ ان کے جین دراصل ان کو بناتے ہیں۔ حمل کے وقت ہی سے ان کا زنانہ پن اسی طرح متعین اور مقرر ہوتا ہے جس طرح کسی کمپیوٹر میں۔

علمائے سماجیات کے دعوی کے برعکس، یہ روایت اور ماحول کا اثر نہیں ہے کہ ایک چھوٹی بچی گڑیوں کے کھیلنے کا شوق رکھتی ہے اور ایک چھوٹا بچہ سپاہی کی صورت والے کھلونے سے کھیلتا ہے۔ یہ حیاتیاتی بناوٹ کا اثر ہے۔ حتیٰ کہ ایک لڑکی جب کہ ابھی وہ رحم مادر میں ہوتی ہے وہ لڑکے کے مقابلہ میں زیادہ کشادہ پیڑو بنانے لگتی ہے۔ پیڑو جتنا زیادہ کشادہ ہوگا، اتنا ہی اس میں زنانہ پن، انفعالیت حتیٰ کہ ہم جنسی کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جن عورتوں کے پیڑو کم چوڑے ہوتے ہیں ان میں مردانہ اوصاف جارحیت اور ہم جنسی کے رجحانات ہوتے ہیں۔ یہ تجربات اتنے قطعی ہیں کہ کوئی بھی شخص اپنے قریبی لوگوں کا جائزہ لے کر ان کی تصدیق کر سکتا ہے۔

آئی سنک اس سے پہلے نسلی مساوات کے حامیوں کا نشانہ تنقید کر رہا ہے۔ اب مساوات نسواں کے حامیوں نے بھی اس کے خلاف قلم اٹھالیا ہے اور اس پر سخت تنقیدیں کی جارہی ہیں۔۔۔۔ خشونت سنگھ

عورت کی بے بسی:۔

جدید تہذیب نے عورت کو برابری کا درجہ دینے کی کوشش میں یہ کیا کہ اس کو مستقل نابرابری کے درجہ پر پہونچا دیا۔ مغربی زندگی کے جس شعبے میں بھی عورت آج کام

کر رہی ہے۔ وہاں وہ مرد کے مقابلہ میں صرف دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ نیز اس نابرابری کی مزید قیمت اس کو یہ دینی پڑتی ہے کہ ہر جگہ وہ مرد کے مظالم کا شکار ہو رہی ہے۔ یہاں ہم امریکہ کی کارکن خواتین کے بارہ میں ایک رپورٹ کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

یہ ایک دہلی بس جیسا تجربہ ہے۔ ذلیل اشارے، جارحانہ زبان، ذاتی حملے۔ امریکہ میں کام کا مقام خاتون کارکنوں کے لیے ویسا ہی ہے جیسا کہ دہلی کی بس خاتون مسافروں کے لیے۔ ایک بنک کے پریسیڈنٹ سڈنی ٹیلر نے اپنے بنک کی ایک خاتون کارکن مائیکل ونسن کو جسمانی اذیت پہنچائی اور اس کی عصمت دری بھی کی۔ ایسا چار سال تک ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مذکورہ خاتون عورتوں کی ایک تنظیم کی مدد سے عدالت گئی۔ ڈسٹرکٹ کورٹ نے اس کی اپیل رد کردی۔ زیادہ تر اس بات پر کہ وہ چار سال تک خاموش رہی اور اس نے بینک کے شکایتی نظام سے مدد کی درخواست نہیں کی۔ عدالت نے کہا کہ دونوں کے درمیان جو بھی تعلق تھا وہ رضاکارانہ تھا۔ ہائی کورٹ سے بھی یہ مسئلہ ختم نہ ہو سکا اور آخر کار وہ سپریم کورٹ میں پہنچا۔ امریکہ کے سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ کسی کو جنسی طور پر ہراساں کرنا عورت کے روزگار کے حقوق کی براہ راست خلاف ورزی ہے۔ اس سے ایک مخلصانہ ماحول پیدا ہوتا ہے۔ جس میں وہ اپنی ملازمت چھوڑنے پر مجبور ہو سکتی ہے یا اپنا کام پوری طرح نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ اگر اس قسم کا نامحمود جنسی مطالبہ براہ راست طور پر روزگار کے مفادات سے وابستہ نہ ہو تب بھی عملاً اس کا مطلب ہے ــ میں جیسا کہتا ہوں ویسے کرو ورنہ تمھیں ملازمت سے نکال دیا جائے گا۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ یہ طریقہ مقام عمل پر جنسی امتیاز کی ممانعت کے بارہ میں امریکی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ کام کرنے والی عورتوں کو دفتروں میں پریشان کیا جانا ایک وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے، خواتین سے متعلق ایک تنظیم نے بتایا ہے۔ پچھلے پانچ برسوں میں دفاتر کام

کرنے والی خواتین کی تقریباً نصف تعداد نے اس قسم کی بدسلوکی کا تجربہ کیا۔ یہ واقعات صرف کارخانوں میں مزدوروں کے ساتھ کام کرنے والی خواتین کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ بلکہ اونچی بلڈنگیں اور شاندار دفاتر بھی اپنی خاتون کارکنوں کے لیے اچھے نہیں۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو سیکرٹری ہیں یا قانون دان ہیں یا اور کسی اونچے عہدہ پر ہیں۔ مرکزی حکومت میں کام کرنے والی خواتین کی تقریباً ۴۲ فی صد تعداد کو اپنے دفتروں میں پریشان کیا گیا۔ یہ بات ایک حالیہ سروے کے ذریعہ معلوم ہوئی۔ ریاستی حکومتوں کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والی ۲۰ فی صد خواتین نے بتایا کہ جنسی بدسلوکی ان کے لیے ایک عام تجربہ بن چکا ہے ۱۹۸۱ اور ۱۹۸۵ کے درمیان اس قسم کی شکایتوں کی تعداد ۷۰ فی صد تک بڑھ گئی ہے۔

خاتون کارکنوں کی شکایتیں مختلف قسم کی ہیں۔ یہ عصمت دری سے لے کر دھکا دینا، چھونا، مسلسل جنسی مطالبات، جارحانہ قسم کے تبصرے اور گندی زبان استعمال کرنا ہے۔ مرد اپنی اس قسم کی حرکتیں اکثر ایسے مواقع پر کرتے ہیں جب کہ آس پاس کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ خوف اور ناامیدی عورت کو اس سے روکے رہے گی کہ دوسروں سے اس کی شکایت کرے حتیٰ کہ اگر عورت شکایت کرے تب بھی مرد کو اطمینان رہتا ہے کہ وہ حالات کے اعتبار سے اپنا کامیاب دفاع کر سکے گا۔ جہاں عصمت دری جیسے سنگین مسئلہ کو ثابت کرنا مشکل ہو وہاں اس سے کم تر درجہ کی بدسلوکی کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح کے معاملات میں اگر ملزم وہ شخص ہو جو خاتون کارکن کا افسر ہے تو شکایت کرنے کی سزا خاتون کارکن کو یہ ملتی ہے کہ اس کے اوپر کام کا بوجھ بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کے کام کو بے قیمت کیا جاتا ہے اور طرح طرح سے پریشان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سی عورتیں عدالت میں جانے کی بجائے ملازمت چھوڑ دیتی ہیں۔

(انڈین اکسپریس ۱۳ اگست ۱۹۸۶)

امریکہ کے دفاتر میں خاتون کارکنوں کا یہ حال اس کے باوجود ہے کہ وہاں جنسوں کو مساوی درجہ دینے کے بارہ میں باقاعدہ قوانین بنے ہوئے ہیں۔خاتون کارکنوں کو نہ ستانے کے بارے میں بھی قوانین موجود ہیں۔اس کے باوجود امریکی دفاتر میں عورت مظلوم بنی ہوئی ہے۔اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ شوہر، اور ماں اور باپ کو پہلے ہی چھوڑ چکی ہے۔اب اگر وہ دفتر کو بھی چھوڑ دے تو کہاں جائے۔حقیقت یہ ہے کہ مغربی عورت کی یہ مجبوری نہ ہو تو مغربی دفاتر عورتوں سے خالی نظر آنے لگیں۔

مگربی دفاتر میں خاتون کارکنوں کا یہ حال اتفاقی نہیں اور نہ کسی بھی قانون اس کی روک تھام کر سکے۔چڑیا اور بیل کو مساوی قرار دینے کے لیے آپ دونوں کو یکساں طور پر مقابلہ کے میدان میں اتار دیں تو اسکے بعد چڑیا کچل اٹھے تو کیا اس ''ظلم'' کو قانون کے ذریعہ روکا جا سکتا ہے کیا ایسا کوئی قانون بنانا ممکن ہے کہ چڑیا اور بیل دونوں ٹکرائیں، اس کے باوجود چڑیا کو کوئی گزند نہ پہونچے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرد کو قدرت نے صنف قوی بنایا ہے اور عورت کو صنف نازک یہ فرق دونوں کے اس کام کی نوعیت کے اتبار سے ہے جو قدرت دونوں سے الگ الگلینا چاہتی ہے۔دونوں کے تقسیم عمل میں تبدیلی فطرت کی خلاف ورزی ہے اور فطرت کی خلاف ورزی سے جو مسائل پیدا ہوں، ان کا حل دوبارہ فطرت سے مطابقت ہے۔فطرت کی خلاف ورزی کو باقی رکھتے ہوئے ان کو کسی بھی طرح حل نہیں کیا جا سکتا۔

پھول کو اگر آپ گل دستہ میں لگائیں تو وہ ایک اونچی سطح پر اپنے لیے باعزت جگہ پا لے گا لیکن اگر آپ پھول کو میز کے پایہ کے نیچے رکھنے لگیں تو وہ کچل کر مٹی میں مل جائے گا۔ایسا ہی کچھ معاملہ مرد اور عورت کا ہے۔عورت کو اگر گھر کے اندر رکھا جائے۔تو وہ بہن اور بیوی اور ماں کی حیثیت سے نہایت باعزت جگہ کی مالک بنے گی۔لیکن اگر اس کو گھر سے باہر نکال دیا جائے اور باہر کی دنیا میں اس کو مردوں کے''

دوش بدوش'' کھڑا کردیا جائے تو اس کا وہی انجام ہوگا جو مغربی دنیا میں اس کا نتیجہ میں عورت کا ہو چکا ہے۔عورت کا صنف نازک ہونا گھر کے اندر اس کو گھر کی ملکہ بناتا ہے،عورت کا صنف نازک ہونا گھر کے باہر کی زندگی میں اس کو مظلوم اور حقیر بنا دیتا ہے۔

ایڈز کی لعنت::

فطرت کی خلاف ورزی سے کیسے سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں اس کی ایک تازہ مثال وہ بیماری ہے جس کو ایڈز کہا جاتا ہے ایڈز فطرت کی خلاف ورزی کی سزا ہے۔ چنانچہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مرض غلط عادتوں، خاص طور پر ہم جنسی کے فعل کے سبب پیدا ہوتا ہے؛

ایڈز (aids.) ایک اشارائی نام ہے۔یہ لفظ حسب ذیل انگریزی فقرہ کا مخفف ہے:

acquired immunce deficiency syndrome.

اس کا مطلب ہے۔۔۔جسم کے مدافعتی نظام کی تباہی کی علامت۔یہ ایک عجیب وغریب قسم کا معتدی مرض ہے جو صرف ملیریا کے بعد نمبر ۲ پر سمجھا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ ساری انسانی تاریخ میں مجموعی طور پر جو موتیں ہوئی ہیں ان میں سے نصف موتیں صرف ملیریا کے ذریعہ ہوئی ہیں۔اب موجودہ زمانے میں ایڈز کی بیماری ظاہر ہوئی ہے جو بعض اعتبار سے غالباً ملیریا سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اسمرض کے جراثیم (varus.) آدمی کے اندر خاموشی سے داخل ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ابتداء آدمی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی مہلک مرض کا شکار ہوگیا ہے۔یہ مرض آدمی کے جسم کے فطری دفاعی نظام کو بالکل تباہ کر دیتا ہے۔ایڈز کے بعد تباہ شدہ مدافعتی نظام (shattered lmmune system.) کا اب تک علاج دریافت نہ ہوسکا۔کیونکہ یہ بیماری پورے خون میں شامل ہو جاتی ہے اور آدمی کے پورے جسم

کو متاثر کر کے رکھ دیتی ہے۔

ایڈز کے مریض کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا جسمانی نظام اندر سے بالکل کھوکھلا ہو جاتا ہے اس کو چوٹ لگ جائے تو وہ کسی طرح اچھی نہیں ہوتی۔ بخار ہو تو کوئی دوا کام نہیں کرتی۔ انجکشن لگایا جائے تو وہ بے اثر ثابت ہوتا ہے۔ اس کا خون کسی بھی دوا یا غذا کو قبول نہیں کرتا۔ بیمار کا وزن دن بدن گھٹتا رہتا ہے۔ وہ بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی کھانے کی چیز کھا نہیں سکتا۔ اس کے جوڑ جوڑ میں درد ہونے لگتا ہے اس کے اوپر ہر وقت بدلی اور اداسی چھائی رہتی ہے وغیرہ۔

ایڈز کے مریض ایک قسم کے عالمی اچھوت بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ کسی کو تحفہ دیں تو ان کا تحفہ قبول نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ سخت اندیشہ ہوتا ہے کہ اس میں مہلک مرض کے جراثیم موجود ہوں گے وہ سیاحت کے لیے جائیں تو کال گرلس اور ہوٹلوں کے ملازم ان کے قریب آتے ہوئے ڈرتے ہیں ایسے لوگوں کے دوست لڑکے اور لڑکیاں ان سے دور بھاگتے ہیں امریکہ کے محکمہ صحت نے ڈاکٹروں کے نام سخت ہدایات جاری کی ہیں کہ جب وہ بلڈ بنک سے خون کی بوتل منگوائیں تو اس کو باضابطہ ٹیسٹ کیے بغیر کسی مریض کو نہ دیں۔ کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ہزاروں امریکی صرف اس لیے ایڈز کے مریض بن گئے کہ اپریشن یا خون کی کمی کے وقت ان کے جسم میں بلڈ بینک کا خون داخل ہو گیا تھا۔ ۸۶۔۱۹۸۵ کے درمیان صرف ایک سال میں امریکہ میں ایسے ایڈز کے مریضوں کی تعداد تقریباً ۵۰ ہزار تھی جو خود اس مرض کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ مگر کسی مریض کے ربط کے نتیجہ میں ان کو یہ مرض لگ گیا۔

۱۹۸۶ کے اعداد و شمار کے مطابق ایڈز کی مہلک بیماری اور اس سے تعلق رکھنے والی بیماریاں امریکہ میں اس سے بہت زیادہ ہیں جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات امریکہ کے وال سٹریٹ جرنل میں بتائی گئی ہے۔ جرنل نے بتایا کہ جو امریکی ایڈز کا شکار ہیں ان کی تعداد ۶۱ ہزار ہے اور ان میں سے نصف کے متعلق سمجھا جاتا

ہے کہ وہ مر جائیں گے۔ ایک لاکھ سے دو لاکھ تک ایسے لوگ ہیں جو ایڈز سے تعلق رکھنے والی مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہیں:

جولائی ۱۹۸۶ کے پہلے ہفتے میں پیرس میں ماہرین طب کی ایک کانفرنس ہوئی اس کا مقصد ایڈز کے مسائل پر غور کرنا تھا انھوں نے بتایا کہ اگر ایڈز کے جراثیم امریکہ کی طرح بقیہ دنیا میں پھیلتے ہیں تو ۱۹۹۱ میں تین لاکھ مزید ایڈز کے مریض پیدا ہو چکے ہوں گے۔ ماہرین کی پیشین گوئی کے مطابق اس وقت تک امریکہ میں ۷۴ ہزار نئے افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہوں گے۔ اندازہ ہے کہ ۱۹۹۱ تک ایک چوتھائی ملین سے زیادہ امریکی باشندوں کو یہ بیماری لگ چکی ہو گی اور ۱۸۹ ہزار افراد مر جائیں گے۔ امریکی ہسپتالوں کا ایڈز کا بل اس وقت تک آٹھ بلین ڈالر ہو چکا ہو گا اس وقت یورپی ملکوں میں فرانس سب سے زیادہ اس مرض سے متاثر ہوا ہے۔ دوسرے نمبر پر مغربی جرمنی۔ تیسرے پر برطانیہ اور چوتھے نمبر پر اٹلی:

ایڈز کا مرض کیسے لگتا ہے، اس کے سلسلہ میں معلوم کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ جنسی انارکی خاص طور پر ہم جنسی کا فعل (homosexual practice.) ہے۔ موجودہ زمانے میں مغرب کے آزاد لڑکوں اور لڑکیوں میں اس کا رواج بہت بڑھ گیا تھا، حتی کہ کھلم کھلا ہم جنسی کا فعل کرنے لگے تھے مگر اس غیر فطری فعل کی سزا انھیں ایک ایسے مہلک مرض کی صورت میں ملی کہ وہ خود ایک دوسرے سے بھاگنے لگے۔

تحقیقات کے دوران مزید معلوم ہوا ہے کہ افریقی جنگلوں میں بندروں کی ایک نسل پائی جاتی ہے جس کو عام طور پر ہرا بندر (green monkey.) کہتے ہیں۔ ان بندروں میں بھی ایڈز کی قسم کا مرض پایا جاتا ہے یہ بندر تمام جانوروں میں ایک استثنائی مثال ہیں جو عین وہی ہم جنسی کا فعل کرتے ہیں جس میں آج کی نوجوان نسل مبتلا ہے۔ اور اس فعل کے نتیجہ میں وہ اسی مرض کا شکار رہتے ہیں جس کو موجودہ زمانے میں ڈاکٹروں نے ایڈز کا نام دیا ہے۔۔۔ ہرے بندروں کو کو شاید اللہ تعالی

نے عبرت کے طور پر دنیا میں رکھا تھا۔ تا کہ انسان ان کو دیکھ کر سبق لے اور ہم جنسی کا مہلک فعل نہ کرے۔ مگر انسان کی بڑھی ہوئی آزادروی نے اس کو یہ سبق نہ لینے دیا۔

سان فرانسسکو کو ہم جنسوں کی عالمی راج دھانی کہا جاتا تھا۔ اس امریکی شہر کے بارہ میں ایک طبی رپورٹ بتاتی ہے کہ یہاں بہت تیزی سے ایڈز کی بیماری پھیل رہی ہے۔ ۱۹۸۶ کے ابتدائی چھ مہینوں میں ایڈز کے ۵۲۰ نئے کیس معلوم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر تین میں سے دو کیس سخت مہلک ہیں۔ یعنی کل تعداد کا ۶۷ فی صد ۵۸ فی صد تھی:

جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایڈز کی بیماری کا ابتدائی سبب ہم جنسی کا فعل ہے، ہم جنسی کے دل دادہ لڑکے اور لڑکیاں اس فعل سے اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے کوئی شخص طاعون کے مریض کو دیکھ کر اس سے دور بھاگے۔ بعض علاقے جو اس سے پہلے ہم جنسی کا فعل کرنے والے ''رندوں'' سے معمور رہتے تھے۔ اب وہ سنسان ہوتے جا رہے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) کے مقالہ ہم جنسی (homosexuality.) میں بتایا گیا ہے کہ ہم جنسی کا فعل اگرچہ مغربی ملکوں میں پہلے سے موجود رہا ہے۔ تاہم اس فعل کا سائنسی مطالعہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی کیا جا سکا۔ پروفیسر کنسے (a. c. kinsey.) نے ۱۹۵۳۔ ۱۹۴۸ کے درمیان امریکہ میں باقاعدہ اعداد و شمار جمع کیے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اس وقت امریکی مردوں کی ۳۷ فی صد اور اور امریکی عورتوں کی ۱۳ فی صد تعداد ہم جنسی کا تجربہ کر چکی تھی۔ دوسرے مگربی ملکوں میں بھی کم و بیش یہ رواج پایا گیا ہے۔ (ایڈز کی طبی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ٹائم ۳ نومبر ۱۹۸۶)

مغربی ملکوں میں عام طور پر ہم جنسی کے خلاف قانون موجود نہیں ہیں۔ البتہ اگر مفعول کم عمر ہو یا فاعل نے اس کے ساتھ جبراً یہ فعل کیا ہو تو وہ غیر قانونی قرار پائے

گا۔اس سے پہلے مغرب میں ہم جنسی کے مرتکب کوتحقیر یطور پر لوطی (.sodomy) کہا جاتا تھا۔مگر اب اس کے لیے ایک بے ضرر لفظ رائج ہو گیا ہے، اور وہ گے (gay) ہے۔اس انگریزی لفظ کا مفہوم تقریباًوہی ہے جس کو اردو زبان میں رندیا رندمنش کہتے ہیں۔جو چیز پہلے عمل قوم لوط تھی۔وہ اب محض خوش طبعی کے ہم معنی بن گئی۔

برطانیہ میں ۱۹۶۷ میں ہم جنسی کو ازروئے قانون جائز قرار دیا گیا تھا۔اب مزید ترقی ہوئی ہیاور عام طور پر اس کو نکاح کی طرح جائز ادارہ سمجھا جانے لگا ہے۔ ڈنمارک میں ہم جنسی کا فعل کرنے والے جوڑوں کے لیے وراثت کا وہی قانون منظور کیا گیا ہے جو شادی شدہ جوڑے کے لیے ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ ڈنمارک کی پارلیمنٹ میں اس اس موضوع پر رائے شماری ہوئی تو ممبران کی اکثریت نے اس حق میں رائے دی کہ جو ہم جنس جوڑے اس کا ثبوت دے دیں کہ وہ ایک ساتھ رہتے ہیں وہ ایک دوسرے کی وراثت میں میاں بیوی کی طرح حصہ قرار پائیں گے:

موجودہ زمانہ میں آزادی کے لامحدود تصور نے جوخرابیاں پیدا کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہم جنسی ہے۔قدیم زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا کہ ایک عورت اور ایک مرد نکاح کے رشتہ میں بندھ کر باہم ازدواجی تعلق قائم کرتے تھے۔موجودہ زمانے میں پہلے نکاح کے رشتہ کوغیر ضروری قرار دیا گیا۔اس کے بعد لوگوں کی آزاد مزاجی یہاں تک بڑھی کہ انھوں نے کہا کہ ازدواجی تعلق کے لیے مخالف صنف کا ہونا ضروری نہیں ہے۔مرد مرد اور عورت عورت بھی ایک دوسرے سے جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ اس کو موجودہ زمانہ میں خوب صورت طور پر جنسی اختیار (sex .prefence) کا نام دیا گیا۔مگر نتائج نے بہت جلد بتایا کہ فطرت کے نظام سے انحراف ہمیشہ فساد پیدا کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں آدمی کے لیے ایک ہی

صحیح راستہ ہے۔ یہ کہ وہ پیغمبروں کے بتائے ہوئے نظام فطرت پر عمل کرے۔ اگر اس سے اس نے انحراف کیا تو وہ کسی حال میں اس کو بڑے انجام سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔

مغرب کو فطرت سے انحراف کی بیک وقت دو قیمت دینی پڑی۔ ایک یہ کہ اس نے صنف نازک کو صنف قوی کے میدان میں کھڑا کر کے یہ کیا کہ صنف نازک کو مستقل طور پر کم حیثیت میں پہنچا دیا۔ امریکہ میں قانون کے اعتبار سے عورت کو مکمل مساوات کا درجہ حاصل ہے مگر قانونی مساوات ابھی تک عملی مساوات کی صورت اختیار نہ کر سکی۔ ایلن گڈ مین (ellen goodman.) کے الفاظ (ٹائم ۲ جولائی ۱۹۸۷) میں، امریکی خواتین ابھی تک مساوی درجہ پانے کا انتظام کر رہی ہیں:

p.45. we re still waiting for equal status.

امریکہ کی خاتون پروفیسر ڈاکٹر مانٹ گومری (dr louise f.montgomery.) نے جو بات امریکی صحافت میں عورت کے درجہ کے بارہ میں کہی بات وہی امریکی زندگی کے تمام شعبوں میں عورت کے درجہ بارہ میں صحیح ہے۔ انھوں نے کہا:

امریکہ کی اخباری دنیا میں عورتیں اب نچلے درجہ سے تعلق رکھتی ہیں۔۔ حتی کہ ٹی وی خبروں کے پروگرام میں جو لوگ لیڈر ہیں اور امریکنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں وہ بھی مرد ہیں۔

عورت کے معاملہ میں فطرت سے انحراف کا دوسرا نقصان جدید ترقی یافتہ ملکوں کو یہ ملا کہ ان کا پورا معاشرہ جنسی آوارگی کا شکار ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں اتنے بے شمار مسائل پیدا ہو گئے جن کا شمار بھی آسان کام نہیں۔

عورت معاشرے میں

قدیم معاشروں میں تقریباً ساری دنیا میں یہ صورت حال تھی کہ عورت کو مرد کے مقابلہ میں کم تر درجہ حاصل تھا۔ قدیم یونان میں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۸۴ کے الفاظ میں، عورت کا مرتبہ اتنا گرا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت بچہ پالنے والی غلام کی ہو کر رہ گئی تھی، عورتوں کو ان کے گھروں میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ تعلیم سے محروم تھیں۔ ان کا کوئی حق نہ تھا۔ ان کے شوہر بس ان کو گھر کے سامانوں میں سے ایک سامان سمجھتے تھے:

قدیم روم میں ایک عورت کی قانونی حیثیت کامل محکومی تھی، اولاً وہ اپنے باپ یا بھائی کی محکوم ہوتی تھی اور بعد کو اپنے شوہر کی۔ شوہر کو اپنی بیوی کے اوپر پدرانہ اختیار حاصل ہوتا تھا قانون کی نظر میں عورت ضعیف العقل شمار ہوتی تھی:

عیسائیت نے بھی صورت حال کو کچھ بہتر نہیں بنایا۔ ہر معاملہ میں، حتیٰ کہ مذہبی معاملہ میں بھی عورت کو کم تر درجہ دیا گیا۔ کرنتھیوں کے نام ''پولس رسول'' کے پہلے خط میں درج ہے:

پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے۔ (گنتی ا۔ کرنتھیوں، ۱۱:۱۰)

قدیم زمانہ میں عورت کے ساتھ غلط سلوک کی وجہ وہی تھی جو دوسرے معاملات میں قدیم انسان کے یہاں پائی جاتی ہے۔ یعنی توہماتی عقائد۔ قدیم زمانہ میں ہر معاملہ انسان نے کوئی نہ کوئی بے بنیاد عقیدہ (irrational belief) قائم کر لیا تھا۔ یہی بے بنیاد عقائد قدیم لوگوں کے لیے مذہب کی حیثیت رکھتے تھے اور انھوں نے سارے انسانی سلوکی کو بگاڑ رکھا تھا۔

مثلاً قدیم یونانیوں نے عورت کے بارے میں عجیب وغریب طور پر یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ اس کے منہ میں کم دانت ہوتے ہیں۔

ارسطو نے دعویٰ کیا کہ عورتوں کے دانت مردوں سے کم ہوتے ہیں اگر چہ اس نے دو بار شادی کی۔مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ اپنے بیویوں کے منہ کی جانچ سے اپنے اس بیان کی تصدیق کرے۔

اسی طرح عسائیت نے عورت کیبارے ممیں یہ غلط عقیدہ بنالیا کہ وہ آدم کو جنت سے نکالنے کی ذمہ دار ہے۔عسائیت میں عورتوں کو بہکانے والی کی نظر سے دیکھا گیا جو کہ آدم کے ھبوط کی ذمہ دار تھی۔اور وہ دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتی تھی:

عورت کا درجہ اسلام میں::

قدیم دنیا میں مختلف توہماتی خیالات کے تحت عورت کو حقیر سمجھ لیا گیا تھا۔اس کے نتیجہ میں عورت کو جن حقوق سے محروم کیا گیا ان میں سے ایک جائداد کا حصہ تھا۔ خاندان کی جائداد میں عورت کا حصہ ختم کر دیا گیا۔ یہ اسلام تھا جس نے تاریخمیں پہلی بار باقاعدہ طور پر عورتوں کا وراثتی حصہ مقرر کی ا۔ جے ایم رابرٹس نے لکھا ہے؛

اسلام کی آمد بہت سے پہلوؤں سے انقلابی تھی۔مثال کے طور پر اسنےعورتوں کو اگر چہ کم درجہ دیا مگر اس نے عورتوں کو جائداد پر قانونی حق دیا جو کہ یورپ کے اکثر ملکوں کی عورتوں کو ۱۹ویں صدی عیسوی تک بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔حتیٰ کہ غلام بھی حق رکھتے تھے اور اہل ایمان کی جماعت کے اندر نہ ذات پات تھی اور نہ پیدائشی درجات۔اس انقلاب کی جڑیں ایک ایسے مذہب میں جمی ہوئی تھیں جو کہ یہود کی مانند صرف دوسری زندگی سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ سب کچھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔

دہلی ہائی کورٹ کے ریٹائر چیف جسٹس راجندر سچر نے یہی بات قدیم ہندوستان کے حوالہ سے کہی، نئ دہلی کی ایک تقریب میں مسٹر جسٹس سچر نے کہا کہ تاریخی طور پر اسلام عورتوں کی جائداد کے حقوق دینے میں بہت زیادہ فراخ دل اور ترقی پسند رہا

ہے۔حقیقت ہے کہ ۱۹۵٦ میں ہندو کوڈ بل بننے سے پہلے ہندو عورتوں کا جائداد میں کوئی حصہ نہ تھا، جب کہ اسلام مسلم عورتوں کو یہ حقوق ۱۴۰۰ سال پہلے دے چکا تھا؛

تاہم یہ صرف پہلے اور بعد کی بات نہیں ہے۔اصل یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کا دروازہ کھولا ہے۔قدیم زمانہ میں تقریباً تمام سماجوں کا یہ حال تھا کہ ان کے یہاں عورتوں کو کوئی متعین حق حاصل نہ تھا۔اسلام کے ذریعہ انسانی تاریخ میں جو انقلاب آیا، اس کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ عورتوں کو مساوی درجہ دیا گیا اور ان کے حقوق مقرر کیے گئے۔

چوں کہ اسلام صرف ایک فلسفیانہ نظریہ نہ تھا بلکہ اس نے اس وقت کی آباد دنیا کے بیشتر حصہ کو فتح کر ڈالا۔اسلام کی تہذیب دنیا کی سب سے زیادہ غالب تہذیب بن گئی اور ہزار سال تک مسلسل بنی رہی۔اس چیز نے تمام دنیا کے معاشروں کو متاثر کیا۔اسلامی تہذیب کے زیر اثر تمام دنیا میں عورت کے حقوق پر نظر ثانی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ عمومی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح حقوق ملنے چاہییں جس طرح وہ مردوں کو ملے ہوئے ہیں۔

دور جدید کے جو مبصرین اسلام کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں وہ بھی اکثر یہ جملہ دہراتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کو کم تر درجہ دیا گیا ہے۔مگر یہ بات اپنی تردید آپ ہے۔قدیم زمانہ میں اور آج بھی، وراثت کا معاملہ اہم ترین معاشرتی معاملہ ہے۔یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وراثت وہ واحد معیار ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاشرہ میں کسی کو کیا درجہ دیا گیا ہے۔اسلام کا اس وقت کے زمانی رواج کے سراسر برعکس جائداد میں عورت کو حصہ دار بناتا واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام عورت کو کم تر درجہ دینا نہیں چاہتا۔اگر اسلام میں عورت کو کم تر درجہ دیا جاتا تو اس کا سب سے پہلا مظاہرہ یہ ہوتا کہ وراثت میں اس کا حصہ مقرر نہ کیا جاتا جو کہ زمانی رواج کے مطابق عین درست سمجھا جا رہا تھا۔

اس معاملہ میں مغربی ذہن کی غلطی دوبارہ وہی ہے جس کا شکار قدیم زمانہ کا انسان تھا۔ یعنی بے بنیاد عقیدہ (Irrational belief) کے تحت رائے قائم کرنا۔ قدیم زمانہ کے انسان نے کچھ بے بنیاد عقیدے بنا لیے تھے جس کے نتیجہ میں اس کے یہاں عورت کے بارہ میں غلط قسم کے عملی رواج قائم ہو گئے۔ اسی طرح جدید مغرب نے عورت کے بارے میں ایک بے بنیاد عقیدہ بنا لیا۔ اس کے نتیجہ میں عورت کا معاملہ بگڑ کر رہ گیا۔

عورت جدید تہذیب میں ::

جدید مغربی انسان کی اصل مشکل یہ ہے کہ اس نے بے بنیاد طور پر عورت اور مرد کے درمیان صنفی مساوات کا عقیدہ بنا لیا۔ اس عقیدہ کی بنا پر اس کے نزدیک عورت کو مساوی درجہ دینے کے معنی یہ بن گئے کہ اس کو زندگی کے تمام شعبوں میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا جائے۔ چوں کہ اسلام عورت اور مرد ع کا دائرہ کار الگ الگ قرار دیتا ہے۔ اس لیے جدید انسان یہ فرض کر لیتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کم تر درجہ دیا ہے۔ اس کے برعکس مغرب میں یہ کہا جا رہا ہے کہ عورت کو ہر شعبہ میں مرد کے برابر جگہ دو۔ اس بنا پر جدید انسان نے یہ رائے قائم کر لی۔ کہ مغرب میں اس کو برتر درجہ دیا جا رہا ہے۔

مگر عملی صورت حال کیا ہے۔ مغرب کے انتہائی ترقی یافتہ سماج میں بھی عورت کو ایک اعتبار سے عملاً وہی درجہ ملا ہوا ہے جو قدیم معاشرہ میں اسے حاصل تھا۔ آج بھی مغرب میں مرد اور عورت کے درمیان عملی تقسیم ہے۔ عورت کے شعبے الگ ہیں اور مرد کے شعبے الگ۔ اگلے باب میں ہم نے تفصیل سے دکھایا ہے کہ جدید مغرب کے کسی بھی شعبہ میں عورت اور مرد کو عملی طور پر برابری کا وہ درجہ حاصل نہیں جس کا مغرب کے مفکرین نظری طور پر اعلان کرتے رہے ہیں۔

چودہ سو سال پہلے اسلام نے بھی ”آزادیِ نسواں“ کی ایک تحریک چلائی تھی۔ اس

تحریک کا مقصد یہ تھا کہ عورت کو مصنوعی بندشوں سے نکالا جائے اور اس کی وہ موام دیا جائے جو ازروئے حقیقت اس کو ملنا چاہیے۔ (مثلاً گھر کی جائداد میں دوسرے اہلِ خاندان کی طرح اس کا وراثتی حصہ مقرر کرنا) اسلام کی اس تحریک نے عورت کا درجہ بلند کیا، بغیر اس کے کہ سماج میں کوئی نیا مسلہ پیدا ہوا ہو۔

اسلام کا تجربہ وحی کی روشنی میں کیا گیا، اس لیے وہ حدود کے اندر رتھا۔ اس کے برعکس جدید مغرب کا تجربہ عقل کی روشنی میں (زیادہ صیح الفاظ میں جزبات کے تحت کیا گیا، اس لیے وہ حدود کا پنبد نہ رہ سکا۔ اس تجربہ نے نئے نئے سماجی مسائل پیدا کر دیئے۔

غیر فطری مساوات::

ایڈورد ولیم لین نے قرآن کے منتخب حصوں کا انگریزی ترجمہ تیار کیا تھا جو پہلی بار ۱۸۴۳ء میں لندن سے چھپا تھا۔ اس کتاب کے دیباچہ میں انگریز مستشرق نے لکھا کہ اسلام کا سب سے کمزور پہلو اس کا عورت کو کم تر درجہ دینا (Degradation of woman ہے۔ اس کے بید سے اب تک اس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ یہ بات اتنی عام ہوئیکہ نہ صرف اسلام کے کھلے دشمن اس کی دہراتے ہیں بلکہ اسلام کا اعتراف کرنے والے نسبتاً مصنف مزاج مورخین مثلاً جے، ایم رابرٹس جیسے لوگ بھی اس کا تزکرہ اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ وہ کوئی ثابت شدہ واقعہ ہو۔

اس کتاب کے دوسرے مقامات پر ہم نے تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے۔ کہ یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے حقیقت یہ ہے کہ اس الزام کے بالکل برعکس اسلام نے عورت کے مرتبہ کو بڑھایا ہے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں صرف دو تہذیبیں ہیں جنھوں نے عورت کے مرتبہ کو گھٹایا۔ ایک، قدیم مشرکانہ تہذیب، اور دوسرے جدید ملحدانہ تہذیب، اول الذکر نے نظری اور عملی دونوں حیثیت سے اور ثانی الذکر نے عملی حیثیت سے۔

قدیم مشرکانہ تہذیب اوہام وخرافات (Myths) پر قائم تھی چیزوں کے بارے میں فرضی طور پر کچھ بے بنیاد درائیں قائم کر لی گئی تھیں اور زندگی کے تمام معاملات کو انھیں مفروضات کے تابع کر دیا گیا تھا قدیم انسان نے کچھ چیزوں (مثلاً سواج اور چاندکو) فرضی طور پر بڑا سمجھ لیا اور انھیں پوجنے لگا اسی طرح اس نے کچھ چیزوں کو چھوٹا سمجھ لیا اور ان کو حقیر چیزوں کی فہرست میں عورت بھی شامل تھی عورت کے یہاں ماہواری کا آنا عورت کا جنگ میں نہ لڑسکنا اس طرح باتوں کی توہماتی تعبیر کر کے یہ سمجھ لیا گیا کہ عورت ایک حقیر جنس ہے اور اس کے ساتھ مرد کے مقابلہ میں کم تر درجہ کا سلوک کرنا چاہیے۔

جدید مغربی تہذیب نے نظری طور پر بظاہر ہر عورت کا درجہ بلند کرنے کا اعلان کی اس نے کہا کہ عورت اور مرد دونوں ہر حیثیت سے برابر ہیں ہر وہ کام جو مرد کرتا ہے وہی کام عورت بھی کر سکتی ہے اس لیے عورت کو گھر سے باہر نکل کر زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کے برابر مقام حاصل کرنا چاہیے اس نظریہ کے علم برداروں نے جو نعرے اختیار کیے ان میں سے ایک نعرہ یہ تھا کہ کافی نہ بناؤ، پالیسی بناؤ:

Women ! Make policy not coffee

عورت کے بارہ میں جدید تہذیب کا یہ نظریہ بظاہر عورت بلند کرنے کے ہم معنی ہے مگر عملی طور پر وہ صرف عورت کا درجہ گرانے کے ہم معنی ثابت ہوا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ برابری کے خوبصورت دعوں کے باوجود زندگی کے تمام جدید شعبوں میں عورت کا درجہ مرد سے کم ہے اگلے باب (مغربی عورت) میں ہم اس کو تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے اس کی وجہ ایک لفظ میں مساوات کا غلط تصور ہے مردوں کے درمیان مساوات ایک تسلیم شدہ نظریہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن اگر ایک مرد اور دوسرے مرد کے درمیان مساوات کا مطلب یہ ہو کہ ہر میدان میں ہر مرد دوسرے مرد کا مقابلہ کر سکتا ہے تو یہ نظریہ سراسر بے معنی ہو جائے گا۔

انسانی مساوات کا مطلب اگر کچھ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہر آدمی کو ہر شعبہ میں کام کرنا چاہیے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا اس قسم کی غیر فطری مساوات کا کوئی علم بردار آئن سٹائن کو ایک ایسی آبادی میں لے جائے گا جہاں صرف باکسر (Boxers) لیتے ہوں اور وہاں وہ آئن سٹائن کو باکسروں کے ساتھ عمل میں لگا دے گا ظاہر ہے کہ اس قسم کی مساوات کا نتیجہ صرف غیر مساوات کی صورت میں بر آمد ہو گا ہو نیورسٹی یا سائنس کا نفرنس میں جو آئن سٹائن ٹاپ پر نظر آ رہا تھا وہ باکسروں کی مقابلہ میں کم تر درجہ کا انسان بن کر رہ جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مساوات کا مطلب عمل میں مساوات نہیں بلکہ حیثیت میں مساوات ہے مساوات انسانی یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی وہی کام کرے جو کام دوسرا آدمی کر رہا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر آدمی کو یکساں احترام کی نظر سے دیکھا جائے ہر ایک کے ساتھ یکساں اخلاقی سلوک کیا جائے۔

مرد اور عورت کے معاملہ میں مغرب کی غلطی یہی ہے کہ اس نے دونوں جنسوں کے درمیان مذکورہ بالا قسم کی غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوشش کی اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا مرد اور عورت کے درمیان تاریخ کی سب سے بڑی عدم مساوات قائم ہو گئی۔

مرد عورت دو الگ الگ جنسیں ہیں اور دونوں کی تخلیق الگ الگ مقاصد کے تحت ہوئی ہے دونوں کو اگر ان کی تخلیق کے اعتبار سے ان کے اپنے میدان میں رکھا جائے تو دونوں اپنے اپنے میدان میں مساوای طور پر کامیاب رہیں گے اور اگر مرد اور عورت دونوں کو ایک ہی میدان میں ڈال دیا جائے تو عورت وہ کام نہ کر سکے گی جو مرد اپنی تخلیقی صلاحیت کے اعتبار سے زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عورت مرد کے مقابلہ میں کم تر درجہ کی جنس بن کر رہ جائے گی۔

ایک لڑکی اپنے گھر سے بگڑ کر بھاگ گئی وہ ایک شہر میں پہونچی وہ سمجھتی تھی کی وہاں

وہ مردوں کی طرح کمائی کرکے اپنی آزاد زندگی بنا سکے گی مگر مردانہ شعبوں میں سے کسی شعبہ میں اسے جگہ نہ مل سکی اس کے بعد اس کے پاس جو چیز باقی رہ گئی تھی وہ اس کی نسوانیت تھی اس نے اپنی نسوانیت کو بازار کا سودا بنا دیا اس کو آزاد زندگی مل گئی مگر آزاد زندگی اپنے آپ کو مرد کا سامان تفریح بنانے کی قیمت پر تھی نہ کہ سماجی زندگی میں ''برابری'' کا درجہ حاصل کرنے کی قیمت پر۔

یہی حال زیادہ بڑے پیانہ پر مغربی عورت کا ہوا ہے اپنی عورتوں میں یہ مزاج بنایا کی وہ باہر آکر مردوں کی طرح کمائیں مگر عورت جب گھر سے نکل کر باہر آئی تو اس کو معلوم ہوا کہ موجودہ شعبوں میں وہ مرد کی طرح کام کرکے اپنی قیمت حاصل نہیں کرسکتی اب کمائی اور آزاد زندگی حاصل کرنے کی خاطر اس کے پاس دوسرا بدل صرف ایک تھا اور وہ اس کا نسوانی جسم تھا مذکورہ لڑکی کی طرح اس کو بھی اپنے نسوانی جسم کو بازار کا سودا بنانا پڑا اس غیر فطری اور غیر اخلاقی عمل سے عورت کو نام نہاد برابری کا درجہ تو نہیں ملا البتہ اس کے نتیجہ میں بے شمار نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ایک مسئلہ وہ ہے جس کو عریانیت (Pornography) کہا جاتا ہے عریانیات کوئی علیحدہ مسئلہ نہیں، یہ بے آزادی کا وہ لازمی نتیجہ ہے جس کو اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

عریانیات کا مسئلہ::

عریانیت سے مراد عشق ومحبت کے مناظر پیش کرنا ہے خواہ کتابوں میں یا تصویروں میں یا فلم میں جن کا مقصد جنسی جذبہ بھڑکانا ہو دنیا کے اکثر ملکوں میں عریاں مواد قانونی ممانعت کا موضوع بن رہا ہے اس کی وجہ حسب ذیل دو مفروضے ہیں (۱) عریاں مواد نوجوانوں یا نوجوانوں اور بالغوں دونوں کے اخلاق کو بگاڑنے والا ہے (۲) اس طرح کی چیزوں کا استعمال جنسی جرائم پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے:

PORNOGRAPHY: The representation of erotic behavior, as in books, pictures, or films,

intended to cause sexual excitement. pronographic matter has falled under legislative prohibtion in most countries in the word on at least one of the following assumptions:(1) pornography will !end to deprave or corrupt the morals of youth, or of adults and youth; (2) consumption of such matter is a cause of sexual crimes.

The encyclopendia britannica, 1984 Vol,p. 127.

عریانیات اب مغربی ملکوں میں انڈسٹری بن چکی ہے صرف امریکہ میں اس کے تحت سالانہ آٹھ بلین ڈالر کا کاروبار ہوتا ہے ایک امریکی (ٹائمس آف انڈیا ۱۱جولائی ۱۹۸۶) نے امریکہ میں ہونے والے جنسی جرائم کا سبب عریانیت کو قرار دیا ہے اور اس پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے:

A U.S. government commission has assued a report linking sex crimes with hard-core pornography. The US attorney genrral. Mr edwin meece commission on pornography called for a law enforcement of unprecedented scope against the 8 billion-a-year pornography andustry.

محکمہ انصاف روانشنگٹن) کے تحت قائم شدہ ایک کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ اکثر عریاں سامان جو امریکہ میں فروخت ہوتا وہ امکانی طور پر نقصان وہ ہے اور تشدد کو پیدا کرسکتا ہے۔ عریانی پر اٹارنی جنرل کے کمیشن نے اپنی آخری رپورٹ میں یہ سفارش کی ہے کہ عریانی کی صنعت کے خلاف کاروائی کی جائے اس کی تجویز میں یہ بھی شامل ہے کہ عریانی کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت جرمانے کیے جائیں رپورٹ نے یہ پایا ہے کہ عریانی کی اشاعت اکثر جنسی تشددہ جنسی جبر اور نا مطلوب جنسی جارحیت کا سبب بنتی ہے۔

کمیشن کے یہ نتائج اس سابقہ کمیشن سے مختلف ہیں جو ۱۹۷۰ میں صدر امریکہ نے قائم کیا تھا سابقہ کمیشن میں کہا تھا کہ عریانی اور تشدد یا دوسرے سماج سلوک میں کوئی

رشتہ نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل ایڈون میسی کا تشکیل کردہ کمشن پچھلے سال قائم ہوا تھا اس نے کہا کہ امریکہ کا بیشتر عریاں لٹریچر کا رتبہ گرانے (Defrading) کے ہم معنی ہے۔

رپورٹ نے کہا کہ ہم متفقہ طور پر اور اس نتیجہ پر اور اعتماد طور پر پہونچے ہیں کہ حاصل شدہ معلومات شدت سے احساس خیال کی تائید کرتی ہیں کہ جنسی طور پر پُر تشدد سامان کی قابل لحاظ حد تک نمائش سماج دشمن

Degrading Women

A justic department commission has concluded that most pornography sold in the united states is potentially harmful and lead to violence.In an introducation to ats final report, the attorney general,s commission on pornography urged action against the pornography industry, including more severe penalties for violation of abscenity laws. The report found that ex-posure to most pornography bears some causal relationship to the level of sexual violence, sexual coercion or unwanted sexual aggression. The commissions conclusion conflict conflict with those of a 1970 presidential commission that found no link between pornography and violence or other anti-social behaviour. The 11-member commission formed by attorney general edwin meese 3d a year ago said most pornography an the united states would be classified as degrading particularly to women.

we have reached the conclusion unanimously and confidently that the available evidence stronge supports the hypothesis that substantial ex-posure to anti-social acts of sexual violence and . for some subgroups.possibly to unlawful acts of sexual violence, the report said.

The commission also concluded that there were

ties between the pornography industry and organised crime. There seems storng evidence that significant portions of the pronography magazine industry.the peep show industry and the pornography film industry are cither directly operated or closcly controlled by La Cosa Nostra members or very close associates, the commission said. by arrangement with The International Herald Tribune, Washington The times of India . New Delhi,23May 1986.

اعمال اور جنسی تشدد کا سبب بنتی ہے۔ نیز کچھ طبقوں کے لئے امکانی طور پر جنسی تشدد کے غیر قانونی عمل کے لیے۔

کمیشن نے مزید کہا ہے کہ عریانیت کی صنعت اور منظم جرائم میں قریبی رشتہ پایا جا تا ہے۔ بظاہر اس کی مضبوط شہادتیں موجود ہیں کہ عریاں میگزین کے کچھ اور عریاں فلمی صنعت وغیرہ، یا تو براہ راست یا بالوسطہ طور پر جرائم پیشہ طبقہ کے ہاتھ میں ہیں۔

بے قیدی کے نتائج::

عورت کو گھر سے باہر لانا، مرد اور عورت کا زادانہ اور عریانیت کی اکثر کا لازمی نتیجہ شہوانی جذبات کا اشتعال ہے۔جدید مغرب میں شہوانی جذبات کا اشتعال لا محدود سطح پر پیدا ہوا۔اس لامحدود اشتعال کی تسکین کے لیے نکاح کا طریقہ ناکافی تھا۔ چنانچہ دھیرے دھیرے آزاد جنسی تعلق کا ذہن پیدا ہونا شروع ہوا۔ایک نیا لڑیچر بہت بڑے پیانہ پر پیدا ہوا جس میں مرد اور عورت کے درمیان آزادنہ جنسی تعلق کو اتنا ہی فطری اور بےضرر قرار دیا گیا جتنا دو دست کا آپس میں ہاتھ ملانا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ نکاح کو بوجھ سمجھ کر اس سے دور ہونے لگے۔نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے نکاح کے بغیر ساتھ رہنا شروع کر دیا۔حتیٰ کہ اب غیر شادی شدہ جوڑے۔کی اصطلاح مغرب میں اسی طرح ایک جائز اصطلاح سمجھی جاتی ہے

جیسے شادی شدہ جوڑے کی اصطلاح۔

خدائی شریعت نے عورت اورمرد کے درمیان جو توازن قائم کیا تھا۔ اس کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا مثنی نہیں ہیں۔ موجودہ زمانہ میں آزادی نسواں کی تحریک نے اس کے برعکس دعوی کیا۔ اس نے کہا نہیں۔ عورت اورمرد ایک دوسرے کا مثنی ہیں۔ یعنی جو عورت ہے وہی مرد ہے۔ اور جو مرد ہے وہی عورت ہے۔

اس نظریہ کو موجودہ زمانہ میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔حتی کہ عورت اورمرد کے درمیان قائم شدہ دہ توازن ٹوٹ گیا جو سینکڑوں برس سے دونوں کے درمیان پایا جارہا تھا۔مگر اس کے نتیجے کو دیکھیے تو توازن ٹوٹنے کا کوئی فائدہ انسانیت کو نہیں ملا۔ البتہ اس کے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

عورت کے معاشی استقلال کے بطن سے سب سے پہلے جو چیز پیدا ہوئی وہ طلاق کی کثرت ہے۔عروت کے بارہ میں جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ وہ مرد کے مقابلہ میں جزباتی (Emotional) ہوتی ہے۔وہ فوری تاثر کے تحت ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کرسکتی ہے۔صنعتی انقلاب سے پہلے عورت کا معاشی طور پر آزاد نہ ہونا اس کی جذباتیت پر ایک قسم کا روک تھا۔وہ جب ازدواجی زندگی سے آزردہ ہوتی تھی تو یہ احساس اس کو روک دیتا تھا کہ اگر وہ طلاق لے لے تو کہاں رہے گی۔مگر موجودہ زمانہ میں ایک عورت کے لیے یہ اندیشہ باقی نہ رہا۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) نے بتایا ہے کہ دنیا کے صنعتی ملکوں (Industrialized parts of the world) میں طلاق کی شرح میں بہت اضافہ ہوگیا ہے اور اس کی وجہ عورتوں کا معاشی استقلال ہے۔(Vol. III.P 586)۔

مغربی دنیا میں طلاقوں کی تعداد خطرناک حد تک زیادہ ہوگئی ہے۔فرانس کے شہر وں میں ۵۰ فیصد شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں۔کناڈا میں ان کی تعداد تقریباً ۴۰

فیصد ہے۔اسی طرح امریکہ میں طلاق کی شرح ۵۰ فیصد تک پائی گئی ہے۔امریکہ کی ۱۰ خواتین میں سے چھ وہ ہیں جو طلاق کا تجربہ کر چکی ہیں۔(پلین ٹروتھ مئی ۱۹۸۷)

کم سن مجرمین::

جدید دور میں عورت کو گھر سے باہر نکال کر زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کیا گیا۔ اس کا یہ فائدہ تو نہیں ہوا کہ عورت کو فی الواقع زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کے برابر مقام مل گیا ہو۔البتہ اس کے نتیجہ میں بے شمار ناقابلِ حل مسائل پیدا ہو گئے۔ان میں سے ایک ناجائز جنسی تعلقات کا مسئلہ ہے۔عورت اور مرد کا آزادانہ اختلاط اور ناجائز جنسی تعلقات بالکل لازم وملزوم ہیں۔ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

ناجائز جنسی تعلق ابتداء ایک سادہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔مگر جب ایک مرد اور ایک عورت کے تعلق سے ایک تیسرا بچہ پیدا ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی سادہ فعل نہ تھا۔بلکہ اپنے بعد سنگین نتائج رکھتا تھا۔مغربی ملکوں کے نوجوان عام طور پر منع عمل کی تدبیر پر عمل کرتے ہیں۔اس کے باوجود وہاں کثیر تعداد میں ناجائز بچے پیدا ہو رہے ہیں۔برطانیہ میں جو بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ان میں ہر پانچ میں ایک بچہ وہ ہوتا ہے جو ناجائز جنسی تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔اسی طرح ہر تین حمل میں سے ایک حمل غیر شادہ شدہ جوڑوں کے ذریعہ قرار پا رہا ہے۔یہ بات لندن سے چھپنے والی ۱۹۸۵ کی ایک رپورٹ میں بتائی گئی ہے:

ILLEGITIMATE KIDS: Nearly one in every five children bornin Britain is illegitimate. and nearly one in three had been conceived by unmarried parents, an official report for 1985 revealed in London.

The Times of India, May 17. 1986. p.9

یہ ناجائز بچے اس حال میں دنیا میں آتے ہیں کہ انھیں نہ اپنے باپ کا علم ہوتا ہے اور نہ اپنی ماں کا۔ وہ سرکاری اداروں میں پلتے ہیں اور پھر جانور کی طرح سماج میں داخل ہوجاتے ہیں۔

مغربی ملکوں میں طلاقوں کی کثرت نے بھی یہی صورت حال پیدا کی ہے۔ مغربی ملکوں میں نکاح کا رشتہ بےحد کمزور ہوگیا ہے۔ معلوم باتوں میں عورت اور مرد کے درمیان طلاق ہوجاتی ہے۔

ان طلاقوں نے بہت بڑے پیمانہ پر وہ مسئلہ پیدا کیا ہے جس کو اجڑے ہوئے گھر (Broken homes) کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔ عورت اور مد جب طلاق لے کر جدا ہوتے ہیں تو عین اسی وقت وہ اپنے بچوں کو بھی ماں اور باپ کے سایہ سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ تمام بچے معاشرہ میں جانوروں کی طرح پلتے ہیں اور پھر انھیں کے اندر سے وہ مجرمانہ کردار پر تے ہیں جن کا ایک تجربہ ''شوربھراج'' کی صورت میں ۱۹۸۶ میں ہندستان میں کیا گیا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) نے کم سن مجرمین کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے بوکھلا دینے والے سماجی روگوں میں سے ایک روگ وہ ہے جس کو کم سنی کا جرم کہا جاتا ہے۔ یہ ایک عالمی مظہر ہے۔ اگرچہ کیفیت اور رفتار کے اعتبار سے ایک ملک اور دوسرے ملک میں فرق پایا جاتا ہے:

> **Amwng the mast baffling social maladies of the 20th ceritury is that wf juvenile delinquency. A worldwide phenomenon, it varies an quality and frequency from countuy ro country (11/913).**

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ انسان کا بچہ سب سے زیادہ کمزور بچہ ہوتا ہے۔ وہ تمام زندہ چیزوں میں سب سے زیادہ اپنے ماں باپ کی محبت اور سرپرستی کا محتاج ہوتا ہے۔ مگر عورت کے معاملہ میں مغربی تہذیب کی غیر فطری روش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ

بچے اس نعمت سے محروم ہو گے جس کو قدرت نے ماں باپ کی شکل میں ان کے لیے پیدا کیا تھا۔ کہیں وہ اس لیے محروم ہیں کہ باپ کے ساتھ ماں بھی سارے دن دفتر میں کام کرتی ہے، کہیں وہ اس لیے محروم ہیں کہ ان کے ماں باپ نے انھیں پیدا کر کے باہم علیحدگی اختیار کر لی اور کوئی ایک طرف چلا گیا اور کوئی دوسری طرف۔ کہیں وہ اس نعمت سے اس لیے محروم ہیں کہ جو مرد اور عورت ان کو وجود میں لانے کے ذمہ دار میں انھوں نے رشتہ نکاح میں اپنے آپ کو باندھے بغیر جنسی فعل کیا تھا۔ اس لیے ان کے پروگرام میں یہ شامل ہی نہ تھا کہ وہ پیدا ہونے والے بچہ کو اپنا بچہ سمجھیں اور اس کی دیکھ بھال کریں۔

ہی والدین سے محروم بچے ہیں جو بالاخر چارلس شوبھراج جیسے انسان بنتے ہیں۔ چارلس شوبھراج کا باپ ہندستانی تھا اور ماں یوروپین تھی۔ انھوں نے نکاح کیا اور پھر ایک بچہ پیدا کرنے کے بعد ایک دوسرے سے الگ ہو گے۔ چالس شوبھراج کی پرورش ایک آزاد لڑکے کی حیثیت سے ہوئی۔ اس کی مناسب تعلیم بھی نہ ہو سکی۔ دھیرے دھیرے وہ مجرم بن گیا۔ اس نے عالمی سطح پر ڈاکے ڈالے اور قتل کیے۔ اب وہ بے حد خطرناک مجرم کی حیثیت سے ہندستان کی جیل میں ہے۔

مغربی مما لک میں کم سن مجرمین کے مسئلہ کا وسیع پیانہ پر مطالعہ کیا گیا ہے اور بہت سے نتائج نکالے گے ہیں۔ ان میں سب سے خطرناک نتیجہ یہ ہے کہ کم سنی کا جرم اکثر وہ بچے کرتے ہوئے پائے گے ہیں جو ماں باپ سے محرومی کی وجہ سے جھنجھلاہٹ اور منفی ذہنیت میں مبتلا تھے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے اڈیشن ۱۹۸۴ میں بتایا گیا ہے۔ کہ اس قسم کے بچے اکثر نفسیاتی بے اعتدالی میں مبتلا ہو جائے ہیں اور پھر ان سے طرح طرح کے سماجی جرائم ظہور میں آتے ہیں۔ ٹائم (۱۹ اکتوبر ۱۹۸۷) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہر سال تقریباً تین سو بچے اپنے باپ یا ماں کو قتل کر دیتے ہیں۔ (صفحہ ۶۰)

مغربی عورت

"ٹائم" مشہور امریکی ہفتہ وار میگزین ہے۔ اس کی ہر اشاعت میں کسی خصوصی موضوع پر تفصیلی رپورٹ ہوتی ہے۔ اس کی ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں "امریکی عورت" سے متعلق معلومات درج ہیں۔ اس رپورٹ کو میگزین کے وسیع ادارتی اسٹاف کی ۲۰ خواتین نے خصوصی جدوجہد سے مرتب کیا ہے۔ پرچہ کا بیشتر حصہ اس موضوع پر مشتمل ہے۔ پرچہ کے ہر شعبہ کے ماہرین نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ یہاں اس تفصیلی رپورٹ کے کچھ اجزاء کا ترجمہ درج کیا جارہا ہے۔

امریکہ کی جدید عورت پر تقریباً ایک صدی گزر چکی ہے۔ ۱۸۹۸ء میں اسکاٹ لینڈ کے سیاح موٹر ہیڈ نے لکھا تھا کہ مرد یہاں عورت کے مقابلہ میں جنس برتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ وہی سارے محنت کے کام کرتا ہے۔ مگر جدید نسوانی تحریک کے علَم بردار کہتے ہیں۔ یہ ستم ظریفی ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے سیاح نے سو برس پہلے جو بات کہی تھی۔ وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی عورتیں ہی ہیں جو محکوم ہیں۔ (۱۵)

امریکی خواتین میں آج کل ایک نئی تحریک چل رہی ہے۔ جس کو نئی نسوانیت کہا جاتا ہے۔ یہ اس بے چینی کا مظہر ہے جو آج کل امریکہ کی عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ امریکی عورت کو آج تاریخ میں سب سے زیادہ خوش ہونا چاہیے۔ تعلیم، لباس، سامان عیش ہر چیز میں آج وہ پہلے سے بہت زیادہ حصہ پائے ہوئے ہے، مگر اس سیب میں ایک کیڑا پڑ گیا ہے وہ خاندانی ذمہ داریوں سے پریشان ہے۔ وہ ایک ایسی زندگی چاہتی ہے۔ جس میں بچہ، باورچی، چرچ، ان چیزوں کا کوئی دخل نہ ہو۔ اگرچہ ایک بڑا طبقہ ایسا موجود ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ عورت کا مقام مرد سے مختلف ہے۔ مگر بہت سی عورتیں اس سے اتفاق نہیں کرتیں۔ نئی نسوانی تحریک نے ایسی نوجوان عورتوں کی تعداد بہت بڑھادی ہے جنہوں نے طے کیا ہے کہ وہ

شادی نہیں کریں گی اور تنہا رہیں گی۔

ایک امریکی جریدہ سائیکالوجی ٹوڈے کے ایک سوالنامے کے جواب میں ۵۱ فیصد مردوں نے کہا کہ امریکی سماج عورتوں کا استحصال اسی طرح کرتا ہے جس طرح کالے نیگروؤں کا۔ ایک سیاست داں کلیر بوتھ لوس نے کہا کہ امریکی عورت نے جب ۳۰-۱۹۲۰ء میں ووٹ کا حق حاصل کیا اور کالج جانا شروع کیا تو اس وقت عورتوں نے سمجھ لیا کہ لڑائی جیتی جا چکی ہے۔ انہوں نے ایک بہادرانہ آغاز شروع کیا۔ وہ گھروں سے باہر نکلیں اور ملازمتوں میں اپنی جگہ بنانا شروع کیا۔ مگر ابھی تک انہوں نے امریکی زندگی میں کوئی اہم جگہ حاصل نہیں کی۔ امریکی عورت آج کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اعداد و شمار کی زبان میں پہلے کے مقابلہ میں ۱۰۶ ملین زیادہ مضبوط ہے۔ وہ قومی ملازمتوں کے دو تہائی سے زیادہ حصہ پر قابض ہے۔ لیکن ڈپارٹمنٹ آف لیبر کے ایک سروے کے مطابق، امریکی عورت عام طور پر مرد کے مقابلہ میں کم مہارت کم تنخواہ کے کام کرتی ہے۔ کئی ملازمتوں میں وہ ایکی کام کے لیے مساوی تنخواہ نہیں پاتی۔ کسی کارخانہ میں چھٹنی ہو تو اس کا حال کالوں کا سا ہوتا ہے، اس کو سب سے پہلے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شادی کا عدم استحکام اور طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔

۱۹۶۴ء میں لنڈن جانسن نے صدارتی حکم جاری کیا کہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ سرکاری ملازمتوں میں لیا جائے۔ ۱۹۶۷ء میں فیڈرل سول سروس نے مکمل اعداد و شمار شائع کیے جس میں عورتوں کا تناسب بتایا گیا تھا۔ اونچے اسکیل کی سرکاری ملازمتیں جن کی تنخواہ ۲۸ ہزار ڈالر سالانہ سے شروع ہوتی ہے اس کے مطابق ۱۹۶۶ء میں صرف ۱/۶ فیصد عہدے عورتوں کے پاس تھے۔ صدر نکسن نے وعدہ کیا کہ وہ زیادہ عورتوں کو سرکاری محکموں میں لیں گے۔ حتیٰ کہ انہوں نے عورتوں کی بھرتی کا ایک شعبہ وہائٹ ہاؤس میں کھول دیا۔ مگر واشنگٹن کی عورتیں مشکل ہی سے اونچے

سرکاری عہدوں پر پہونچ پاتی ہیں یہاں کوئی عورت کبھی سپریم کورٹ کی جج نہ بن سکی ۔صرف دو عورتیں ہیں جنہیں امریکہ کی تاریخ میں کابینہ میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔ اس وقت صرف ایک عوت امریکی سینٹ میں ہے۔ اور گیارہ عورتیں ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو میں۔ نیو یارک واحد اسٹیٹ ہے جہاں ایک خصوصی ویمنز ایڈوائزری یونٹ برائے گورنر قائم ہے مگر اس کا بھی حال یہ ہے کہ اس کی سیاہ فام خاتون صدر نے کہا:

ہم تو صرف ایک علامتی ایجنسی ہیں (۱۸)

خاتون نے مزید کہا۔ نیو یارک اسٹیٹ گورنمنٹ میں ۶۳ علیحدہ ایجنسیاں ہیں ان میں سے صرف ۱۳ ایسی ہیں جن میں سیکرٹری سے اوپر کا کوئی عہدہ کسی عورت کو ملا ہے۔ پورے امریکہ میں صرف چند خاتون مئیر ہیں۔ آخری اسٹیٹ گورنر الباما میں تھی۔ جس کا نام لورلین ولمیس تھا۔ ۵۰ ریاستوں کے لیجلیچر اداروں میں مجموعی طور پر ساتھ ہزار ممبران ہیں جن میں صرف ۳۴۰ عورتیں ہیں۔ ان میں سے چند ہی ایسی ہیں جو کوئی اثر رکھتی ہیں۔

مردوں کی اس دنیا میں عورتیں اب بھی صرف ایک روایتی درجہ رکھتی ہیں۔ وہ صرف ایسے شعبوں میں جوش وخروش سے لی جاتی ہیں جو عورتوں پر انحصار کھتے ہیں جیسے فیشن یا ایکٹنگ جیسا کہ کلیر لیوس نے کہا ہے اقتدار، روپیہ، اور جنس، آج امریکہ کی تین سب سے بڑی قدریں ہیں اور عورتیں اقتدار تک کوئی پہونچ نہیں رکھتیں سوا اپنے شوہروں کے ذریعہ حاصل کرتی ہیں تو زیادہ تر جنس کے ذریعہ خواہ جائز ہو یا نا جائز ۔(۱۸)

نسوانی انقلاب اگر سادہ طور پر یہ چاہتا کہ ایک فارفرما طبقہ کی جگہ دوسرے کو کار فرما بنا دے اگر وہ کلی طور پر نسوانی غلبہ اپنا مقصد بناتا تو منزل شاید آسان وہ ہوتی برابری کا مطالبہ نہ کر غلبہ کا، انتہائی طور پر پے چیدہ ہے خود مختار شرکار کے درمیان

سچی برابری حاصل کرنا ایک شوار امر ہے خواہ دونوں ایک ہی جنس کے کیوں نہ ہوں رول اور ذمہ داریوں اور حقوق کا محتاط توازن بغیر روایتی ڈھانچہ کے جو اس کی پشت پناہی کرے بعض اوقات بالکل خیال معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً ہر شخص نئی تحریک نسوانیت کے بعض بنیادی مقاصد کی حمایت کرتا ہے

یکساں کام کے لیے یکساں تنخواہ یکساں روزگار کے مواقع یکساں قانونی چیزوں کا حصول اس سے زیادہ گہری تبدیلیوں کا طالب ہے جو نسوانی تحریک کے حامیوں نے ابتداءً فرض کیا تھا عورتوں کے اوقات کا اور کام کے شرئط کے لیے تحفظاتی قانون سازی کی ضرورت ہے پھر بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ امریکی عورت کو دوبارہ گڑیا گھر میں زبردستی لوٹایا جا سکے۔

وہ حیرت انگیز حد تک بُرے ہیں مگر وہی حقیقیتہ عورتوں کے محافظ ہیں جینی نے مردوں کے بارے میں کہا جینی نے بلیو پرنٹ ریڈنگ اور میتھ میٹکس میں مہارت حاصل کی جب اس نے نیوئن کی ایک لمونیم کمپنی میں ایک ملازمت کے لیے درخواست دی تو حسب امید اس کو جواب ملا کیا وقعی آپ اس درخواست میں سنجیدہ ہیں میں نے جہاں بھی کام تلاش کیا مجھ کو مردانہ نا ر ضگی کا سامنا کرنا پڑا۔

دوسری خاتون بیٹی جیکسن ۱۵ سال کی عمر تھی کہ اس کے یہاں ایک ناٹز بچہ تولد ہو گیا اس صدمہ کے بعد اس کی ماں مر گئی اور بجلی کا بل میری طاقت سے باہر ہے میں ایک گندی گلی میں ایک ایسے گھر میں رہتی ہوں جہاں گرم پانی نہیں، چوہے اور چیونٹے ہر طرف دوڑتے رہتے ہیں۔'' ویلفیر پارٹمنٹ ماہانہ ۹۲ ڈالرء اس کو دیتا ہے اور مزید ۱۲۸ ڈالر وہ دوسرے ذرئع سے کماتی ہے مگر یہ رقم اس کی ناگزیر ضرورت کے لیے بھی کافی نہیں ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویزن اور دوسرے سامان تعش کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

آزادی نسواں کی تحریک کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ٹائم کے نامہ نگار نے اس سے پوچھا مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں اور مذہب؟ میں چرچ نہیں جاتی وہ سب ڈھونگ ہیں میں گھر پر عبادت کرسکتی ہوں اور خدا یقیناً سنے گا میرے پاس چرچ کو ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں اس کے خیالات کا خلاصہ یہ تھا کہ مجھے زندہ رہنے کے لیے جگہ چاہیے اور بس۔

گیلی گن کی شادی ۱۹۴۴ میں ہوئی تعلیم کے بعد اس نے کچھ دن کام کیا اب اس نے باہری دل چسپیاں ترک کر دی ہیں تا کہ وہ گھر پر زیادہ سے وقت گزار سکے۔ ۵۲ سال کی عمر میں اب بھی وہ صبح ساڑھے چھ بجے اٹھ جاتی ہے تا کہ اپنے شوہر کا ناشتہ تیار کرے اور بچوں کو تیار کر کے وقت پر اسکول بھیج سکے۔ وہ بہت خوش ہوتی ہے جب اس کا شوہر اس کو اپنا سب سے بڑا سرمایہ کہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے: میں سب سے پہلے اپنے خاندان اور اپنے شوہر کے کام کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس کے بعد میں دوسری چیزوں کے لیے کام کرتی ہوں۔

ایک اور رکن خاتون لاریٹا کبھی برج نہیں کھلتی اور اتفاقاً ہی کبھی فیشن شو میں جاتی ہے۔ اس کی زیادہ تر سوشل زندگی کے شوہر کے بزنس کے گرد گھومتی ہے۔ ''ماں بننا اور گھر بنانے میں مشغول ہونا بڑا دل چسپ مشغلہ ہے۔

سوزین، عمر ۲۳ سال، شادی شدہ ہونے پر خوش ہے مگر وہ اولاد نہیں چاہتی، اگر کبھی ایسا ہو تو میں اسقاط کو پسند کروں گی، مجھے بچے پسند ہیں۔ بچوں کو اس قابل بنا نا کہ وہ وقت کے مسائل کا مقابلہ کر کے زندہ رہ سکیں بڑا مشکل کام ہے اور وقت چاہتا ہے۔ میں اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتی اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ آپریشن کر والے مگر پھر رک گئی۔ کیوں کہ جسمانی اور نفسیاتی ردعمل کا خطرہ تھا۔ وہ کہتی ہے اگر آپ ایک کام کرنے والی عورت ہیں تو آپ کس طرح کی نگہداشت کرسکتی ہیں اگر ایک عورت کے ایک بچہ ہو تو کم از کم ایک سال ورنہ دو یا تین سال تک اس کو پوری

طرح اس میں مشغول ہونا پڑے گا۔ نارین اسقاط کے خلاف ہے۔ یہ تو قتل ہے۔ اس کو تر دو ہے کہ کچھ عورتیں مرکز تجط اطفال کو بچوں کی پرورش کا بدل سمجھتی ہیں۔ وہ آزادی نسواں سے ہمدردی رکھتی ہے۔ مگر اس کا کہنا ہے کہ عورتیں اگر ساری سرگرمیوں میں شریک ہوں تو مردوں کی طرح ہو جائیں گی اور یہ اچھا نہیں ہوگا۔

ہیوبر۔ جب میں ہائی اسکول میں تھی تو میری سب سے بڑی منزل شادی تھی۔ اگر چہ وہ اتنا ہی سخت کام کرتی ہے جتنا اس کا شوہر۔ مگر جب وہ شوہر کے مقابلہ میں اپنی حیثیت پر غور کرتی ہے تو وہ محسوس کرتی ہے کہ مرد کو غالب جنس ہونا چاہیے، وہ پورے یقین کے ساتھ کہتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کو یہ احساس ہو کہ وہ گھر کا بڑا ہے۔ ہم مل جل کر فیصلے کرتے ہیں سمجھتی ہوں کہ آخری اسی کا ہونا چاہیے۔

ویشیا__ ایک نہایت سرگرم عورت ہے۔ اس نے جو زندگی بنائی ہے اس پر اس کو فخر ہے۔ شادی شدہ ہونا اور ایک فیملی کا مالک ہونا میرے لیے سب سے اہم چیزیں ہیں۔ میں اپنی زندگی پر بہت خوش ہوں۔

یانگ ۳۳ سال نے طے کیا ہے کہ وہ شادی نہیں کرے گی میں سرجن بننا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ مگر ایک دوست ڈاکٹر نے اس ارادہ کی حوصلہ شکنی کی۔ اس نے بتایا کہ یہ پیشہ بہت سخت ہے۔ اور عورت کے بس کا نہیں۔ بہت سی عورتیں اپنے کو شوہر کے بغیر محفوظ سمجھتیں۔ مگر یہ شادی کرنے کی بہت بے ہودہ وجہ ہے۔۲۲

ایز۔ میں اپنے شوہر کو اے بی کہتی ہوں یعنی مغرور، نمک حرام اور وہ واقعہ ہے۔ مگر وہ مضبوط اور غالب ہے اور مَیں اس کو پسند کرتی ہوں۔ جب مجھے یونیورسٹی میں ایک ملازمت ملی تو اس نے کہا جاؤ، مگر مَیں چاہتا ہوں کہ میرے موزے دھلے ہوئے ہوں۔ عورتیں، عورتوں کی آزادی نہیں چاہتی، وہ صرف محبت چاہتی ہیں۔

تنظیم آزدی نسواں، رسمی طور پر ۱۹۲۲ میں قائم ہوئی۔ آج وہ عورتوں کی سب سے طاقتور تنظیم ہے۔اس کے ممبروں کی تعداد ۱۸ ہزار تک پہونچ چکی ہے۔بچوں کی پرورش سے لے کر اسقاط حمل کے قانون میں اصلاح تک اس نے متعدد کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ آزادی نسواں کا خاص مقصد یکسا کام کے کے لیے یکساں تنخواہ ہے۔ایک ایسی قوم میں جہاں عورتوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے، سیاسی نفوذ اور اقتصادی طاقت حاصل کرنے پر کوئی رکاوٹ نہیں۔۲۳

پچھلے سال صدر نکسن نے ایک بل کو ویٹو کر دیا جو سرکاری اہتمام میں تحفظ اطفال مراکز کے قیام سے متعلق تھا۔یہ ایک نہایت جامع منصوبہ تھا جس پر بالآخر سالانہ ۳۰ ملین ڈالر خرچ ہوتا۔ یہ سرکاری بجٹ پر ایک غیر معمولی اضافہ تھا جو اس وقت بھی بہت بڑھ چکا ہے۔اگر مائیں آزادانہ طور پر روزگار کے سلسلے میں مردوں کا مقابلہ کرتی ہیں تو بہر حال کوئی انتظام ہونا چاہیے جہاں وہ اپنے بچوں کو چھوڑ سکیں، معقول معاوضہ پر جب کہ وہ کام کرہی ہوں۔

تحریک نسواں کے زیادہ انقلابی لوگ اس پر مطمئن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جنسی عمل میں ایسی تبدیلی کی جانی چاہیے کہ دونوں صنف پرانے طرز کے بندھنوں اور ذمہ داریوں سے آزاد ہو جائیں۔ یہ تصور کہ مرد کمانے والا فرد ہے اور عورت کا کام گھر کا سنبھالنا ہے،وہ کہتے ہیں فرسودہ ہے اور دونوں صنفوں کے لیے تباہ کن ہے۔

جدید نسوانی تحریک کے زیادہ انقلابی عناصر محسوس کرتے ہیں کہ ان کی راہ کی رکاوٹ صرف سماج نہیں ہ بلکہ اس سے بڑی رکاوٹ حیاتیاتی محدودیت ہے۔چنانچہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس آف ایوجینکس کے ذریعہ جینٹک کوڈ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ نئے قسم کے مرد اور نئی قسم کی عورتیں پیدا ہونے لگیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ انتہا پسند لوگ چاہتے ہیں کہ عورت بشمول جنسی تعلقات، مرد سے مکمل طور پر آزاد ہو جائے۔جل جانسٹن کے نزدیک نسوائی تحریک درحقیقت اس بات کی تحریک ہے کہ

ہم جنسی کا طریقہ رائج کر دیا جائے۔ یہ اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ عورتیں اپنے جنسی تقاضوں کے لیے مردوں کی طرف دیکھنا چھوڑ دیں۔(۲۴)

ماسکو کے میگزین اسپٹنگ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے ایک مضمون کا عنوان ہے کیا باپوں کو ماں بنا چاہیے اس کے مطابق ایک جرمن ڈاکٹر نے تبدیلی جنس (Sex change) کا نظریہ پیش کیا ہے۔ س کا کہنا ہے کہ عورت کی بچہ دانی کو نکال کر بذریعہ آپریشن مرد کے پیٹ میں نصب کر دیا جائے تا کہ مرد بھی بچہ پیدا کرنے کا کام کریں اور اس طرح دونوں صنفوں میں فطری عدمِ مساوات کو ختم کیا جا سکے۔

امریکہ میں خواتین کی ایک تنظیم ہے جس کی شاخیں امریکہ کی ۴۶ ریاستوں میں قائم ہیں۔ اس کا ماٹو یہ ہے۔ عورتو! کافی نہ بناؤ، پالیسی بناؤ، اس تنظیم کا مقصد عورتوں کو سیاست میں بھرپور شریک کرنا ہے۔ ۱۹۶۰ کے صدارتی الیکشن میں عورتوں کے ووٹ کا بڑا حصہ جان کینڈی کو ملا تھا۔ (۲۷) امریکہ کے مرد سیاست داں عورتوں کے مطالبات پورے کرنے میں چست رہے ہیں۔ مثلاً یکساں کام کے لیے یکساں تنخواہ۔ طلاق اور اقاط کی آسانیاں۔ ڈے کیئر سنٹر کا انتظام۔

خاتون صدر مملکت کا تصور اب تک امریکہ میں مذاق سمجھا جاتا رہا ہے۔ مسٹر روز ویٹ نے ۱۹۳۴ء میں کہا تھا۔" ابھی ہم اس نوبت کو نہیں پہونچے ہیں کہ عوام کی اکثریت ایک عورت کی صدارت پر مطمئن ہو سکے۔ کیا آج امریکی ووٹر اس نوبت کو پہنچ چکے ہیں۔ غالباً نہیں، حتیٰ کہ وہ کسی عورت کو وائس پریزیڈنٹ کی کرسی پر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ حال میں ایک آزمائشی رائے شماری میں خود عورتوں کی بڑی تعداد نے امریکی مرد کی صدارت کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ اگر امریکہ میں کسی خاتون کے صدر یا نائب صدر ہونے کا امکان ہے تو یہ تعجب انگیز خبر صرف ۲۰۰۰ء میں پیش آسکتی ہے۔ مستقبل کی کسی خاتون امیدوار کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے پہلے بڑی تعداد میں سرکاری خدمات انجام دے چکی ہوتا کہ ذمہ داری اور اقتدار کے عہدوں

میں اس کی شخصیت عوام کے دماغ میں بیٹھ جائے۔ جیسا کہ اندرا گاندھی اور گولڈامیر کے ساتھ ہوا۔ اس کی ذات کو سیاسی طور پر معروف ہونا چاہیے نہ کہ جنسی طور پر۔

ووٹر لازماً یہ چاہیں گے کہ خاتون امیدوار میں بھی وہی صفات ہوں جو وہ مرد میں دیکھتے ہیں۔ لیاقت، حوصلہ، تجربہ، استحکام، ذہانت، یہ افواہ کہ عورتیں صلاحیت میں کمتر ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے دو سال پلے سرجن ایڈگر برمن کا ایک بیان عورتوں کے حلقہ میں بڑی خفگی کا سبب ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ عورتیں اپن ہارمون کیمسٹری کی وجہ سے اقتدار کے مناصب کے لیے جذباتی (Emotional) ہوسکتی ہیں۔ مسز برنچ ایک عالم فلکیات ہیں۔ مگر انہیں شکایت ہے کہ مردوں کے تسلط والی دنیائے سائنس میں انہیں ان کی صحیح جگہ نہ مل سکی۔

امریکہ میں کام کرنے والوں کے درمیان عورتوں کی تعداد ۴۰ فیصد ہے مگر امریکہ کے ۲۵۰۰۰۰ سائنس دانوں میں خاتون سانس دانوں کی تعداد صرف ۱۰ فیصد ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری یافتہ خواتین مردوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اس لیے وہ اعلیٰ سائنسی عہدوں پر بہت کم پہنچ پاتی ہیں۔ مثلاً نیشنل اکیڈمی آف سائنس کے منتخب ممبروں کی تعداد ۸۰۰ سے زیادہ ہے جس میں خواتین صرف ۹ ہیں۔ سائنس کا نوبل پرائز پانے والے ۲۷۸ لوگوں میں صرف ۶ عورتیں ہیں۔ حال میں عورتوں کے سلسلے میں رجحان میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ مگر یہ صورت حال اب بھی باقی ہے کہ وہ مردوں کے مقابلے میں نسبتاً چھوٹے درجہ کے عہدوں کے لیے منتخب کی جاتی ہیں۔ (۲۰)۔

کیا عورتیں غیر متغیر طور پر مردوں سے مختلف ہیں آزادی نسواں کے علمبرداروں کا یقین ہے کہ جسمانی پہلو کو چھوڑ کر جتنے فرق ہیں وہ سب سماجی حالات کے پیدا کردہ ہیں دوسرے نقطہ نظر کے حاملین کا کہنا ہے کہ ہر قسم کے فرق جین کے اندر موجود ہوتے ہیں جین کے اندر ضمنی میلان ہونا تین مشاہدات سے اخذ کیا گیا ہے پہلی چیز

مارگریٹ میڈ کے الفاظ میں تہذیبی عالمگیریت تقریباً ہر جگہ یہ مثال ملتی ہے کہ ماں بچہ کی نگہداشت کی ذمہ مسلمہ طور پر رائج ہے علم الانسان کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ عورتوں کے غلبہ کا سماج بھی دنیا میں کبھی کبھی پایا گیا ہے مگر دوسرے اس کا قطعا انکار کرتے ہیں۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ زمین پر پائے جانے والے بیشتر حیوانات میں نر ہی غالب ہوتا ہے وہ مادہ اور بچوں کی حفاظت کرتا ہے تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ صورت حال اس وقت بھی باقی رہتی ہے جب کہ کسی جانور کے بچوں کو شروع ہی میں الگ کر کے پرورش کی جائے اس کا مطلب یہ ہے کی وہ اپنا صنفی عمل اپنے معاشرے سے نہیں سیکھتے۔

آخری بات یہ ہے کہ کرداری صنفی فرق بچپن میں اس سے بہت پہلے ظاہر ہو جاتا ہے جن کہ ایک بچہ امکانی طور ماں اور باپ کا فرق سمجھتا ہو یا یہ جان سکے کہ والدین میں سے کس کی اسے نقل کرنی چاہیے ایک سائنس داں نے کہا ہے کہ زیادہ بہتر مفروضہ یہ ہے کہ ہم یہ مانیں کہ صنفی فرق کے پیچھے حیاتیاتی عوامل کام کر رہے ہیں طبعیاتی فرق پیدائش سے بھی پہلے ظاہر ہو جاتے ہیں بچہ جب ابتدائی حالت میں رحم کے اندر رہوتا ہے اس وقت دیکھا گیا ہے کہ بچی کا دل اکثر زیادہ تیزی سے دھڑکتا ہے ایک سوشیالوجسٹ نے کہا ہے کہ عورت زیادہ بہتر تخلیق کا نمونہ ہے مرد زیادہ طاقت در اور متحمل ہو سکتے ہیں مگر یہ ٹکنالوجیکل سماج میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

حالیہ تحقیقات بتاتی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے دماغ میں بھی صنفی فرق ہو سکتے ہیں۔ کچھ تجربہ کرنے والوں کے نزدید رحم کے ابتدائی جرثومہ کے اندر مردانہ ہارمون کی موجودگی اس کے دماغ کو جنس مذکر بنانے کا سبب ہو سکتی ہے۔ پیدائش سے پہلے مرکزی اعصابی نظام میں یہ جنسیت مردوں اور عورتوں کے اندرونی احساسات میں فرق پیدا کر سکتی ہے۔ سوشیالوجسٹ جان گیگنن کا کہنا ہے: درحقیقت بعض

حالات میں نومولود لڑکیاں مختلف قسم کے تاثرات ظاہر کرئی ہیں۔ ان کو چھوا جانے یا ان کے اوپر سے کپڑا اٹھایا جائے تو بہت تیزی سے ان پر اس کا ردعمل ظاہر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ تجربات بتاتے ہیں کہ بارہ ہفتہ کی لڑکیاں جیومٹری کی اشکال کے مقابلہ میں چہروں کی تصویروں کو زیادہ دیر تک دیکھتی ہیں۔ لڑکے اس قسم کا فرق نہیں کر تے۔ اگر چہ بالآخر وہ جیومیٹری کی اشکال کو زیادہ متوجہ ہو کر دیکھتے ہیں۔

تجربہ کیا گیا ہے کہ اگر کھیل کے ٹکڑوں سے گھر بنانے کے لیے کہا جائے تو ۱۰ سے ۱۲ سال کی لڑکیاں گھر کے اندرونی حصہ کو عمدہ بنانے کی کوشش کرئی ہیں۔ جب کہ اسی عمر کے لڑکے گھر کے بیرونی حصہ کو عمدہ بنانے پر زیادہ توجہ صرف کر تے ہیں۔ علمائے حیاتیات کا خیال ہے کہ یہ فرق دونوں نفوں کے درمیان جینی فرق کی بنا پر ہو سکتا ہے (۳۲)

لڑکیاں لڑکوں کے مقابلہ گننا یا بولنا زیادہ جلد سیکھ لیتی ہیں۔ مگر جب کہ لڑکیاں لفظی معاملہ میں لڑکوں سے آگے ہیں، وہ تجزیاتی سوالات کو حل کرنے میں لڑکوں سے پیچھے رہتی ہیں، ایسے سوالات جو زیادہ توجہ طلب ہوت ہیں۔ مختلف قسم کے ٹسٹوں سے ظابت ہوا ہے کہ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں کم تخلیقی ہوتی ہیں۔ اکثر سوشل سائنٹسٹ خیال کرتے ہیں کہ اس کی وجہ کلچر ہے۔ عورتوں اور مردوں میں شخصیت کا فرق بھی پایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نیویارک یونیورسٹی میں ریسرچ کرنے والوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی اگر بوتل پینے میں مشغول ہے تو وہ اس وقت پینے سے رک جاتی ہے جب کہ کوئی شخص کمرے میں آتا ہوا نظر آئے۔ جب کہ ایک لڑکا کسی آنے والے پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اسی طرح کاگن کے تجربہ میں پایا گیا ہے کہ ۱۲ ماہ کی لڑکیاں کسی اجنبی کمرہ میں ہوں اور انہیں خوف زدہ کیا جائے تو وہ اپنی ماؤں کی طرف بھاگتی ہیں۔ جب کہ اسی عمر کے لڑکے کچھ کرنے کی راہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ اسی طرح چار ماہ کی لڑکیاں کسی لیبورٹری میں خوف زدہ کی

جائیں تو وہ اسی عمر کے لڑکوں کے مقابلہ میں دگنا زیادہ روتی چلاتی ہیں۔ مزید یہ کہ یہی فرق بندر کے بچوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ گاگن نے کہا ہے:

یہ واقعہ ہم کو یہ ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں بعض نفسیاتی فرق کا امکان محض معاشرتی تجربات کی بنا پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ لطیف قسم کے حیاتیاتی فرق کی پیداوار ہے۔

اکثر ریسرچ کرنے والوں نے پایا ہے کہ چھوٹی لڑکیوں میں انحصار کا مادہ زیادہ ہے۔ اس کے برعکس

Immutably Different

Are women immutably different from men? women's ledera_tionedts believe that any differences __ other than anatomical ____ are a result of conditioning by society. The opposing view is that all of the differenced are fixed in the genes (43). Many researchers have found greater dependence and docility in very young girls greater autonomy and activity in boys. when a barrier is set up to separate youngsters from their mothers, boys try to knock it down; girls cry helplessy (44). Surgeon edgar berman earned a low place in the bestiary of women's libera_tion when he suggested that beacuse of their harmonal chemistry women might be too emotional for power (34). Better education has broadened women's view beyond home and hearth height_ening their awareness of possibilities___and their sense of fristra__tion when those possibilities are not realized. As toynbee had noted earlie middle _Class women acquired aducation and a chance at a career at the very time she lost her domestic edication and a chance at a career at the very time she lost her domestic servants and the unpaid

household help of relatives living in the old large family she had to become either a household drudge or carry the intolerably heavy liad of two simultaneous full time jobs (27). enen after infancy the sexes show differential interests that do not seem to grow solely out of experience. Psychoanalyst erik erikson has found that doys and girls aged ten to twelve use space differently when asked to connstruct a scene with an elaborate doorway surrounding a quite interior scene. Boys are likely to construst towers facades with cannons and lively exterior scenes (43). on its nost radical level, the new feminism at times seems to constitute an assault___sometimes emotions and foolish __not just on society but on the linitations of biology. some argue that through the science of eugenics the genetic code could be altered to produce a different a different kind of man and woman (30).

Time Magazine March 20, 1972.

چھوٹے لڑکوں میں سرگرمی اور خودمختاری زیادہ ہوتی ہے اگر بچوں اور ماں کے درمیان ایک روک کھڑا کردیا جائے تو لڑکے اس کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ لڑکیاں بے یامددگار ہوکر چلاتی ہیں۔

عورتوں کی انفعالیت ایک بحث کا موضوع رہا ہے اسی طرح دوسرا زیر بحث مسئلہ ہارمون کے اثر کا ہے اس سلسلے میں سائنٹفک کے نتائج محققین کے نتائج سے زیادہ تر بعض خواتین نے اختلاف کیا ہے جو عورتوں کی انفعالیت یا ہارمون کے اثر کو ماننے کے لیے تیار نہیں جہاں تک سائنسی محققین کا خیال کا سوال ہے انھوں نے تقریباً اجتماعی طور پر اتفاق کیا ہے کہ ہارمون ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لوگ کس طرح محسوس کریں اور کس طرح عمل کریں عورتوں میں جو بڑھتی ہوئی تاثر پذیری پائی گئی ہے اس کی بنا پر محققین کا خیال ہے کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں سخت حالات میں زیادہ

جھجک والی ثابت ہوسکتی ہے۔

محققین بتاتے ہیں کہ تمام کلچر میں عورتوں کے مقابلہ میں مرد زیادہ جارح پائے گئے ہیں یہ بھی غالباً دونوں صنفوں کے ہارمون میں فرق ہونے کا نتیجہ ہے یعنی اس کے پیچھے جنینی عامل کام کر رہا ہے بعضوں کا خیال ہے کہ عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح جارح ہوسکتی ہیں البتہ ان کی جارحیت عملی کے بجائے لفظی ہوگی۔

لڑکوں اور لڑکیوں کا یہ فرق اس وقت بھی موجود ہوتا ہے جب کہ وہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ ''کیا کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ صنفی مساوات کا سماج قائم ہو جائے جہاں مردوں عورتوں میں کوئی فرق نہ ہو ماسوا اجمانی فرق کے۔'' یہ بظاہر نا ممکن معلوم ہوتا ہے۔ہارمون اور جارحیت کے بارہ میں آخری تحقیق ابھی باقی ہے۔ تاہم یہ بات ظابت ہوچکی ہے کہ میل ہارمون اور فیمیل ہارمون میں فرق ہے۔اور یہ فرق پیرائش سے پہلے بالکل آغز احیات میں مجود رہتا ہے۔تجربات میں دیکھا گیا کہ نر حیعانات ک واگر الگ کرکے رکھا جائے تب بھی وہ آخر تک جارح رہتے ہیں۔

ماہر نفسیات بنڈک نے کہا ہے:''حیاتیات شخصیت پر سبقت لے جاتی ہے۔'' عورت کے مقابلہ میں مرد میں غالب خصوصیات کے مطابق کلچر کے بجائے خود فطرت سے اس درجہ وابسہ ہے کہ میکائیل لیوس کے الفاظ ہیں: قدرت ظالم ہے۔ عورت کا رول بحثیت گھرستن ان کے حیاتیاتی عمل کا ایک ارتقائی نتیجہ ہے۔دودھ کی بوتل نے عورت کو اس کے بعض کاموں سے رہائی دے دی ہے۔مگر یونیورسٹی آف مشی گان کے عالم نفسیات بوڈت بارڈوک نے کہا۔''بچہ کی نگہداشت کی بڑی ذمہ داری اب بھی عورت ہی کے اوپر ہے حتیٰ کہ روس اور دوسرے کمونسٹ ممالک میں بھی'' کہا جاتا ہے کہ مادری مہارت زیادہ تر اکتسابی چیز ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر جانوروں کو تنہائی میں رکھا جائے اور اس کے بعد کسی ایسے کمرہ میں ان کو

لے جایا جائے جہاں ان کی نوع کے بچے ہوں تو مادہ حیوانات ہی بچوں کے پاس جاتی ہے اور ان کی دیکھ بھال میں لگ جاتی ہے۔

جیروم کاگن کہتا ہے، عورت اور مرد کے حیاتیاتی فرق غالباً مکمل طور پر ختم کیے جا سکتے ہیں اور ایسا سماج بنایا جا سکتا ہے جس میں کسی صنف کی کوئی اہمیت نہ رہے سوا مادری ذمہ داری کے۔ مگر ہمیں پوچھنا چاہیے کہ کیا ایسا سماج اس کے افراد کو مطمئن کر سکے گا۔ اس کے نزدیک لین دین ہی چیز ہے جو افراد کے درمیان تعلقات کو مستحکم اور پر مسرت بناتی ہے۔

عالمِ نفسیات مارٹن سائمنڈ کہتا ہے: بنیادی وجہ جس کی بنا پر صنفی یکسانیت ناکام رہے گی یہ ہے کہ خود جنسی عمل میں مرد دینے والا ہوتا ہے اور عورت قبول کرنے والی ہوتی ہے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مرد اپنی اس حیثیت کو حاکمیت سمجھنے لگے۔ اور عورتیں اپنی حیثیت کو ماتحتی، صنفی یکسانیت ایک تباہ کن چیز ہے۔ کیوں کہ ایسے مزاج میں کوئی کشاکش نہیں ہوگی جو انسان کے صحت مند ارتقاء کے لیے ضروری ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ فرق ہونا نقص کی بات نہیں ہے: عالم حیاتیات آون سٹڈ نے کہا ہے۔: ہم سب انسانی وجود ہیں۔ اور اس اعتبار سے برابر ہیں مگر سب یکساں نہیں'' ۔ دوسرے عالم حیاتیات جان منی کے نزدیک ''آپ صرف اس وقت صحیح عمل کر سکتے ہیں جب کہ مسلمہ فرق کو مانیں اور اس کا احترام کریں۔''

امریکہ میں عورتیں تعلیم کے میدان میں بہت آگے ہیں مگر وہ شعبے جو روایتی طور پر مردوں کے سمجھے جاتے رہے ہیں۔ ان میں عورتوں کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کی خاتون پروفیسر نے تحقیقات کے بعد بتایا ہے کہ اس کی بڑی وجہ عورتوں کا مقابلہ سے گھبرانا ہے۔ اس خاتون نے اپنے تجربات میں پایا کہ مرد مقابلہ کے لیے پر جوش طور پر تیار رہتے ہیں۔ جب کہ عورتیں اُس کے لیے تیار نہیں

پائی گئیں۔

اس سلسلے میں اعداد و شمار بھی افسوسناک ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی عورت آج پہلے سے زیادہ مشقتوں میں مبتلا ہے۔ عورتوں کی خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پہلے یہ تھا کہ مرد اپنے آپ کو زیادہ ہلاک کرتے تھے۔ مگر اب صورت حال برعکس ہوگئی ہے۔ مثلاً لاس اینجلس میں ۱۹۶۰ میں خودکشی کرنے والوں میں ۳۵ فیصد عورتیں تھیں مگر ۱۹۷۱ میں ان کی تعداد ۴۵ فیصد تک پہنچ گئی۔ وسکنسن کے ایک جائزہ میں بتایا گیا ہے کہ نفسیاتی علاج کے لیے رجوع کرنے والوں میں عورتیں مردوں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ اضطراب اور حالات سے نہ لڑنے کی صلاحیت کی شکایت کرتی ہیں۔

امریکی معاشرہ کی ایک اور چیز قابلِ ذکر ہے جس کو صنفی انقلاب کہا جاتا ہے۔ نئی نسل کے لڑکے اور لڑکیاں شادی سے پہلے صنفی تعلقات کو بُرا سمجھنے کے بجائے اچھا خیال کرنے لگے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوشیزگی کا احترام ختم ہوگیا ہے۔ ۱۹۷۰ کے ایک گیلپ پول میں چار میں تین طلبہ نے شادی کے لیے دوشیزگی کو ناقابل لحاظ قرار دیا۔ یونیورسٹی آف مینی سوٹا کے ماہر سماجیات نے پایا کہ ۲۰ سال کی عمر تک کی عورتوں میں ۴۰ فی صد اپنی دوشیزگی کھو چکی تھیں اور شادی کے وقت ۷۰ فی صد جنسی تجربہ کر چکی تھیں۔ انگریز عالم جنینیات جان سوم کا کہنا ہے: ۱۹۵۰ سے پہلے کا بوسہ آج کا جنسی عمل بن چکا ہے۔ یونیورسٹی آف مشی گان کے ایک پروفیسر نے گولیوں کے جائزہ میں پایا کہ وہ حمل کو روکنے میں بری طرح ناکام ثابت ہوئی ہیں اور عام خیال کے مطابق وہ عورتوں کے لیے جنس اجازت نامہ نہ بن سکیں۔ اکثر وہ ناجائز حمل میں مبتلا پائی گئی ہیں۔

دوسرے شعبوں کے برعکس جرنلزم میں عورتیں بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ ان کی بہت کم تعداد ملے گی جو اہم پوزیشن کی مالک ہو۔ وہ

لیے تو رپورٹر ہیں۔ ان کی بڑی تعداد یا تو ہفتہ وار اخباروں میں یا چھوٹے درجہ کے روزناموں میں کام کرتی ہے جس میں تنخواہیں عام طور پر کم ہیں کوئی اخباری ادارہ یا کوئی اشاعتی تنظیم ایسی نہیں ہے جو عمومی ہو اور اس کی صدر کوئی خاتون ہو۔ حالانکہ ۱۹۷۱ میں امریکہ کے جرنلزم اسکولوں کے طلبہ میں ۴۴ فی صد خواتین، جب کہ ۱۹۵۱ میں ان کی تعداد ۳۵ فی صد تھی۔

امریکہ کے نیوز پیپرس میں خاتون ایڈیٹروں کی تعداد ۳۵ فی صد ہے۔ مگر یہاں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ امریکہ کے عظیم ادارہ ایسوسی ایٹڈ پریس میں اسٹاف ممبروں کی تعداد ۱۰۵۰ ہے۔ جس میں صرف ۱۱۲ عورتیں بیورو منیجر ہیں۔ یونائیٹڈ پریس انٹر نیشنل کے ملازمین کی تعداد ۹۰۰ ہے مگر ان میں عورتیں صرف ۸۱ ہیں۔ ان میں سے ایک عورتیں جنرل نیوز ایڈیٹر ہے۔ نیویارک ٹائم میں ایڈیٹروں۔ رپورٹروں، کاپی ریڈروں کی تعداد ۶۲۶ ہے، جس میں عورتیں صرف ۶۴ ہیں۔ واشنگٹن پوسٹ میں ۳۸۵ میں ۷۰ عورتیں ہیں۔ یہی دوسرے بڑے اخباری اداروں کا حال ہے۔ اکثر اخبارات میں عورتیں کھانے، فیشن، ٹیلی ویزن اور خواتین سے متعلق ہزاروں پر مامور ہیں، میگزینوں میں نسبتاً عورتوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویزن میں بھی مردوں ہی کا غلبہ ہے۔ (۴۷)

تحریک نسواں کے علم برداروں کا کہنا ہے کہ وہ تمام الفاظ جو مردوں کے غلبہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ سب مردوں کی ایجاد ہیں اور ان کو بالکل ختم کر دینا چاہیے۔ یہ لوگ زبانوں کا نیا لغت تیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں مثلاً مرد کے لیے مسٹر نکسن اور عورت کے لیے مسٹر نکسن کے بجائے دونوں کا الگ الگ نام لیا جائے اور مسٹر اور مزان کے ناموں کے ساتھ لگایا جائے اسی طرح چیز مین کے بجائے چیز پرسن۔

تحریک نسواں کے علم بردار کہتے ہیں کہ عورتوں کو اگر سماجی سرگرمیوں میں پوری شریک کرنا ہے تو ان کے لیے چائلڈ ڈے کیر سنٹر قائم کرنے ہوں گے جہاں وہ کام

پر جاتے ہوئے اپنے چھوٹے بچوں کو چھوڑ سکیں امریکہ میں اس قسم کے سنٹر قائے کیے گئے ہیں جو ڈے کیر سنٹر کہے جاتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ بہت مہنگے ہیں اگرچہ کم آمدنی والوں کے لیے ۲۰ ڈالر فیس رکھی گئی ہے لیکن ماں کی ماہانہ آمدنی ۶۰۰ ڈالر ہے تو اس کو چائلڈ کیئر سنٹر سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اپنی تنخواہ کا تہائی حصہ (۲۰۰ ڈالر) بطور فیس دے دینا پڑے گا اس لیے تحریک نسواں والوں کا ایک بڑا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت اپنے خرچ پر اس قسم کے مراکز قائم کرے حکومت کی طرف سے جو ادارے قائم ہیں ان میں ایک بچہ کے اوپر ۲۴۰۰ ڈالر خرچ ہوتے سرپرستوں سے حقیقتہً اس کا بہت تھوڑا سا جز وصول کیا جاتا ہے (۲۰)۔

تحریک نسواں کے علم بردار شادی کے قدیم طریقہ پر سخت تنقید کرتے ہیں شادی کا یہ طریقہ ان کے نزدیک ایک سردار (شوہر) اور ایک غلام (بیوی) کو جمع کرنے کا دوسرا نام ہے۔

ڈاکٹروں کی کمی کو خواتین کی طبی تعلیم کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے مگر عجیب بات ہے کہ اس سلسلے میں تحقیق کرنے والوں نے مریضوں کے اندر ایک قسم کا تعصب پایا ہے ڈاکٹر ایڈگر انگلمین نے نیویارک سٹی کے تین اسپتالوں میں ۵۰۰ مریضوں سے سوالات کیے ۸۴ فی صد مرد اور ۷۵ فی صد عورتوں نے اپنے جواب میں مرد ڈاکٹر کو ترجیح دی اگرچہ ان کی نصف تعداد نے اعتراف کیا کہ خاتون ڈاکٹر مرد ڈاکٹر کے مقابلہ میں زیادہ نرم اور با اخلاق ہوتی ہے ۵۴ فی صد نے بتایا کہ عورتیں مرد کے مقابلہ میں کمتر صلاحیت کی ڈاکٹر ہوتی ہیں اگرچہ بعض کے نزدیک یہ جوابات مردانہ تسلط والے کلچر کا نتیجہ ہیں ایک مریض نے کہا مرد ڈاکٹر کی واقفیت زیادہ ہوتی ہے وہ زیادہ سنجیدگی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ وہ اپنے ذہن کو پوری طرح مریض کی طرف لگاتا ہے۔ کب کہ عورت کے لیے گھر کے مسائل ہوتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ گھر بھی بنائیں اور ڈاکٹر بھی بنیں: ایک مریض نے جواب دیا۔ بعضوں نے اور بھی زیادہ

سخت جوابات دیئے۔

جہاں تک سرجری کا تعلق ہے اس میں عورتیں تقریباً نفی کے برابر ہیں۔ ایک خاتون ڈاکٹر نے کہا۔'' مردوں کی انا کی وجہ سے اب تک سرجری کے دروازے عورتوں کے اوپر بند ہیں۔ خاتون سرجن کی سینکڑوں طریقہ سے حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ایک خاتون میڈیکل طالبہ نے کہا۔ اگر آپ کھڑے ہونے کے علاوہ کسی اور طریقہ سے پیشاب کرنا چاہیں تو یہاں یہ ایک مسئلہ ہے۔

میڈیسن مردوں کی دنیا ہے۔ عورتیں ابھی حال میں اس میدان میں داخل ہوئی ہیں۔ وہ ڈاکٹر کے بجائے زیادہ تر نرس کی حیثیت سے کام کرتی رہی ہیں۔ ۱۰ سال پہلے امریکہ کے ۲۶۰۰۰۰ ڈاکٹروں میں عورتیں صرف ۶ فیصد ہیں۔ سرجنوں میں وہ صرف ایک فیصد ہیں جو اس پیشہ میں سب سے زیادہ کمائی والا میدان ہے۔ پبلک ہیلتھ فزیشین میں وہ ۲۶ فیصد ہیں۔ جن کی آمدنی دیگر ڈاکٹروں کے مقابلہ میں صرف اوسط درجہ کی ہوتی ہے۔ مگر اب خاتون ڈاکٹروں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ دس سال پہلے ۸۳۰۰ میڈیکل طلبہ میں خواتین کی تعداد ۶۰۰ یعنی ۷ فیصد تھی۔ ۱۹۲۸ء میں ان کی تعداد ۹ فیصد ہو گئی۔ ۴۳۔

عورت مرد کے مقابلہ میں جنسی قیدی زیادہ ہے۔ اس کو جبری مادریت اور نامطلوب عمل کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ چیز اس کی ساری آزادیوں کو بے معنی بنا دیتی ہے۔ جدید میڈیکل سائنس حیاتیاتی بندھن سے اس کو نکالنا چاہتی ہے اور بہت کچھ کامیاب بھی ہوئی ہیں۔ مگر مانع حمل گولیوں کے دیگر اثرات کا مسئلہ اب بھی باقی ہے۔ اس کے علاوہ اب بھی دسیوں ہزار غیر مطلوب حمل رہ جاتے ہیں۔ جن کے لیے اسقاط کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ امریکہ کی ۱۶ ریاستوں نے اسقاط کے معاملہ میں کسی حد تک عورت کو قانونی آزادی دے دی ہے۔ اگرچہ ہر ریاست کے قانون میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ تاہم شخصی اختیار کا حق ہر ایک نے تسلیم کیا ہے۔ ۴۴

امریکہ میں خواتین کے نصاب بنائے گئے ہیں اوران کے تحت ادارے قائم کیے گئے ہیں جن کا مقصد ہے عورتوں کے شعور کو اٹھانا (Consciousness-raising)

۱۹۷۰ میں ہائی اسکول سے فارغ ہونے والے طلبہ میں لڑکیوں اورلڑکوں کی تعداد برابر تھی۔ دونوں تقریباً ۵۰ فیصد۔ مگرلڑکوں مقابلہ میں لڑکیوں نے بہت کم آئندہ تعلیم کے لیے کالج میں داخلہ لیا۔ (۸۹ فیصد لڑکے ۱۴ فیصد لڑکیاں) اسی طرح عورتیں مردوں کے مقابلہ میں نسبتاً کم وضائف اور مالی امداد حاصل کر پاتی ہیں۔ مردوں کے لیے سالانہ ۶۰ ملین ڈالراورعورتوں کیلئے ۵۱۸ملین ڈالر۔ اسکول کی تعلیم کے آگے یہ فرق اورزیادہ بڑھ جاتا ہے۔ڈاکٹریٹ کے مرحلہ میں پہنچ کر مالی امدادمیں عورتوں کا حصہ صرف ۱۳فیصد رہ جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم میں ۸۵ فیصد ٹیچر خواتین ہیں۔مگران اسکولوں کو پرنسپل صرف ۲۱فیصد عورتیں ہیں۔ہائی اسکول میں خاتون پرنسپلوں کا تناسب صرف ۳فیصد ہے۔اوراگر ایک عورت کالج کی صدر بننا چاہےتو اس کومشورہ دیا جاتا ہے کہ اسےنن بننا چاہیے۔ ۱۹۷۰ میں کالج اور یونیورسٹی کے شعبوں میں عورتوں کی تعداد ۲۰فیصد تھی۔مگران میں صرف ۹فیصد پروفیسر تھیں۔عورتوں کی تنخواہ بھی مردوں کے مقابلہ میں عام طور پر کم ہوتی ہے۔ (۴۵) اکثر نوجوانوں کا یہ خیال ہے کہ عورتیں بے دماغ رفیق ہیں۔وہ صرف اس لیے ہیں۔کہ مردوں کی ضروریات پوری کریں۔ایک خاتون نے کہا۔" مردوں نے ابھی تک نہیں سیکھا کہ وہ عورتوں کو ذہنی اعتبار سے اپنا مساوی سمجھیں۔ (۴۶) اکثر خواتین کا خیال ہے کہ ایجوکیشن موجودہ شکل میں بے معنی ہے۔اگر کو ایجوکیشن کو ایکول بنانا ہےتو یونیورسٹیوں میں طلبہ اورطالبات کی تعداد کو مساوی بنانا ہوگا۔جو فی الحال ایک امکان بعید معلوم ہوتا ہے۔

ٹیلی ویژن کے کارکنوں کی تعدادتقریباً ۴۵۰۰ ہے۔ان میں تخمینی طورپر سات میں سے دوعورتیں ہیں۔ فلم کے شعبہ میں نسبتاً عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔مثلاً ایک

فلمی ادارہ کے ۱۰۰۰ ممبروں میں سے ۹۰ عورتیں ہیں۔ مگر یہاں بھی بڑے بڑے عہدے مردوں کو حاصل ہیں۔ پروڈیوسر اور ڈائرکٹر تو بہت ہی کم عورتیں ہیں۔ ۵۸

امریکی سپریم کورٹ کی عمارت پر یہ فقرہ لکھا ہوا ہے: ''قانون کے تحت یکساں انصاف''، مگر امریکی عورت پر یہ الفاظ مشکل سے چسپاں ہوتے ہیں۔ سپریم کورٹ میں کوئی خاتون جج نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ سپریم کورٹ کے ۹ ججوں میں سے صرف ایک جج کے یہاں خاتون کلرک ہے۔ فیڈرل اپیل کورٹ کے ۹۷ ججوں میں سے صرف ایک خاتون جج ہے۔ فیڈرل ڈسٹرکٹ کورٹ کے ۴۰۲ ججوں میں چار کے سوا سب مرد ہیں۔ پورے امریکہ میں تمام تعداد تقریباً دس ہزار ہے ان میں صرف ۲۰۰ کے قریب عورتیں ہیں کوئی اٹارنی جنرل خاتون نہیں فیڈرل سروس میں ۹۳ ڈسٹرکٹ اٹارنی ہیں جو سب کے سب مرد ہیں قانون قانون پیشہ میں نسبتاً عورتیں کافی ہیں جو عورتیں قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہے ان کے ۱۷ سالہ اعداد شمار بتاتے ہیں کہ قانون دان عورتوں کی ۸۴ فیصد تعداد پرائیویٹ پریکٹس کرتی ہے مگر خاتون کا کی ۱۲ فی صد کم تعداد ایسی ہے جس کی آمدنی ۲۰۰۰۰ ڈالر سے اوپر ہے جب کہ مرد کلا میں ان کی تعداد ۵۰ فی صد ہے۔ ۳۲۵۰۰۰ وکیلوں میں خواتین کی تعداد ۹۰۰۰ ہے جو ۲ فی صد سے کچھ زیادہ ہے امریکن بار ایسوسی ایشن میں آج تک کوئی خاتون صدر نہ ہو سکی۔ ۵۰

نفاذ قانون کے دائرہ میں عورتیں زیادہ تر نفاذ ہیں نہ کہ نفاذ کرنے والی۔ پولیس میں خواتین نیچے درجہ کی ملازمتوں میں ایک فی صد سے کچھ زیادہ ہیں گرٹروڈ شمل نیویارک کی پہلی پولیس کیپٹن ہے کیا وہ کسی عورت کے پولیس کمشنر بننے کی امید کر سکتی ہے اس سے پوچھا گیا صرف اس وقت جب کہ نیویارک میں پہلی خاتون میئر مقرر ہو گی۔'' اس کا جواب تھا۔

امریکی عورت باہر کی تمام سرگرمیون میں حصہ دار بن رہی ہے وہ اپنا اکاونٹ تک

الگ رکھتی ہے مگر باہر مردوں کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد جب وہ گھر لوٹتی ہے تو یہاں دوسری داریاں اس کے استقبال کے لیے موجود رہتی ہیں اسے اپنے بچوں سے محبت ہے اور اگر چہ یہ اکثر اس کے لیے تکلیف دہ گھونٹ ثابت ہوتا ہے مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں کہ بچوں کی دیکھ بھال کی اکثر ذمہ داریاں دوسری کو سونپ دے اس کو اپنے سوہر سے بھی محبت ہے وہ ان کاموں کو کرنے سے انکار کی ہمت نہیں پاتی جو عام طور پر عورتوں کے کام سمجھے جاتے ہیں خواہ شادی کے وقت اس معاملہ میں آزادی کا قول وقرار کیوں نہ ہوگیا ہو اس دہری ذمہ داری کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو سخت احساس ستاتا رہتا ہے کہ وہ کسی غلطی کی شکار ہے۔

آرٹ میں عورتوں کا بڑا حصہ ہوسکتا ہے۔ مگر آرٹ کی تاریخ میں جتنے نمایاں نام ہیں۔ وہ سب مردوں کے ہیں۔ آخر خواتین آرٹسٹ کہاں گئی۔ اس کا جواب تاریخ کے پاس خاموش ہے۔ آرٹ کے ایک مورخ کا کہنا ہے کہ کوئی بڑی خاتون آرٹسٹ پیدا ہی نہیں ہوئی۔ ۹۴۔

کھیل کا میدان بھی مردوں کا میدان ہے۔ اعداد وشمار بتاتے ہیں۔ کہ دوڑ کے مقابلہ میں مرد عورتوں سے زیادہ تیز دوڑتے ہیں۔ عورتوں کی کامیابیاں زیادہ تر ان کھیلوں میں ہے جن میں عورتوں کا مقابلہ عورتوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً ٹینس وغیرہ۔ مسز کنگ اور مسز اسمتھ نے کھیل کے میدان میں کچھ کامیابیاں حاصل ہیں مگر انہوں نے بھی اب تک کے بہترین ایک سو مرد کھلاڑیوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ نیز ان دونوں عورتوں کو اپنی صنف کی وجہ سے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان خواتین کو (اپنی مردانہ صفات باقی رکھنے کے لیے) اسقاط بھی کرانا پڑتا ہے۔ (۹۵) بلی جین کا کہنا ہے کہ اگر میرے یہاں بچہ ہوگیا تو "ماں" بن جاؤں گی اور پھر مجھے کھیل کی دنیا کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ تاہم "میں اچھی ماں بننا پسند کرتی ہوں" اس نے کہا۔

دوسری کھلاڑی خاتون رابن شادی اور بچوں کے بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں

کرتی۔ رابن نے گھر پر اپنی دلچسپی کے لیے چوہے پال رکھے ہیں وہ کہیں جاتی ہے تو بیگ میں تین چوہے بھی رکھ لیتی ہے۔

۱۹۶۸ کے بعد سے کھیل میں انعام پانے والی عورتوں کی تعداد بڑھی ہے۔ مگر اب بھی کامیاب کھلاری عورت کے مقابلہ میں کامیاب کھلاڑی مرد کو زیادہ انعام ملتا ہے۔ ۷۷۶ ق م میں یونان میں پہلے کھیلوں کے مقابلہ میں عورتوں کے لیے دیکھنا بھی ممنوع تھا۔ ۱۸۹۶ کے کھیلوں میں مقابلہ میں کسی عورت کو مقابلہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ مگر میونخ کے اولمپک ۱۹۷۲ میں انہیں چند کھیلوں میں شامل کیا گیا ہے۔

امریکی عورت آج اقتصادی میدان میں کافی سرگرم ہے۔ مگر فیڈرل سروے کے مطابق ہمہ وقتی کام میں عورت کا اوسط تین ڈالر ہے۔ جب کہ اسی کام میں مرد کو اوسطاً پانچ ڈالر دیئے جاتے ہیں۔ (۶۲) اس سلسلہ میں حکومت نے متعدد احکامات جاری کیے ہیں اور عدالتوں نے فیصلے دیئے ہیں۔ کہ عورتوں کو مساوی اجرت دی جائے اور ان سے امتیاز نہ برتا جائے۔ ان میں ایسے فیصلے بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ عورتوں سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور بھاری بوجھ نہ اٹھوائے جائیں۔

(یہ کہنا کہ عوتوں سے محنت کے کان نہ لیے جائیں گویا یہ تسلیم کرنا ہے کہ عورت صنف ضعیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یکساں قسم کے کام میں اس کو مرد سے کم اجرت ملتی ہے۔ اس فرق کو مٹانے کے لیے قانون سازی کا ذریعہ اختیار کرنا عورت کے کیس کو رحم کا کیس بنا دیتا ہے۔ مترجم)

ایک خاتون ہیلن میک لین نے کہا۔: امریکہ نے جتنے مرد چاند پر بھیجے ہیں اس سے بھی کم عورتوں کو زمین میں انتظامی عہدوں پر رکھا ہوا ہے۔

کیلی فورنیا کی "پیسفک گیس اینڈ الیکٹرک" میں جو عورتیں ملازم ہیں ان کی ۹۴ فیصد تعداد کلرک اور سیکرٹری ہے۔ منہاٹن کی ادون پروڈکٹس کے دس ہزار کارکنوں میں تقریباً نصف عورتیں ہیں۔ مگر اس نے صرف ۱۴ عورتوں کو انتظامی عہدوں تک

ترقی دی ہے۔ وائس پریسیڈنٹ یا اس سے اونچے عہدہ پر ایک بھی خاتون نہیں۔

امریکی عورتوں کا یہ حال بنکنگ، فائیننس، اسٹیل مائننگ اور ریل روڈ جیسے شعبوں میں ہے۔ دوسری طرف ایڈورٹائزنگ اور فیشن جیسے شعبوں میں انہیں کافی مواقع حاصل ہیں۔ بے شمار کمپنیاں ٹائپ کے کام کے لیے مردوں کے بجائے عورتوں کی مانگ کرتی ہیں۔ مگر ان کا تقرر زیادہ تر کلرک کے منصب پر ہوتا ہے۔ جس میں تنخواہ ایک سو ڈالر فی ہفتہ سے آگے نہیں بڑھتی جو مردوں کی تنخواہ کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

نہ صرف عورتوں کی تنخواہیں مردوں سے کم ہیں۔ بلکہ سیلس مین شپ کی ٹریننگ کے دوران میں مردوں بڑی قیمت کی چیزوں کو فروخت کی تربیت دی جاتی ہے جب کہ عورتوں کو کم قیمت کی چیزوں کو بیچنا سکھایا جاتا ہے۔ مثلاً گریٹنگ کارڈ وغیرہ۔ (۶۳) اسکول کی خاتون پرنسپل، لیبارٹری ورکر، کمپیوٹر پروگرامر اسی سطح کے مردوں کے مقابلہ میں صرف ۶۷ فیصد تنخواہ حاصل کرتی ہیں۔ دس ہزار ڈالر یا اس سے زیادہ تنخواہ پانے والوں میں مردوں کا تناسب ۴۰ فیصد ہے۔ جب کہ خاتون کارکنوں میں ان کی تعداد صرف ۷ فیصد ہے۔ ۶۳

سان فرانسسکو کی ایک فرم لیوی اسٹراس اینڈ کو میں ۱۸ ہزار ملازم ہیں جن میں ۸۵ فیصد عورتیں ہیں۔ مگر کمپنی نے جب ایک بار جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ عورتیں عام طور پر کم تنخواہ کے مناصب پر ہیں اور بڑے بڑے عہدے زیادہ تر مردوں کو حاصل ہیں۔ اس کے ۲۷۵ مینجروں میں صرف ۹ فیصد عورتیں ہیں۔ امریکہ کے دو ملین سیکرٹریوں میں تقریباً سب کی سب عورتیں ہیں۔ مگر بیشتر کم تنخواہ پانے والی ہیں۔ بعض شکایات کے جواب میں مارچ ۱۹۷۲ میں امریکہ کے اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے یہ آرڈر جاری کیا کہ سیکرٹریوں کو فاضل مددگار کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ خاتون سیکرٹریوں میں اس بات پر زیادہ سے زیادہ ناراضگی ہو رہی ہے۔ کہ وہ تفریح

طبع کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔٦٦

دفتر کے مردان کو پاری یا شیریں کہہ کر پکارتے ہیں۔سیکرٹری بیک وقت دومصرف رکھتی ہے۔وہ دفتر کے ایک ضرورت ہے۔اوراسی کے ساتھ وہ عہدے دار کے لیے تفریح طبع کا سامان ہے۔اکثر عہدیدار اپنی سیکرٹریوں کو اس نظر سے دیکھتے ہیں۔کہ وہ ''ان کے ساتھ'' کام کرتی ہیں۔نہ کہ ''ان کے لیے'' کام کرتی ہیں۔(٦٦)

امریکہ کی کارکن خواتین زیادہ تر وہ خواتین ہیں، جن کے گھر اجڑ گئے۔(٦٦) مگر جب وہ کام کی تلاش میں نکلتی ہیں تو انہیں اس تلخ تجربہ سے سابقہ پڑتا ہے۔کہ انہیں صرف چھوٹے کام کے لائق سمجھا جاتا ہے۔انہیں محسوس ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں جو سال انہوں نے لگائے وہ سب بیکار گئے۔

بیسیوں ایسے نجی ادارے ہیں جو عورتوں کو روزگار کے قابل بنانے میں مدد دے رہے ہیں۔مثلاً شکاگو کا ایک روٹری کلب ہے۔جو بے روزگار خاتون کو ٣٥٠ ڈالر دیتا ہے۔تاکہ وہ اس سے ٹائپ رائٹر وغیرہ خرید کر اپنا کام شروع کر سکے۔حتیٰ کہ زیادہ عمر کی خواتین کو مصنوعی دانت اور سننے کے آلات تک دیے جاتے ہیں۔تاکہ وہ انٹرویو میں اچھی ثابت ہوسکیں۔واشنگٹن کے ایک ادارہ نے ١٩٦٥ء سے اب تک ١٠ ہزار خواتین کو اس قسم کی سہولتیں فراہم کی ہیں۔٦٧

تھیٹر کی دنیا میں بھی عورت کا یہی حال ہے۔عورت مرد کے مقابلہ میں کمتر درجہ کا کردار ادا کرتی ہے وہ اس ہے کہ ہنسے اور خوش کرے۔ اس کو برابری حاصل نہیں وہ مرد کے ہے خطرہ نہیں بن سکتی۔اس کو مرد کے حفاظتی بازو کی ضرورت ہے۔٦٧

کتابوں کی دنیا میں بھی صورت حال کچھ مختلف نہیں ہے۔نیویارک شہر، جو صنعتی مرکز ہے وہاں صرف ایک خاتون ہیں کو کسی بڑے پبلشنگ فرم کی صدر ہوں، بڑی فرموں کے کارپوریٹ افسر سب کے سب مرد ہیں۔عورتیں زیادہ سے زیادہ پبلسٹی ڈائریکٹر کے عہدوں پر ہیں۔نیویارک کے بڑے پبلشر عام طور پر دو مردوں پر ایک

عورت کو لیتے ہیں۔ بچوں کی کتابوں کے پروگرام میں زیادہ تر عورتیں پائی جاتی ہیں۔ امریکہ کے افسانوی ادب کا بڑا حصہ عورتیں پیدا کرتی ہیں۔ مگر اکنامکس، پالی ٹکس وغیرہ موضوعات پر ان کے کام بہت کم ہیں۔

ٹائم میگزین ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

فطرت کا فیصلہ

مغربی تہذیب کے مخصوص نظریات میں سے ایک نظریہ مرد اور عورت کی مساوات تھا۔ مغربی دنیا میں پچھلے سو سال سے اس نظریہ کا تجربہ کیا جارہا ہے۔ مگر یہ تجربہ سراسر ناکام ثابت ہوا ہے۔ کسی بھی شعبہ میں یہ ممکن نہ ہوسکا کہ مرد اور عورت کو برابر کا درجہ دیا جائے۔ قانون کے اعتبار سے برابر کا درجہ پانے کے باوجود عملی طور پر دونوں سماج کے اندر برابر کا مقام حاصل نہ کرسکے۔

اس فرق کے بارہ میں ابتداءً یہ کہا گیا کہ یہ فرق ماحول (Environment) کا پیدا کردہ ہے۔ مگر جدید تحقیقات اس مفروضہ کو سراسر بے بنیاد ثابت کر رہی ہیں۔ مختلف شعبوں میں تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ یہ فرق حیاتیاتی فرق کا نتیجہ ہے۔ یہ تمام تر پیدائشی ہے نہ کہ تاریخی۔

نیویارک کے نیوزویک (۱۸ مئی ۱۹۸۱ء) میں ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں مختلف امریکی محققین کے نتائج تحقیق درج ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ عورت اور مرد کی بناوٹ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مرد کا مسائل کو حل کرنے میں زیادہ بہتر ثابت ہونا۔ عورتوں کا جذباتی طور پر سوچنا، لڑکیوں کے مقابلہ میں لڑکوں کا زیادہ بہادرانہ انداز سے کھیلنا، ریاضیات میں مردوں کا زیادہ برتر رہنا، یہ سب دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی فرق کا نتیجہ ہے نہ کہ محض ماحول کا۔

محققین کا خیال ہے کہ قائدانہ خصوصیتیں (Leadership capacities) مردوں میں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں۔ جدید تحقیقات لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف لے جارہی ہیں۔ کہ سابقہ خیال کے برعکس پرورش (Nurture) نہیں بلکہ فطرت (Nature) وہ اصل عامل ہے جس نے مرد اور عورت کے عمل میں فرق پیدا کیا ہے۔ عمومی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ لڑنے بھڑنے کی صلاحیت عورتوں کے مقابلہ

میں مردوں کے اندر زیادہ ہوتی ہیں۔ محققین کا خیال ہے کہ دونوں کے ہارمون (Harmone) جدا جدا ہوتے ہیں۔ اور وہی دونوں کے درمیان فرق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کچھ محققین نے نر کے ہارمون (Harmone testiosterone) کو مادہ کے جسم میں داخل کیا تو مادہ کے اندر نر کی خصوصیات محسوس کی جانے لگیں۔ کچھ لڑکیوں میں پیدائش سے پہلے مردانہ ہارمون داخل کر دیئے گئے۔ چنانچہ پایا گیا کہ پیدائش کے بعد ان میں گڑیوں سے کھیلنے کا شوق بہت کم تھا۔ ان میں لڑکوں کی طرح جارحیت کا مزاج زیادہ پایا گیا۔

محققین نے پایا ہے کہ ہارمون خود دماغ کے ڈھانچہ کو بدل دیتے ہیں۔ نر اور مادہ کے دماغ (Brain) میں فرق پایا گیا ہے اور اس کا سبب دونوں کے ہارمون کا فرق ہے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ دونوں صنفوں کے درمیان نا قابل انکار فرق (Undeniable Difference) موجود ہے۔

یہ تحقیقات واضح طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ عورت اور مرد کی تخلیق میں فرق ہے۔ اور جب دونوں میں فرق ہے تو دونوں کا دائرۂ عمل الگ الگ ہونا چاہیے۔ مگر جو لوگ لمبی مدت تک پچھلے خیال کیساتھ وابستہ رہے ہیں۔ وہ ابھی اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ایک مغربی عالم نے کہا:

> Whether these physiological differences destine men and women fo rsepartate rotes in socicty is another and far more delicate qestion.

کیا یہ عضویاتی فرق مردوں اور عورتوں کے لیے سماج کے اندر الگ الگ کردار مقرر کرتے ہیں۔ یہ ایک علیحدہ اور زیادہ پیچیدہ سوال ہے۔ (ایڈرس ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

اس سے پہلے امریکہ کے ایک اور ہفتہ وار میگزین ٹائم (۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء) نے اس موضوع پر تفصیلی رپورٹ شائع کی تھی۔ میگزین کے وسیع ادارتی اسٹاف میں سے

۲۰ تعلیم یافتہ خواتین کو مقرر کیا گیا۔ کہ وہ ''جدید امریکہ میں عورتوں کی حالت'' کا جائزہ لیں۔ انہوں نے ہر میدان میں اس کا جائزہ لیا اور ہر شعبہ کے ماہرین سے مدد لی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک **مفصل** رپورٹ تیار کی جو خصوصی نمبر کے طور پر مذکورہ میگزین میں شائع ہوئی۔ اس رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنس کے تمام متعلقہ شعبوں کی تحقیق کے مطابق مرد جنس غالب (Dominant sex) ہے۔

ٹائم کی اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ سو سالہ جدوجہد کے باوجود امریکی عورت ابھی تک اسی مقام پر ہے جہاں وہ سو سال پہلے تھی۔ مرد اب بھی عملاً امریکہ میں جنس برتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ قدیم نظریہ کے مطابق، سماجی نہیں ہے بلکہ تمام تر حیاتیاتی اور نفسیاتی ہے۔ مغرب میں آزادیٔ نسواں کی تحریک سو سالہ تجربہ کے بعد اب اس رائے پر پہنچی ہے کہ حیاتیاتی حقائق عورت کو مرد کے برابر مقام دینے میں رکاوٹ ہیں۔ یہ قدرت کا ظلم ہے نہ کہ سماج کا ظلم۔ اس لئے اب ان کا مطالبہ یہ ہے کہ سائنس آف ایوجنکس کے ذریعہ رحم مادر میں جینٹک کوڈ کو بدل دیا جائے اور اس طرح نیا حیاتیاتی نظام وجود میں لایا جائے جس میں نئے قسم کی عورتیں پیدا ہوں اور مردوں کی برتری ختم ہو کر یکساں صنفی صلاحیت کا سماج بن سکے۔ یہ تجویز ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص بطور خود یہ نظریہ قائم کر لے کہ مچھلی اور بکری دونوں ایک ہی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے مچھلی کو بھی دودھ دینا چاہیے جس طرح بکری دودھ دیتی ہے۔ اور جب کوشش کے باوجود مچھلی دودھ نہ دے تو وہ کہے کہ ہم میڈیکل سائنس کے ذریعہ نئی قسم کی مچھلیاں پیدا کریں گے جو بکری کی مانند دودھ دینے لگیں۔

فطرت سے جنگ::

کسی ڈاکٹر کو ایک روز خیال آجائے کہ منھ کا مقام چہرہ پر نہیں بلکہ پیٹ پر ہونا چاہیے اور اس کے بعد وہ آپریشن کے ذریعہ منھ کو چہرہ سے ہٹا کر پیٹ پر منتقل کرنا

شروع کردے۔ تو دنیا اس کی بیوقوفی پر ہنسے گی۔ کیوں کہ فطرت نے کسی چیز کا جو مقام متعین کردیا ہے وہاں سے اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔ ہماری کامیابی یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ کر معاملہ کریں۔ نہ کہ خود ساختہ نظریہ کے تحت اشیار کی ترتیب بدل کر ایک نیا نقشہ بنانے کی مہم شروع کردیں۔

اسی تخیل پسندی کی ایک مثال عورت کا مسئلہ ہے۔ جدید تہذیب نے زندگی کا نیا نقشہ بنانا شروع کیا تو اس کا ایک نعرہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات ہونی چاہیے۔ اس خوش نما تخیل کو وجود میں لانے کے لیے خاندان اور معاشرت کا سارا ڈھانچہ الٹ پلٹ دیا گیا۔ مگر آخر میں جو چیز حاصل ہوئی وہ یہ کہ عورت گھر سے باہر تو آگئی۔ مگر عملی زندگی میں وہ مرد کی ہم سر نہ ہوسکی۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ یہاں فطرت نے انسانی تخیل کا ساتھ نہیں دیا۔

ایک روسی سائنس دان انٹونِ نملوف جو خواہش کی حد تک خود بھی عورت اور مرد میں کامل مساوات دیکھنا چاہتا ہے۔ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ حیاتیات میں ہماری اس خواہش کے لیے بنیاد موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملاً یہ چیز اب تک حاصل نہ ہوسکی۔

وہ سائنس کے تجربات اور مشاہدات پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

آج کل اگر یہ کہا جائے کہ عورت کو نظام تمدن میں محدود حقوق دیئے جائیں تو کم سے کم آزادی اس کی تائید کریں گے۔ ہم خود اس تجویز کے محنت مخالف ہیں۔ مگر ہمیں اپنے نفس کو یہ دھوکا دینا چاہیے کہ مساوات مرد وزن کو عملی زندگی میں قائم کرنا کوئی سادہ اور آسان کام ہے۔ دنیا میں کہیں بھی عورت اور مرد کو برابر کردینے کی اتنی کوشش نہیں کی گئی۔ جتنی سوویت روس میں کی گئی ہے۔ کسی جگہ اس باب میں اس قدر غیر متعصبانہ اور فیاضانہ قوانین نہیں بنائے گئے۔ مگر اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ عورت کو پوزیشن خاندان میں بہت کم بدل سکی ہے۔ (صفحہ ۷۶)

اب تک عورت اور مرد کی نا مساوات کا تخیل، نہایت گہرا تخیل، نہ صرف ان طبقو ں میں جو ذہنی حیثیت سے ادنی درجہ کے ہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ سودیت طبقوں میں بھی جما ہوا ہے اور خود عورتوں میں اس تخیل کا اتنا گہرا اثر ہے کہ اگر ان کے ساتھ ٹھیٹھ مساوات کا سلوک کیا جائے تو وہ اس کو مرد کے مرتبہ سے گرا ہوا سمجھیں گی بلکہ اسے مرد کی کمزوری اور نامردی پر محمول کریں گی اگر ہم اس معاملہ میں کسی سائنس داں کسی مصنف کسی طالب علم کسی تاجر یا کسی صد فیصد کمیونسٹ کے خیالات کا تجسس کریں تو بہت جلد یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ عورت کو وہ اپنے برابر کا نہیں سمجھتا اگر ہم زمانہ حال کے کسی ناول کو پڑھیں خواہ وہ کیسے ہی آزاد خیال مصنف کا لکھا ہوا ہو یقیناً اس میں ہم کو کہیں نہ کہیں ایسی عبارتیں ضرور ملیں گی جو عورت کے متلعق اس تخیل کی چغلی کھا جائیں گی۔(۹۵۔۱۹۴)

عورت کو مساوات کا درجہ نہ ملنا کوئی وقتی اور عملی خرابی نہیں بلکہ اس کی وجہ حیاتیات تک جاتی ہے چنانچہ مصنف لکھتا ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انقلابی اصول ایک نہایت اہم صورت واقعی سے ٹکراتا ہے یعنی اس حقیقت سے کہ حیاتیات (Biology) کے اعتبار سے دونوں صنفوں کے درمیان مساوات نہیں ہے اور دونوں پر یکساں بار نہیں ڈالا گیا ہے۔'' (۷۷)

AN Nemilov, The biological tragedy of women.
London, 1932

فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ یہی نہیں ہوتا کہ وہ چیز عملاً حاصل نہیں ہوتی بلکہ یقینی طور پر اس کی وجہ سے کئی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے فطرت نے کسی چیز کو جہاں رکھا ہے وہی اس کی اصل جگہ ہے اور جب کسی چیز کو اس کے واقعی مقام سے ہٹایا جائے تو اس کے نتیجہ میں خرابی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

یہی چیز عورت کے معاملہ میں ہوئی عورت کو مرد کے مساوی بنانے کے لیے گھر

سے باہر نکالا گیا اس سے یہ تو نہیں ہوا کہ عورت فی الواقع مرد کے مساوی ہو جاتی البتہ اس کو زندگی کے ہر موڑ پر مردوں کے ساتھ کھڑا کر دینے کا انجام یہ ہوا کہ فواحش کا سیلاب امنڈ آیا۔

مذکورہ بالا مصنف لکھتا ہے:

سچی بات یہ ہے کہ تمام عمال (workers) میں صنفی انتشار (sexual anarchy) کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں یہ ایک نہایت پرخطر حالت ہے جو سوشلٹ نظام کو تباہ کرنے کی دھمکی دے رہی ہے ہر ممکن طریقہ سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیے کیوں کہ اس محاذ پر جنگ کرنے میں بڑی مشکلات ہیں میں ہزارہا ایسے واقعات کا حوالہ دے سکتا ہوں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہوانی بے قیدی (Sexual licentiousness) نہ صرف ناواقف لوگوں میں بلکہ طبقہ عمال کے نہایت اعلی یافتہ اور عقلی حیثیت سے ترقی یافتہ افراد میں بھی پھیل گئی ہے۔'' (۳۔۱۰۲) اس کے الفاظ آج مزید اضافہ کے ساتھ جدید معاشرہ کے لیے صحیح ہیں وہ کسی اعتبار سے غلط ثابت نہیں ہوئے۔

جدید انسان نے عورت اور مرد کے قدیم تصور کو دقیانوسی قرار دیا اور عورت مرد کے درمیان صنفی مساوات قائم کرنے کی کوشش کی مگر یہ فطرت (nature) سے جنگ کرنا تھا یہ حقیقت واقعہ سے ٹکراتا تھا اس کا نتیجہ الٹا ہوا اس کے نتیجہ میں دونوں صنفوں کے درمیان مساوات کا مقصد تو حاصل نہیں ہوا البتہ اس مصنوعی کوشش کا یہ نقصان ہوا کہ معاشرہ کے اندر نئی نئی برائیاں پیدا ہو گئیں۔

چند مثالیں::

مغربی تہذیب نے عورت کے معاملہ میں فطرت سے جو انحراف کیا اس کے بڑے عجیب اور مہلک نتائج پیدا ہوئے ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے اس معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑے گی۔

شادی نہ کرنا غلطی ::

گریٹا گاربو (Greta Garbo) کسی زمانہ میں ہالی وڈ کی مشہور ترین ایکٹریس تھی مگر بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد فلمی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں اس کے پرانے دوست بھی سب کے سب اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں ۱۸ستمبر ۱۹۸۰ کو اس نے اپنی ۷۵ویں سال گرہ تنہا منائی گریٹا گاربو کے سوانح نگار نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو اس بات پر افسوس ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی جس کی وجہ سے آج آپ کی تنہائیوں کا کوئی ساتھی نہیں گریٹا گاربو نے غم گین لہجہ میں جواب دیا: میرا خیال ہے کہ میرا شادی نہ کرنا ایک غلطی تھی (ہندوستان ٹائمس ۲۱ستمبر ۱۹۸۰)

Not getting married was a mistake

خدا نے انسان کو جوڑے کی صورت میں بنایا ہے مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے مل کر انسانیت کی تکمیل کرتے ہیں پھر زندگی کی نوعیت کچھ اس قسم کی ہے کہ اس ملاپ کا مستقل ہونا ضروری ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے خدا نے نکاح کا طریقہ مقرر کیا ہے نکاح ایک مرد اور ایک عورت کو مستقل خاندانی تعلق میں جوڑتا ہے اس طرح دونوں ایک سے جڑ کر خود اپنے تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور سماج کے تقاضوں کی بھی۔

مغربی زندگی میں آزادی کے غلط تصور کا یہ نتیجہ ہوا کہ شادی کو بندھن خیال کیا جانے لگا اس کے نتیجہ میں جو آزادنہ زندگی پیدا ہوئی اس نے بے شمار خاندانی اور سماجی مسائل پیدا کردے انھیں میں سے ایک وہ ہے جس سے گریٹا گاربو جیسی عورتیں دوچارہ ہوتی ہیں جوانی کی عمر میں جب کی ان کے اندر مردوں کے لیے کشش ہوتی ہے وہ ہر جگہ وہ ہر جگہ رونق محفل بنی رہتی ہیں ان کو روزانہ ایسے تفریحی پروگرام ملتے رہتے ہیں جن میں مصروف رہ کر وہ اپنے صبح و شام گزارتی رہیں مگر

جب عمر زیادہ ہوتی ہے اور وہ جنس مخالف کے لیے اپنی نسوانی کشش کھو دیتی ہیں تو اچانک ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی تمام سرگرمیاں محض مصنوعی سرگرمیاں تھیں دوستیاں اور تعلقات اس طرح چھوٹ جاتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں درخت کے پتے اس وقت انھیں معلوم ہوتا ہے کہ مستقل وفاداری کو بندھن سمجھنا ان کی کتنی بڑی غلطی تھی۔

ان پر یہ کھلتا ہے کہ اب تک وہ خوابوں کی دنیا میں جی رہی تھیں ان کی رونقوں سے بھری زندگی اچانک ایک سونے گھر میں تبدیل ہو جاتی ہے جہاں ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہوتی کہ کتنے اور بلی پال کر دل بہلاتی رہیں ان کا کوئی رفیق حیات نہیں ہوتا جو خوشی اور غم میں ان کا شریک ہو ان کے سامنے اپنے بچوں کا وہ باغ نہیں ہوتا جس کی صورت میں ایک آدمی اپنی زندگی کا اثاثہ سونپ کر وہ سمجھیں کہ انھوں نے دنیا میں بے کار محنت نہیں کی ان کو گوشت پوست کی کوئی ایسی دنیا نظر نہیں آتی جس کو وہ اپنا سمجھیں اور جو انھیں اپنا سمجھے ایسے لوگ بکھری ہوئی کائنات میں بالکل تنہا ہو کر رہ جاتے ہیں اور یقیناً کسی آدمی کے لیے تنہائی سے بڑی کوئی سزا نہیں۔

اچھی بیوی بنو::

فرینک بورمن Frank Borman ایک امریکی خلا باز ہیں انھوں نے ایک ایسی خلائی کشتی میں بورمن نے ایک بیان کہا:

> Having women on space-cralt was okey except that it would he upsetting to put a male and a female too elose together for a long time.

خلائی کشتی میں عورت کو بٹھانا اچھا ہے البتہ ایک عورت اور ایک مرد کو دیر تک اتنا زیادہ قریب رکھنا ابتری کا باعث ہوگا۔

مسٹر بورمن کے اس بیان نے مساوات مرد وزن کے بہت سے علم برداروں کو بو

کھلا دیا ہے ایک مریکی خاتون نے اپنی پر جوش تقریر میں کہا:

''مسٹر فرینک بورمن کا وجود کہاں ہوتا اگر ان کے ماں اور باپ اکھٹا نہ ہوئے ہوتے۔

ایک امریکی خاتون مسز مارگن Marabel Morgan دو بچوں کی ماں ہیں انھوں نے حال ہی ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے: مکمل عورت (Total Women)

اس کتاب میں انگوں نے اپنی امریکی بہنوں کو ''خوش گوار ازدواجی زندگی'' کے لئے یہ سادہ گر بتایا ہے۔

Be mice to tour husdand.stop magging him and undersrand hes meeds.

اپنے شوہر کی اچھی رفیق بنو۔اس کو ملامت کرنا چھوڑ دو، اس ک ضرورتوں کو سمجھو_

یہ کتاب ایک سال سے بھی کم عرصہ میں تین ملین کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے۔موصوفہ کے نزدیک مرد کی رفیق بننا عورت کی تکمیل ہے نہ کی آزادانہ زندگی کا مالک بننا_ (ٹائمس آف انڈیا۔۸فروری ۱۹۷۸)

حقیقت یہ ہے کہ مکمل عورت وہ ہے جو اپنے شوہر کی مکمل رفیق بن سکے۔

ناکامی کا اعتراف::

امریکہ کی ایک ایکٹری جین سیبر گ (jean sederg) نے اپنی پر کشش شخصیت کی وجہ سے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔امریکہ کے علاوہ یورپ میں بھی وہ ایک عرصہ تک لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اس نے قدیم انداز میں ایک ''گھر'' بسانے کی بجائے لاکھوں گھروں کے لئے سامان تفریح بننے کو ترجیح دیا۔ مگر اس کی موت کے بعد جب اس کی ڈائری پڑھی گئی تو اپنی ڈائری کی آخری سطروں میں اس نے لکھا تھا:

l wish l had stayed home

کاش میں اپنے گھر میں رہی ہوئی (ٹائمس آف انڈیا ۸ نومبر ۱۹۸۱)

کیسا عجیب تھا یہ کامیاب سفر جو بالآخر صرف ناکامی پر ختم ہوا۔

خدا نے جس طرح اس دنیا کی مادی چیزوں کی خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اسی فطرت پر قائم رہ کر کوئی چیز اپنا صحیح وظیفہ انجام دے پائی ہے۔ یہی حال انسان کا بھی ہے۔ خدا نے مرد کو خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اسی طرح عورت کو بھی خاص فطرت پر پیدا کیا ہے، دونوں وقت اپنی زندگی صحیح طور پر گزار سکتے ہیں جبکہ وہ خدا کی فطرت پر قائم رہیں۔ فطری سے ہٹتے ہی وہ زندگی کے نقشہ میں اپنا مقام کھو دیں گے۔

عورت کی صلاحیتیں واضح طور پر مرد سے مختف ہیں یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کا دائرہ کار اور مرد دائرہ کار عمومی اعتبار سے یکساں نہیں مرد کا دائرہ کار اگر باہر ہے تو عورت کا دائرہ کار اندر' مرد اپنے دائرہ کار میں زیادہ مفید بن سکتا ہے اور عورت اپنے دائرہ کار میں: اگر دونوں اپنے دائرہ کار کو بدلیں تو دونوں اپنی معنویت کو کھو دیں گے دونوں اپنے کو بے جگہ بنالیں گے، صرف مسائل پیدا ہوئے

امریکہ سے ایک ناول چھپا ہے جس کا نام ہے اکیلی خاتون

harold robbins .TheLonely .New English Libary
London1976 .pp448.

اس ناول میں امریکہ کے ترقی یافتہ معاشرہ کی ایک کمزوری کو بے نقاب کیا گیا ہے وہ یہ کہ عورت کی شادی شدہ زندگی بالآخر ایک باقابل برداشت تنہائی پر ختم ہوتی ہے کہانی کے مطابق ایک خوبصورت اور نوجوان امریکی خاتون فلمی دنیا کی چمک دمک (glamour) سے متاثر ہوتی ہے وہ شادی شدہ زندگی کو چھوڑ کر فلم ایکٹرس بن جاتی ہے اس کی مکمال نسوانیت اس کی مدد کرتی ہے وہ بہت جلد ترقی کی سیڑھیاں طے کرنے لگتی ہے یہاں تک کہ وہ ترقی کے آسمان پر پہنچ جاتی ہے دولت

شہرت عزت اور چاہنے والوں کی بھیڑ ہر چیز بافراط اس کے گرد جمع ہو جاتی ہے مگر ترقی کی آخری انتہا پر پہنچنا اس کو سکون نہیں دیتا اب وہ ایک تلخ حقیقت (bitter truth) کو دریافت کرتی ہے:

That fame has a way of fading and friends a way of disappearing when they are most needed.

یہ کہ شہرت بالآخر ختم ہو جاتی ہے اور دوست بالآخر ساتھ دیتے ہیں جب کہ ایک عورت کو ان سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے یہ امریکی خاتون نہایت انداز میں کہتی ہے:

only a women knows what loneliness is.

حقیقت یہ ہے کہ ایک عورت ہی اس بات کو جانتی ہے کہ اکیلا پن کیا ہے ناول کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اکیلی نہیں رہ سکتی فلمی دنیا کے ذریعہ بڑی بڑی کمائی کرنا اور اپنے لئے ایک خودمختار زندگی حاصل کرنا بظاہر بڑا پرکشش معلوم ہے مگر جب عورت کی عمر زیادہ ہوتی ہے جب اس کے ساتھیوں میں اس لے لئے کشش باقی نہیں رہتی تو ایک ناقابل برداشت حادثہ سے دوچارہ ہوتی ہے۔

اس کے پاس دولت اور مادی ساز و سامان کا انبار ہوتا ہے مگر وہی چیز نہیں ہوتی جس کی ایک عورت کو سب سے زیادہ ضرورت ہے یعنی زندگی کا چین اس کے پاس ہوتا ہے مگر وہ انسان نہیں ہوتا جو اس کے صبح وشام میں اس کا ساتھی بن سکے وہ ایک ایسے آباد گھر کی مالک نہیں ہوتی جس کو وہ اپنا گھر سمجھے:

here is a lineliness burn of independence of honest isdi-vidualism in a society where only dishonesty brings profit.

یہ ایک تنہائی ہے جو خودمختار زندگی سے برآمد ہوتی ہے ایک دیانت دارانہ فردیت ایک ایسے سماج میں جہاں بددیانتی ہی سب سے بڑا نفع بخش سرمایہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کا نظام بے حد نازک ترتیب کے ساتھ بنایا گیا ہے

اس میں ادنی تبدیلی بھی صرف بربادی پر ختم ہوتی ہے جمادات اور نباتات کی دنیا کے بیۓ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کامیابی کا راز یہ ہے کہ فطرت کے بنائے ہوئے نظام سے انحراف نہ کیا جائے یہاں مطلوب نتیجہ تک پہنچنا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ فطرت کے مقررہ ڈھانچہ کو قبول کی اجائے مگر وہی انسان جو جمادات اور نباتات کے معاملہ میں اس حقیقت کی مکمل پابندی کرتا ہے وہ اپنی زندگی کے معاملہ میں اس ابدی حقیقت کو بھول جاتا ہے۔

عورت اور مرد کے لیے فطرت کا بنایا ہو نظام یہ ہے کہ وہ شادی شدہ زندگی گزاریں ان کی جسمانی ساخت ان کے نفسیائی اور خاندانی مسائل ان کے اجتماعی رشتے سب اپنی درستگی کے لیے شادی شدہ زندگی کا تقاضا کرتے ہیں عورت کا آزاد اور خود مختار رہے بظاہر بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر اس کا عملی تجربہ اتنا ہی زیادہ بھیانک ہے۔

عورت اپنی جوانی کی عمر میں بڑی آسانی سے اس قسم کے خوش کن اور دل فریب نظریات کا شکار ہو جاتی ہے مگر جب اس کی عمر زیادہ ہوتی ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راستہ غلط تھا مگر یہ علم اس کو صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ تلافی کا وقت نہیں ہوتا اب اس کے لیے موجود دنیا میں جو چیز رہ جاتی ہے وہ صرف یہ کہ کتوں اور کرخرگوشوں کی پال کر مصنوعی طور پر ان سے دل بہلائے اور بالآخر حسرت اور مایوسی کے قبرستان میں جا کر سو رہے۔

لذتیت کا انجام::

جان کینڈی (۱۹۶۳-۱۹۱۷) امریکہ کا ۳۵ واں صدر تھا۔ اس نے جیکولین کینڈی سے شادی کی۔ اس کے بعد جیکولین کینڈی امریکہ کی خاتونِ اول کی حیثیت سے کافی مشہور رہوئی۔

امریکہ کی ایک خاتون مصنف کٹی کیلی نے جیکولین کینڈی کے بارے میں ایک

کتاب شائع کی ہے۔اس کتاب کا نام ہے۔آہ جیکی۔ (Jackie lady) یہ کتاب جیکو لین کینڈی کے نجی حالات کے بارے میں ہے جو کہ کسی وقت امریکہ کی خاتون اول تھی۔

جیکو لین قدرت سے ایک پرکشش نسوائی شخصیت لے کر پیدا ہوئی۔ اس کی پیدائشی خصوصیت نے جان کینڈی کو متاثر کیا۔ جو امریکہ کی ایک اعلیٰ فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔اس کی شادی جان کینڈی سے ہوگئی۔ بعد کو جان کینڈی امریکہ کے صدر منتخب ہوئے۔اس طرح جیکو لین کینڈی کو امریکہ میں وہ اعلیٰ ترین مقام حاصل ہوگیا جس کے آگے مزید برتری کا کوئی مقام نہیں۔

جان کینڈی ۱۹۶۰ میں امریکہ کے ۳۵ دیں صدر منتخب ہوئے تھے۔مگر اس کے صرف تیسرے سال ۲۳ نومبر ۱۹۶۳ کو صدر کینڈی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔جیکو لین کینڈی جو اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ مشہور اور معزز خاتون بن چکی تھی اچانک بے حیثیت ہو کر رہ گئی۔ تاہم اس کی نسوانی کشش نے یونانی ارب پتی ارسٹاٹل اوناس (۱۹۷۵-۱۹۰۶) کو متاثر کیا۔ اس کی دوسری شادی اوناس سے ہوگئی۔ اس وقت جیکو لین کی عمر تقریباً ۴۰ سال اور اوناسس کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔ یہ شادی دونوں کے لیے خوش گوار ثابت نہ ہو سکی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہی دونوں الگ الگ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۵ میں موذی بیماری کے بعد اوناسس کا انتقال ہوگیا۔ جب کہ جیکو لین اس کے پاس موجود بھی نہ تھی۔

جیکو لین کو ہر چیز ملی مگر اس کو خوشی نہ مل سکی۔اس کی سوانح نگار کٹی کیلی کے الفاظ میں جیکو لین نے خوشی حاصل کرنے کی بابت اپنی نا قابل علاج خواہش کو خرید کر حاصل کرنا چاہا۔ خواہ اس کی قیمت ۳ ہزار ڈالر گھنٹہ دینی پڑے۔اس کے باوجود وہ خوشی حاصل نہ کر سکی۔

.....an incurable desire to buy happiness even if it meant

spending as much in one hour as 3000 dollars.
jaxkie Oh: An Inimate Biorgraphy.
By Kitty kelley. Vikas. New Delhe. 1979.pp.336

خودکشی کرلی::

میر میلین مونرو امریکہ کی ایک انتہائی مشہور خاتون ہے۔اس نے الافوٹوگرامر کے ماڈل کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔اس کے بعد وہ اپنی غیر معمولی نسوانی کش کی بناپہر فلم کی دنیا کی ہیرو بن گئی۔اس کو جنسی دیوی کہا جانے لگا۔اس کی فلموں کو زبردست مقبولیت حاصل ہری۔ جہاں کہیں اس کا کوئی۔ شو ہوتا تو بے شمار تماشائی اس کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے۔

میر یلین موزو کا آخری فلم بے جوڑ تھا۔فلم کا یہ عنوان گویا خود اس کی اپنی زندگی کا بھی عنوان تھا۔وہ اپنے کو بے جگہ پارہی تھی۔انسانی سمندر کے درمیان وہ نفسیاتی طور پر تنہا ہو کر رہ گئی تھی۔بظاہر اس کی ہنستی ہوئی تصویریں اخباروں اور رسالوں میں چھپتی تھیں۔مگر اندر سے وہ اپنے آپ کو مستقل طور پر افسروگی میں محسوس کرتی تھی۔ آ کر کار وہ اس نفسیاتی عذاب کو برداشت نہ کر سکی۔۵۱ اگست ۱۹۶۲ کو اس نے بیک وقت بہت سی گولیاں کھا کر خودکشی کرلی۔ موت کے وقت اس کی عمر صرف ۳۶ سال تھی۔

اس قسم کی عورتوں کا عام حال یہ ہے کہ وہ اسٹیج پر خوش دکھائی دیتی ہیں مگر ان کا دل مستقبل طور پر روتا ہے۔ان کی زندگی بڑی مظلومی کی زندگی ہوتی ہے۔وہ سب کی ہوتی ہیں مگر کوئی ان نہیں ہوتا۔وہ دوسروں کو خوش کرتی ہیں مگر ان کو یہ احساس ستاتا رہتا ہے کہ کوئی نہیں جس کے ساتھ وہ اپنی خوشی کے لمحات نگزار سکیں۔ مجلسی تقریبات میں بظاہر ان کی شخصیت ایک معمور شخصیت تد کھائی دیتی ہے مگر اپنی حقیقی دنیا میں وہ اپنے اآپ کو بالکل خلی محسوس کرتی ہیں۔ابتدائی شاندار زندگی آخر کار ایک غیر شاندار زندگی پر ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تنہائی کی زندگی عورت کے مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ عورت تنہائی کا تحمل نہیں کر سکتی۔ مگر مغربی تہذیب کا راستہ عورت کو آخر کار جہاں پہونچاتا ہے وہ یہی تنہائی کی زندگی ہے۔ اس کے برعکس اسلام عورت کو ایک ایسی زندگی کی طرف لے جاتا ہے جہاں وہ تنہا نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک پورے خاندان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام کا طریقہ فطری طریقہ ہے اور مغربی تہذیب کا طریقہ غیر فطری طریقہ۔

مجھ سے دور رہو::

انڈین اکسپریس میں صفحہ ۴ پر ایک مغربی عورت کی تصویر ہے۔ ہو ایک میز کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہے اور ایسی پریشان حال دکھائی دے رہی ہے جیسے کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہو۔ مگر یہ کوئی عام عورت نہیں۔ یہ دور جدید کی مشہور ترین ایکٹرس ایلز بھ ٹیلر ہے۔ تصویر کے نیچے حسب ذیل الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

ASKING FOR MONEY:Testifying before a Senate sub_committeeCapitol I ill in Washington on Thursday axtress Elizabeth Taylor Pleads for more to find a cure for the deadly AIDS disease.

ایڈز، کے لیے رقم۔ امریکہ سینٹ کی ایک سب کمیٹی کے سامنے واشنگٹن میں ایکٹرس الزبتھ ٹیلر اپنا مسئلہ پیش کرتے ہوئے مزید رقم کا مطالعہ کر رہی ہے تا کہ وہ ایڈز کے مہیک مرض سے نجات حاصل کر سکے۔

ایڈز، موجودہ زمانہ کا نا قابل علاج مرض ہے جو بے قید جنسی اختلاط کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا شخص نہ صرف خود عجیب و غریب قسم کی تکلیفوں کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ وہ متعدی بھی ہے۔ دوسرے لوگ ایسے شخص سے دور بھاگنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے اعلان کیا ہے کہ ایڈز کے مریض سے جو شخص چھو جائے گا اس کو بھی ایڈز کا مرض لاحق ہو جائے گا۔ چنانچہ ٹیلر جیسی خواتین جن سے قریب ہو کر

لوگ فخر محسوس چھو جائے گا اس کو بھی ایڈز کا مرض لاحق ہو جائے گا۔ چنانچہ ٹیلر جیسی خواتین جن سے قریب ہو کر لوگ فخر محسوس کرتے تھے۔ اب وہ ایسی عورتوں سے دور بھاگ رہے ہیں۔ کہ کہیں ان کو بھی یہ مہلک مرض لاحق نہ ہو جائے۔

کیسا عجیب ہے مغربی عورت کا یہ انجام۔ وہ مساوی درجہ حاصل کرنے کے کوشش میں غیر مساوی درجہ تک پہونچ گئی۔ آگے بڑھنے کی کوشش میں وہ انسانی قافلہ سے پیچھے چلی گئی۔

شہرت بوجھ بن گئی::

فرض کی سینما کی تاریخ میں جس خاتون نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ بی بی (Brigitte Bardot) ہے۔ وہ ۱۹۳۴ میں پیدا ہوئی۔ فلمی دنیا میں بعض اعتبار سے اس نے میریلین مونرو اور مارلین ڈٹرچ سے بھی زیادہ بڑا مقام حاصل کیا۔ جون آف آرک کے بعد وہ فرانس کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ خاتون شمار ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بی بی کے ذریعہ باہر کی جو دولت فرانس میں آئی وہ اس سے بھی زیادہ ہے جو مشہور رینالٹ موٹر کمپنی کے ذریعہ فرانس میں آئی۔ ٹونی کرالی نے ۱۹۵۸ کے آخر میں اندازہ لگایا تھا کہ اس کی تصویریں یورپ اور امریکہ کے جرائد کے صفحہ اول پر ۲۹۳۴۵ بار چھپ چکی ہیں۔ ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۸۶۔

بی بی کی فلم پر فلم بنتی رہی۔ اس کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ بعض اوقات وہ اپنے گھر سے نکلنے میں صرف اس لیے کامیاب نہ ہو سکی کہ اس کے گھر کے باہر فوٹوگرافروں کی ناقابل عبور فوج کھڑی ہوئی تھی اس کے نام روزانہ اتنے زیادہ خطوط آتے تھے کہ ان کی منتخب تعداد کو پڑھنا بھی اس کے لیے ناممکن تھا۔

ان تمام ظاہری رونقوں کے باوجود اندر سے وہ سخت غیر مطمئن تھی حتی کہ اس کی شہرت اس کے لیے ایک بوجھ بن گئی۔ اس نے خودکشی کے ارادہ سے ایک رات بہت زیادہ مقدار میں خواب آور گولیاں کھالیں۔

تاہم وہ مر نہ سکی۔ اس وقت بھی جب کہ وہ نازک حالت میں پیرس کے ایک اسپتال لے جائی جارہی تھی فوٹوگرافروں نے ایمبولینس کارکو زبردستی راستہ میں روکا تا کہ وہ اس کا فوٹوں لے سکیں۔ بی بی کے بارہ میں ایک رپورٹ میں اس کا بتایا گیا تھا کہ کیمرہ کے سامنے اس نے کبھی سکون محسوس نہیں کیا۔

۳۹ سال کی عمر میں جب کہ وہ تقریباً پچاس کامیاب فلمیں بنا چکی تھی۔ اس نے اچانک اپنا کیریر ختم کر دیا۔ وہ فلمی دنیا سے بالکل بے تعلق ہوگئی۔ اس نے اپنی شاندار رولس رائلس کار فروخت کر دی اور اپنے مکان میں تنہا رہنے لگی جہاں وہ ایک معمولی انسان کی طرح خاموش زندگی گزار سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر کے باہر کی دنیا میں ہیرو بننا اور ہر طرف شہرت کرنا عورت کی فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ عورت فطری طور پر خانہ پسند ہے۔ یہی وجہ کے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مصنوعی میدانوں میں شہرت پانے والی عورتیں اپنے کیریر کے درمیان میں یا اس کے آخر میں خانہ نشیں ہو جاتی ہیں۔ وقتی چمک دمک کے بعد بالاخران کو جہاں سکون ملتا ہے وہ ان کا گھر ہے آزادہ کے تحت خود اپنے انتخاب کے ذریعہ وہاں پہونچے۔

میدان عمل سے محرومی ::

مرد ہو یا عورت ہر ایک اپنے عمل کے لحاظ سے قیمت پاتا ہے۔ عورت کو مرد کے مساوی قرار دے کر جب گھر سے باہر لایا گیا تو اس کی قیمت اس میں تھی کہ وہ ان تمام شعبوں کو سنبھال لے جن کو مرد روایتی طور پر سنبھالے ہوئے تھا۔ یعنی وہ پائلٹ ڈرائیور انجنیر ۔ پروفیسر، پولیس آفسر تمام حیثیتوں میں بالکل مرد کی طرح کام کرنے لگے۔ مگر حیاتیاتی اعتبار سے عورت کے اندر یہ صلاحیت نہیں۔ وہ ان شعبوں کو اس طرح سنبھال نہیں سکتی جس طرح مرد ان کو سنبھال ہوئے ہے۔

عورت جب مردانہ شعبوں کو سنبھال نہ سکی تو اب سوال یہ تھا کہ وہ کا ی کرے۔

چنانچہ وہ ان شعبوں میں جمع ہونے لگی جن میں وہ اپنی نسوانیت کے اعتبار سے قیمت پا سکتی تھی نہ کہ تمدنی کارکردگی کے اعتبار سے۔ مثلاً فلم۔ٹیلی ویژن، تفریحی مجلس وہ اشتہاری صنعتیں جو عورت کی نسوانیت کو استعمال کرتی ہیں۔مگر یہاں عورت کی دوسری کمزوری اس کی راہ میں حائل ہوگئی۔ ان شعبوں میں عورت کی قیمت تھی اور عورت کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ جوان رہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت باہر نکل کر ایک قسم کی ادھوری شخصیت بن گئی۔ وہ صرف جوانی کے چند سالوں تک اپنے کو باقیمت ثابت کرسکی۔ جوانی کی مدت ختم ہونے کے بعد باہر کی زندگی میں اس کی کوئی قیمت نہیں رہی۔

مغربی ملکوں میں آزادی نسواں کی تحریک نے پردہ کو ختم کردیا ہے۔عورت اور مرد کے درمیان کوئی حد بندی باقی نہ رہی۔ تمام عورتیں سڑکوں اور بازاروں میں نکل آئیں۔ اب جن عورتوں میں نسوانی کشش نسبتاً زیادہ ہو وہ فوراً لوگوں کی نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ وہ تیزی سے لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل کرلیتی ہیں۔مگر یہ مقبولیت اس قیمت پر حاصل ہوتی ہے کہ وہ خاندانی زندگی سے دور ہو جاتی ہیں۔وہ شادی کو بندھن سمجھ کر اس سے بے رغبت ہو جاتی ہیں۔ وہ گھر بنا کر اس میں رہنے کے بجائے محفل کی رونق بنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔

مگر یہ پر رونق لمحات بے حد وقتی ہوتے ہیں۔جوانی کی خاص عمر تک ان عورتوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے بعد انھیں نارنگی کے چھلکے کی طرح پھینک دیا جاتا ہے۔ مقبول شخصیت بالآخر خود اپنے ماحول میں غیر مقبول شخصیت بن کر رہ جاتی ہے۔

مغربی تہذیب میں صرف، جوان عورت کے لیے جگہ ہے۔بوڑھی عورت کے لیے مغربی تہذیب میں کوئی جگہ نہیں، مغربی تہذیب میں ایک عورت اپنی نسوانی کشش کی بنیاد پر جگہ حاصل کرتی ہے بڑھاپے میں یہ نسوانی کشش ختم ہو جاتی ہے اس لیے مغربی عورت بوڑھی ہونے کے بعد اپنا مقام بھی کھو دیتی ہے۔جو شخص ذمہ

داری قبول نہ کرے اس کو حقوق میں بھی حصہ نہیں ملتا یہ مقولہ اپنی بدترین شکل میں مغربی عورت کے حق میں صادق آیا ہے۔

خاندان سے وابستہ ہو کر جو زندگی بنتی ہے۔اس کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے خاندان میں ایک عورت بیوی کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کرتی ہے۔ یہاں اس کو اپنے عمل کا بھرپور میدان مل جاتا ہے۔

اس کا گھر پوری مملکت ہوتا ہے۔جس کو وہ سنبھالتی ہے، جس کی وہ تنہا انچارج ہوتی ہے۔یہاں اس کی کارکردگی سے اس کی تاریخ بنتی ہے۔جو آخر وقت تک اس کا ساتھ دیتی ہے، ہر اگلا دن یہاں اس کے عزت و احترام میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، ۔وہ ماں بنتی ہے، پھر وہ نانی اور دادی بنتی ہے۔حتیٰ کہ خود اس کے شوہر کی نظر میں اس کی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔کسی نے صحیح کہا ہے، کہ عورت جوانی کی عمر میں بیوی ہوتی ہے اور بڑھاپے کی عمر میں وہ ماں کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

عورت کی یہ حیثیت بالکل فطری ہے۔چنانچہ خود مغربی دنیا میں جو افراد ازدواجی دائرہ میں رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ان کے یہاں بھی فطرت کے زور پر عورت یہی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔اس سلسلہ میں ایک سبق آموز مثال امریکہ کی صدر رونالڈ ریگن کی ہے، چنانچہ ایک امریکی رپورٹ (ہندوستان ٹائمس ۱۸، اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں بتایا گیا ہے کہ مسٹر ریگن اپنی بیوی سے بہت وابستہ ہیں۔وہ ان کو ماں کہتے ہیں، جب کہ وہ عوام سے دور ہوتے ہیں۔ یہ بات ان کے قریبی رفیقوں نے بتائی:

> **Mr Reagan is known to be deeply attached to hi swife,whomhe calls mommy,,away from the public,accnrding to their close associates (p.1)**

اس طرح عمر بڑھنے کے ساتھ، ساتھ گھر کے اندر عورت کا وقار بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ گھر کی مالکہ کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔خاندان کسی عورت کی

وہ دنیا ہے جو اول سے آخر تک اس کا ساتھ دیتی ہے۔ جب کہ مغربی تہذیب کا یہ حال ہے کہ وہ زندگی کے چند سالوں میں عورت کی ساتھی ہے، وہ اس کی عمر کے طویل تر حصہ میں عورت کی ساتھی نہیں، مغربی زندگی میں عورت اپنی جوانی کے چند سال بقدر قیمت پاتی ہے، اور خاندانی زندگی میں اپنی پوری عمر تک۔

جاپان کی مثال::

جاپان کی عورتوں کے بارے میں ایک رپورٹ اخبار میں شائع ہوئی۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ جاپان میں اگرچہ ۱۵ ملین کارکن خواتین موجود ہیں، مگر یہ زیادہ تر معمولی کاموں میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے مرد افسروں (Male superiors) کی مددگار کے طور پر کام کرتی ہیں۔

۳۶ سال کے بعد دو خواتین جاپانی کابینہ میں لائی گئیں۔ وہ بھی زیادہ تر متحدہ اقوام کے موسم خواتین کی رعایت سے جو ۱۹۸۵ء میں ختم ہو رہا ہے۔ جاپان میں اس وقت ۶۰۸ ڈپلومیٹ ہیں۔ ان میں خواتین کی تعداد صرف ۱۲ ہے، جاپان آج بھی بنیادی طور پر مردوں کا سماج (Male...dominated socicty) ہے۔

رپورٹ میں جاپان کی موجودہ خاتون وزیر کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

A bill.yet to be passed by th eparleamint.on ending discrimintion againstwomen,is considered by many of its male critics as reverse discriminatcry.

عورتوں کے خلاف امتیاز کو ختم کرنے والا ایک بل جاپانی پارلی منٹ میں ہے۔ مگر وہ اب تک پاس نہ ہو سکا۔ اکثر مرد ناقدین اس بل کو برعکس امتیاز پیدا کرنے والا اقدام سمجھتے ہیں۔ (انڈین ایکسپریس ۲۴ نومبر ۱۹۸۴)

جو لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی مساوی شرکت کے بغیر قومی ترقی نہیں ہو سکتی انھیں اس واقعہ سے نصیحت لینا چاہیے، جاپان دور جدید کا انتہائی ترقی یافتہ ملک ہے۔ مگر یہ

ترقی اس کو اس کے بغیر حاصل ہوئی ہے کہ اس نے اپنی خارجی سرگرمیوں کے تمام میدانوں میں عورتوں کو برابر کے شریک کی حیثیت سے داخل کر دیا ہو۔

قدیم زمانے میں عورت اور مرد کے کام کا دائرہ الگ، الگ سمجھا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے میں اس حد بندی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ دلیل یہ دی گئی ہے کہ اس سے ترقی کی رفتار تیز ہو گی، مگر تجربے نے بتایا کہ تقسیم عمل کے قدیم نظام کو توڑنے کا کوئی فائدہ تمدنی ترقی کے اعتبار سے نہیں ہوا۔ جن ملکوں میں عورت اور مرد دونوں کو زندگی کے ہر میدان میں برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے۔ وہاں بھی عملاً تمام ترقیاتی کام مردوں ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ کہ عورتوں کے ہاتھ میں۔

جاپان کی مذکورہ مثال بھی اس کی تردید کرتی ہے۔ جاپان پورے معنوں میں دور جدید کا ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ مگر وہاں کا سماج ابھی تک قدیم انداز کے مطابق مردوں کے غلبہ کا سماج ہے۔ جاپان کی مثال ثابت کرتی ہے کہ ترقی کے لیے عورتوں کی مفروضہ مساوی شرکت ضروری نہیں ایک امریکی خاتون شرمن بیبیر (shar mon Babior) نے اس معاملہ میں جاپان اور امریکہ کے فرق کا اعتراف کرتے ہوئے کہا، میں نہیں سمجھتی کہ امریکی عورت اس جاپانی نقطہ نظر کو برداشت کر سکتی ہے، کہ شوہر اپنے گھر کا حاکم ہے۔

adon,t think american wo men would tolerate ,the teishukanpaku ,,(husband is ruler of his home)behayiour.

the Times of india (new delhi)December,1,1987.

مغربی سماج میں اگر بگاڑ ہے تو موجودہ سماج میں بھی بگاڑ ہے۔ اس کے باوجود آپ مگر بے تہذیب کو غلط اور اسلام کو صحیح کہتے ہیں۔ ایک شخص نے کہا مگر یہ اعتراض درست نہیں، اس لیے کہ جس اعتبار سے ہم مغربی تہذیب اور اسلام کے درمیان تقابل کر رہے ہیں۔ اس میں دونوں کے درمیان ایک واضح فرق ہے، مسلم سماج کا

بگاڑ اسلام سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ جبکہ مغربی سماج کا بگاڑ عین اس کے اصولوں پر عمل کرنے کا نتیجہ۔

مسلمانوں کے درمیان جو بگاڑ ہے۔ وہ اصول اور عمل کے درمیان فرق ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جب کہ مغربی سماج کا بگاڑ اصول اور حقیقت واقعہ کے درمیان ٹکراؤ کا نتیجہ ہے۔

جدید مغربی تہذیب نے معاشرتی زندگی کے بارے میں مذہبی اصولوں کے بالمقابل کچھ دوسرے اصول وضع کیے ہیں۔ اور قدیم اصول کے مقابلہ میں جدید اصول کی معقولیت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہوئے کہ زمین کے قابل لحاظ حصہ پر مغربی اقوام کا سیاسی اور مادی غلبہ قائم ہو گیا۔ انھیں یہ حیثیت حاصل ہوگئی، کہ وہ قدیم اصول حیات کو رد کرکے جدید اصول حیات کی بنیاد پر انسانی معاشرہ کی تشکیل کریں۔

مغربی اقوام کے غلبہ کے ساتھ ہی یہ عمل شروع ہو گیا۔ اب اس تجربہ پر 100 سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ مگر عملی تجربہ اصولوں کی صداقت کو ثابت نہ کر سکا، اس تجربہ نے صرف یہ بتایا کہ مغرب نے انسانی زندگی کے جو نئے اصول وضع کیے تھے، وہ فطرت سے مطابقت نہ رکھتے تھے، اصول اور حقیقت واقعہ کا یہ ٹکراؤ بہت جلد ظاہر ہو گیا۔ مغربی زندگی میں شدید قسم کی ابتری پیدا ہوگئی، جس میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

مسلم سماج میں آج جو بگاڑ پایا جاتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ مسلم سماج کو سابقہ اسلامی اصولوں کے مطابق لوٹایا جائے۔ مگر یہی بات مغرب کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی، مغرب کا سماج اگر پیچھے کی طرف لوٹایا جائے تو اس کا لوٹنا عین انھیں اصولوں کی طرف لوٹنا ہوگا، جن پر آج بھی وہ پوری طرح قائم ہے۔ جن لوگوں نے آزادانہ جنسی اختلاط کا نظریہ پیش کیا، یا جنھوں نے عورت کو ہر مردانہ شعبہ میں داخل

کرنے پر اصرار کیا، یا جنھوں نے یہ کہا کہ نکاح کا ادارہ ایک غیر ضروری بندھن ہے۔ وہ آخر اپنے اصولوں کی طرف لوٹیں تو کس چیز کی طرف لوٹیں گے۔ وہ اسی چیز کی طرف لوٹیں گے جس پر وہ آج بھی قائم ہیں۔ اور جس کے ہولناک نتائج سے وہ بالفعل دو چار ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے بگاڑ کا حل یہ ہے کہ وہ اسلام کے چھوڑے ہوئے اصولوں کو دوبارہ اختیار کریں۔ جب کہ مغربی معاشرہ کے بگاڑ کا حل یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار کردہ اصولوں کو ترک کر دیں۔

اس معاملہ کی وضاحت کے لیے یہاں ہم کچھ واقعاتی مثالیں پیش کریں گے۔

اُلٹی طرف سفر::

امریکہ کا انگریزی ہفتہ وار ٹائم (Time) نہایت کثیر الاشاعت میگزین ہے، وہ ۹۵ ملکوں میں پڑھا جاتا ہے، اس میگزین نے اپنی اشاعت ۲۶ جنوری ۱۹۸۷ء میں امریکہ کے بارے میں ایک دل چسپ رپورٹ شائع کی ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

پچھلے ۲۵ سالوں کے اندر خاتون کارکنوں کی تعداد بہت بڑھی ہے۔ امریکہ میں اس وقت بچہ پیدا کرنے کی عمر کی خواتین کی ۶۵ فی صد تعداد دفتروں میں کام کرتی ہے۔ ان میں سے ۹۰ فی صد عورتیں وہ ہیں جو کارکردگی کے دوران حاملہ پائی گئی ہیں۔ عورتوں کے لیے یہ زبردست مسئلہ ہے۔۔۔ کام کا بھاری بوجھ اٹھانا، اور اسی کے ساتھ بیک وقت بچوں کی ماں بننا،

The heavy burden of holding down a job,and having children at the same time

اسی قسم کی ایک امریکی خاتون لیلین گارلینڈ (lallian Garland) ہے وہ کیلی فورنیا کی ایک کمپنی میں بطور ریسپشنٹ کام کر رہی تھی، ملازمت کے دوران وہ حاملہ ہو گئی، چنانچہ اس نے ۱۹۸۲ء میں عارضی طور پر دفتر سے چھٹی لے لی، اس کے یہاں بچی پیدا ہوئی، ڈاکٹر نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ تین ماہ تک دفتر نہ جائے، اس نے ایسا

ہی کیا، مگر تین مہینہ بعد وہ دفتر آئی تو اس کو بتایا گیا کہ اب کمپنی میں اس کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اس کی جگہ دوسرے کارکن کے ذریعہ پر کر لی گئی تھی،

گارلینڈ نے ۸۵۰ ڈالر ماہانہ کی سروس کھو دی۔ وہ ایسے وقت میں بے روزگار ہوگئی، جب کہ بچی پیدائش کے نتیجے میں اس کے اخراجات کافی بڑھ گئے تھے۔ اس نے امریکہ کی فیڈرل کورٹ میں اپیل کی، کہ کمپنی نے اس کو برخاست کر کے اس کے ساتھ امتیاز کا برتاؤ کیا ہے۔ مقدمہ چلتا رہا۔ گارلینڈ کے وکیل اور کمپنی کے وکیل نے ایک دوسرے کے خلاف دلائل پیش کیے، یہاں تک کہ پانچ سال بعد جنوری ۱۹۷۸ء میں امریکی سپریم کورٹ کے جسٹس تھرگڈ مارشل (Thurgood marshall) نے فیصلہ دیا کہ خاتون کارکن اگر حاملہ ہو جائے تو جس ادارہ میں وہ کام کر رہی ہے، اس کو چاہیئے کہ وہ اس کو چار مہینہ کی باضابطہ رخصت دے،

اس فیصلہ نے امریکہ میں زبردست بحث چھیڑ دی، ایک طرف آزادی نسواں کی حامی خواتین خوش ہیں کہ بچے کی پیدائش اور نگہداشت کے مسئلہ میں انھیں قانون کی حمایت حاصل ہوگئی ہے، دوسری طرف امریکہ کے سنجیدہ لوگ کہہ رہے ہیں، کہ یہ فیصلہ خواتین کے لئے مضر ہوگا، ان کا کہنا ہے، کہ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ اس قسم کا تحفظ صرف خواتین کے حق میں امریاز کو بڑھانے والا ثابت ہوتا ہے۔ یہ تدبیر ایسی ہے جو ہمیشہ الٹا نتیجہ ظاہر کرتی ہے۔

that almost always backfires

لاس آنجلس کی مرچنٹس اینڈ مینوفیکچررس ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر ڈاون بٹلر (Don butler) نے کہا کہ یہ فیصلہ ایک مہلک فیصلہ ہے۔ اگر کمپنیوں کو اس طرح حاملہ خواتین کو چار ماہ کی تنخواہ دینی پڑی تو وہ دیوالیہ پن (Bankruptcy) کا شکار ہو جائیں گی۔ امریکی چیمبر آف کامرس کے اٹارنی لیمپ(Attorney lamp) نے کہا، کہ اس طرح عورت کے خلاف امتیاز بڑھ جائے گا۔ اس لئے کہ بہت سی کمپنیاں یہ نہ چاہیں گی، کہ وہ بچہ پیدا کرنے کی عمر کی عورت کو اپنے یہاں

ملازم رکھیں ۔:

Discrimination against women might increase.many companies just won,t hire women in their childbearing years (p..21)

گارلینڈ کے مذکورہ معاملہ کی حمایت میں ایک مشہور خاتون لیڈر بیٹی فریڈ ان (Batty Friedan) نے کہا، کہ عورت اور مرد کے درمیان برابری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتیں مردوں کے نمونہ پر پوری اتریں۔

Fquality does not mean women have to fit the male model.

یہ دلیل بھی کیسی عجیب ہے ۔سوال یہ ہے کہ جب عورتیں اپنی فطری ساخت کے اعتبار سے اتنی مختلف ہیں کہ وہ مردوں کے ماڈل کے مطابق نہیں بن سکتیں، تو اس عجیب وغریب صنفی برابری کی کیا ضرورت ہے۔ کہ عورتوں کو مردوں کی طرح ہر جگہ کام کے لیے کھڑا کر دیا جائے، اور پھر جبری قوانین کے ذریعہ اس مصنوعی برابری کو قائم رکھا جائے،

اسی طرح سلویا این ہیولٹ (sylvia Ann hewlett) نے کہا، کہ امریکہ کی عدالت عالیہ کے اس فیصلہ کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ترین قانونی سطح پر اس حقیقت کا اعتراف کر لیا گیا ہے۔ کہ عورتوں کو دفاتر میں برابری کا مقام دلانے کے لیے ایک خاندانی سپورٹر کو وجود میں لانا ہوگا،،

یہ قدیم روایتی نظام کی معقولیت کا بالواسطہ اعتراف ہے، جدید تہذیب نے یہ معیار پیش کیا تھا، کہ مرد کو عورت کا سپورٹر نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ عورت خود کمائے اور خود اپنی سپورٹر بنے۔ مگر جب اس اصول کو عمل میں لایا گیا تو معلوم ہوا کہ عورت سپورٹر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے اس سپورٹر کا نام شوہر تھا۔ اب اس سپورٹر کا نام کمپنی ہے۔

قدیم روایتی ماحول جو مذہب کے زیر اثر بنا تھا، اس میں مرد بنیادی طور پر باہر

کا کام کرتے تھے، اور عورتیں بنیادی طور پر گھر کا کام، یہ دراصل ایک طرح کی تقسیم کار تھی، مگر جدید تہذیب نے اس کے متعلق کہا، کہ یہ ایک صنف اور دوسری صنف کے درمیان امتیاز ہے۔ چنانچہ زور شور کے ساتھ آزادی نسواں کی تحریک چلی، عورتوں کو گھروں سے نکال کر دفتروں اور کارخانوں میں ڈال دیا گیا۔

مگر بہت جلد معلوم ہوا کہ اس نئے نظام میں مختلف قسم کی رکاوٹیں حائل ہیں، مثال کے طور پر عورت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ حاملہ ہوتی ہے۔ وہ بچہ پیدا کرتی ہے۔ اور پھر ایک مدت تک وہ باہر کے کام کے قابل نہیں رہتی۔ اس مشکل کے لیے حل کے لیے قانون بنایا گیا، کہ عورت کو حمل اور رضاعت کے دوران خصوصی چھٹی دی جائے، مگر اس قسم کا لفظی کھیل صرف وہ لوگ کھیل سکتے ہیں۔ جو قانون ساز مجالس میں بیٹھ کر قانون بناتے ہیں۔ اس اصول کا تحمل وہ لوگ نہیں کر سکتے، جن کو عملاً ایک کارکانہ چلانا ہے۔ یا ایک دفتر کا انتظام کرنا ہے۔ چنانچہ اب مالکوں اور خاتون ملازموں کے درمیان لامتناہی جھگڑے چھڑ گئے ہیں۔

حکومتی ادارہ اب تک اس نزاع میں بظاہر خواتین کا ساتھ دے رہا ہے۔ تاکہ اس کے تہذیبی اصول کی عظمت باقی رہے۔ مگر حقیقت کے خلاف یہ جانب داری قابل عمل نہیں۔ حکومت اگر دفتروں اور کارخانوں سے کہے، کہ وہ خاتون کارکنوں کو چار ماہ کی بانتخواہ چھٹی دیں، تو کون ادارہ اس تہذیبی تعیش کو برداشت کر سکتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ اداروں میں یہ رجحان بڑھے گا، کہ جوان عورتوں کو ملازمت میں نہ لیا جائے، اور جب عورتیں بوڑھی ہو چکی ہوں گی تو اپنے آپ ملازمت سے رک جائیں گی، اس طرح مغربی سوسائٹی میں وہی چیز شدید تر صورت میں پیدا ہو جائے گی، جس کو ختم کرن کے لیے آزادی نسواں کی تحریک چلائی گئی تھی۔ یعنی صنفی امتیاز۔

مایوسی کا شکار::

۱۲۔۱۶۔ جنوری ۱۹۸۷ء کو نئی دہلی (وگیان بھون) میں ایک کانفرنس ہوئی۔ اس

میں پندرہ ملکوں کے فلسفی، سائنٹسٹ، مصنف اور آرٹسٹ شریک ہوئے، اس پانچ روزہ کانفرنس کا عنوان تھا: نئے آغاز کی طرف (Towards New Beginning) اس کانفرنس کا اہتمام مرکزی حکومت ہند نے کیا تھا۔

اس عالمی کانفرنس میں مغربی دنیا کی کئی ممتاز خواتین بھی شریک ہوئیں جو اب بڑھاپے کی عمر میں ہیں۔ اور انہوں نے اپنی پوری زندگی آزادی نسواں کی تحریک چلانے میں گزاری۔ مگر اب وہ مایوسی کا شکار ہیں۔ آسٹریلیا کی جرمین گریر جو بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں۔ ان کے بارہ میں (انڈین ایکسپریس) ۱۴ جنوری ۱۹۸۷ کے نامہ نگار کے الفاظ یہ ہیں، کہ آج کل وہ بہت دھیمی نظر آتی ہیں۔ ان کا وہ جوش جوفی میل یونک نامی کتاب لکھنے کے وقت ان کے اندر تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر غائب نظر آتا ہے۔ جرمین گریر نے مغرب کی آزادی نسواں کی تحریک پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کہ اس نے کچھ مسائل حل کیے ہیں۔ اور ہم کو کچھ نئے قسم کے مسائل میں مبتلا کر دیا ہے۔

جرمین گریر اپنی جوانی کی عمر میں اتنی آزاد خیال تھیں، کہ وہ نکاح کے طریقہ کو ختم کرنے کی وکیل بنی ہوئی تھیں۔ مگر اب وہ بدل چکی ہیں۔ انھوں نے کہا شاید مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی ماؤں کو ساتھ نہیں لیا۔ ہم نے انھیں پیچھے چھوڑ دیا، اور ان کو قدامت پرست سمجھ لیا۔ اب جب کہ ہم میں سے اکثر ماں بن چکی ہیں۔ اور ہمارے ساتھ لڑکیاں ہیں۔ تو اب ہم مسائل کو کس قدر مختلف انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ شاید اب ہم اپنی ماؤں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

انھوں نے کہا مغرب کے پاس مرد اور عورت کے درمیان نابرابری کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔ مغربی عورت کا یہ خیال غلط ہے، کہ پردہ دار عورتوں کو یہ برابری حاصل نہیں ہے۔ اور وہ عورتیں جو بناؤ سنگار کے ساتھ اور کھلے سر ہوتی ہیں۔ وہ آزاد ہیں۔ اس فکر کو اب رد کر دینا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ نام نہاد مہذب مغرب میں بھی

عورتوں کو مارنے کے واقعات موجود ہیں۔

مزید یہ کہ امریکا اور انگلینڈ جیسے ملکوں میں بھی تنخواہ اور ملازمت کے بارے میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ انگلینڈ میں جرائم کی چوتھائی تعداد عورتوں کے خلاف تشدد سے متعلق ہے۔ امریکہ کی پندرہ فی صد عورتوں کو ان کے شوہر یا بوائے فرینڈ مارتے پیٹتے ہیں۔ (ڈیلی گراف ۱۱، اکتوبر ۱۹۸۷)

فرانس کی مزہلیمی اس معاملہ میں اور بھی کھل کر بولتی ہیں۔ انھوں نے اعتراف کیا، کہ خواتین نے جو کچھ چاہا تھا۔ وہ سب انھوں نے پالیا، مگر ان کا مسلہ حل نہ ہوسکا۔ انھوں نے کہا کہ عورتیں بہت مخصوص قسم کی اخلاقی اقدار رکھتی ہیں۔ انسانیت کے بارے میں وہ ایک مخصوص نقطہ نظر کی حامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتوں کا نقطہ نظر بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کو عورت ثابت کریں نہ کہ غیر حقیقی طور پر مرد بننے کی کوشش کریں۔

مذہب کی تعلیمات کے مطابق عورت کا ماڈل رول یہ تھا کہ وہ گھر کو سنبھالے اور بچوں کی تربیت کرے، موجودہ زمانے میں عورت کا رول ماڈل یہ بنایا گیا کہ وہ باہر کی زندگی میں نکلیں اور ہر شعبہ میں بالکل مردوں کی طرح کام کریں۔ یہ دوسرا رول ماڈل قابل عمل ثابت نہ ہوسکا۔

اپنے بڑھاپے کی عمر میں وہی مغربی خواتین پرانے رول ماڈل کی حمایت کر رہی ہیں۔ جنھوں نے اپنی جوانی کے زمانے میں نئے رول ماڈل کی پر جوش وکالت کی تھی۔

کیا اس کے بعد بھی مذہب کے بتائے ہوئے رول ماڈل کی معقولیت پر شبہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔

دردناک انجام::

پلین ٹروتھ (The plain truth) ایک مشہور امریکی میگزین ہے۔ وہ

۸۵۰۰۰۰۷ کی تعداد میں چھپ کر ساری دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ اس ماہ نامہ کی اشاعت ستمبر ۱۹۸۶ میں صفحہ اول پر ایک امریکی لڑکی کی تصویر ہے۔ جو حیرانی کے عالم میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لڑکی کا نام سالی (saily) ہے۔ میگزین میں اس لڑکی کا خط شائع ہوا ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا خط ہے مگر وہ جتنا چھوٹا ہے۔ اتنا ہی زیادہ وہ دردناک ہے۔ وہ مختصر خط یہ ہے۔

ترجمہ: جب میں آٹھ برس کی تھی، اسوقت میں نے پہلی بار ایک پندرہ سالہ لڑکے کے ساتھ جنسی فعل کیا، میں نے ایسا اس لئے کیا کہ میں اپنے والدین کی طرف سے محبت اور توجہ پانے سے محروم تھی۔ مجھے محبت کی ضرورت تھی، مگر مجھے کبھی اپنے والدین کی محبت نہ مل سکی۔

(میرے اس حال کے باوجود) گھر کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور میں پندرہ سال کی عمر میں حاملہ ہوگئی، میرے دوست لڑکے نے مجھ کو ملزم ٹھہرایا، اور مجھے چھوڑ دیا۔ کوئی صورت میرے لئے باقی نہ رہ گئی۔ میں پھنس کر رہ گئی۔ چنانچہ میں نے حمل ساقط کرالیا۔ اب میں کسی لڑکے سے تعلق قائم کرنے سے ڈرتی ہوں۔ ہر رات کو میں روتی رہتی ہوں، یہاں تک کہ سو جاتی ہوں (امریکہ میں ہر دومنٹ کے بعد ایک کم عمر لڑکی حاملہ ہو جاتی ہے)

پلین ٹروتھ کے مذکورہ شمارہ میں نیویارک کے اخبارنویس جارج ڈون کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا کہ امریکہ میں ۱۵ سے ۱۹ سال کے درمیان کی ہر ایک ہزار لڑکیوں میں ۹۶ لڑکیاں حاملہ پائی گئی ہیں۔ (صفحہ ۶)

یہ انجام ہے فطرت سے انحراف کا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد اور عورت کی شکل میں بنایا، پھر مرد اور عورت کے تعلق کا ایک نظام مقرر کیا، وہ نظام یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک خاص عمر کو پہنچ کر نکاح کرلیں، پھر وہ مل کر ایک گھر بنائیں، اپنے بچوں

کی تربیت اور پرورش کریں، اس طرح انسانی نسل چلائی جائے، مگر جدید مغرب نے آزادی کے تصور کو اتنا بڑھایا کہ عورت اور مرد کے باہمی تعلق کو بھی ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مغرب کے معاشرہ میں بیشمار خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ جن میں سے ایک وہ ہے جس کی مثال اوپر کے واقعہ میں نظر آتی ہے۔

عورت اور مرد کے درمیان آزادانہ اختلاط اور بے قید تعلق فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ صنفی معاملہ میں عورت وحدت کو پسند کرتی ہے۔ جب کہ مرد کا معاملہ طبعاً قدرے مختلف ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آزادانہ صنفی تعلق وفادارانہ صنفی تعلق میں مانع بن جاتا ہے۔ جو مرد سے زیادہ عورت کے لیے نفسیاتی ہلاکت کے ہم معنی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ قیمت عورت کو بھگتنی پڑتی ہے۔

آسٹریلیا کی مشہور آزادی پسند خاتون مسز جرمین گریر (Ms. Germaine Greer) نے بڑی عمر کو پہنچ کر یہ اعتراف کیا کہ نوجوانی کی عمر میں آزادی نسواں کے لیے ان کا جوش و کروش حقیقت پسندانہ نہ تھا۔ انھوں نے ایک انٹرویو (انڈین ایکسپریس ۱۴ جنوری ۱۹۸۷ء) میں کہا۔

آج جو چیز پریشان کن ہے، وہ آزاد صنفی تحریک کے نتائج ہیں، کم عمر لڑکیاں جو بارہ اور تیرہ سال کی عمر سے مانع حمل گولیوں پر رہنے لگتی ہیں۔ اور وہ لڑکیاں جو ۱۵ اور ۱۶ سال کی عمر میں حاملہ ہو جاتی ہیں، ان کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ صنفی تعلق مرد کے لیے کافی مختلف معنی رکھتا ہے۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ محبت کریں اور چھوڑ دیں، جب یونیورسٹی جانے کا وقت آتا ہے تو وہ نہایت آسانی سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ عورتیں مردوں سے مختلف حساسیات رکھتی ہیں۔ وہ اپنے دماغ اپنے دل اور اپنے وجود سے محبت کرتی ہیں۔ ایک ٹوٹا ہوا محبت کا رشتہ انھیں بالکل توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ میں نے یہ بات اپنے قریب کے لوگوں میں ہوتے ہوئے دیکھی ہے اور یہ دہشتناک ہے۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی سوسائٹی میں بھی بگاڑ پایا جاتا ہے، اور مغرب کی سوسائٹی میں بھی،مگر دونوں میں ایک فرق ہے۔مسلمانوں کا بگاڑ اسلامی اصولوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جب کہ مغربی سماج کا بگاڑ خود ان کے اصولوں پر عمل کی پیداوار ہے۔

مصنوعی مسائل::

کیلی فورنیا کے ایک کروڑ پتی رابرٹ گراہم (Dr Robert Graham) نے ایک انوکھا بینک قائم کیا۔اس کا نام انھوں نے نوبل اسپرم بینک رکھا(Nobel spermbank)۔اس بینک میں نوبل انعام یافتہ افراد کے مادہ منویہ کو حاصل کر کے محفوظ کیا جاتا ہے۔تاکہ اس کے ذریعے عورتوں کو بار آور کیا جائے۔اور زیادہ اعلیٰ ذہانت (Above average intelligence)والے بچے پیدا کیے جائیں۔بانی کا کہنا تھا کہ یہ بینک اس نے نااہل شوہروں کے لیے قائم کیا ہے۔ تاہم جدید خواتین کی اباحیت پسندی اس پابندی کو ختم کر رہی ہے۔بہت سی خواتین نکاح کے بغیر بچہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔نیز وہ چاہتی ہین کہ ان کی اولاد اعلیٰ استعداد کی مالک ہو،ایسی خواتین آزادانہ طور پر اس بینک کی خدمات حاصل کر رہی ہیں۔

انھیں خواتین میں سے ایک کیلی فورنیا کی ڈاکٹر آفٹن بلیک (fton Blake) ہے،اس کی عمر اس وقت ۴۴ سال ہے۔اس نے مذکورہ نوبل اسپرم بینک سے رابطہ قائم کیا۔وہ اپنے لیے جس قسم کی اولاد چاہتی تھی اس کے مطابق اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ نمبر ۲۸ (Number 28) کا مادہ حاصل کرے۔واضع ہو کہ اس بینک میں جن لوگوں کا مادہ منویہ جمع کیا گیا ہے۔ان کو ان کے نام سے نہیں پکارا جاتا۔بلکہ ان میں سے ہر ایک کو نمبر دیا گیا ہے۔اور اسی خاص نمبر سے اس کو یاد کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر بلیک نمبر ۲۸ کے مادہ کو اپنے رحم میں داخل کر کے حاملہ ہوئی۔مقررہ وقت پر اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔اس لڑکے کا نام اس نے ڈورون رکھا(Doron) یہ

یونانی لفظ ہے جس کے معنی تحفہ یا عطیہ کے ہوتے ہیں۔ یہ بچہ اب چار سال سے زیادہ کا ہو چکا ہے۔ اور اب وہ سکول جانے لگا ہے۔ (اس کی تصویر ہندوستان ٹائمس ۷ ستمبر ۱۹۸۶ء (میگزین صفحہ ۴) پر شائع ہوئی ہے۔ ڈیلی ٹیلی گراف کا نمائندہ آئن بروڈی (ian brodi) مذکورہ خاتون سے اس کے لاس اینجلس (کیلی فورنیا) کے مکان پر ملا، اسکی رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر بلیک کی خوشیاں دھیرے دھیرے غم میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ باپ کے بغیر بچے کی ولادت اس کے لیے طرح طرح کے مسئلے پیدا کر رہی ہے۔ ان مسائل کی طویل فہرست میں سے ایک یہ ہے کہ نومولود اب بولنے لگا ہے۔ وہ بار، بار پوچھتا ہے کہ میرا باپ کہاں ہے؟۔ ڈاکٹر بلیک نے بتایا کہ ایک بار ایسا ہوا، جب کی ڈورون مجھ سے غصہ ہو گیا، اس نے کہا کہ وہ باہر جا رہا ہے، تا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے۔

> There was one oecasion when doron got angry with me.He said he was going off to live with his dad.

خاتون کے لیے شوہر کے بغیر اولاد حاصل کرنا پہلے ایک دل چسپ تجربہ معلوم ہوتا تھا، مگر اب وہ نازک مسائل کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نومولود، ڈورون اپنے لیے ایک باپ سے محروم ہے۔:

> one thig Doronis deprived of is a dady;

فطرت کے نظام سے انحراف کے بعد آدمی کے لیے ایسے عجیب وغریب مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کا اس نے پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

مناکحت نہ کہ مسافحت::

ٹائم (نیویارک) انگریزی زبان کا مشہور ہفتہ وار میگزین ہے۔ وہ دنیا کے تقریباً ۹۵ ملکوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر اس کی اشاعت ۶ ملین ہے۔ (ٹائم ۲ فروری ۱۹۸۷)

اس میگزین کی ہر اشاعت میں ایک تحقیقی مضمون ہوتا ہے۔ جس کو اعلیٰ تعلیم یافتہ

افراد کی ٹیم خصوصی ریسرچ کے ذریعے تیار کرتی ہے۔اس مضمون کو سرورق کا مضمون کہا جاتا ہے۔(cover story)اسی قسم کا ایک مضمون اس کے شمارہ ۱۶ فروری ۱۹۸۷میں شائع ہوا ہے۔ اس کا عنوان ہے۔ عظیم پژ مردگی (the,Big,chill)اس مضمون میں مختلف پہلوؤں سے اس نئی بیماری کی تحقیق کی گئی ہے۔جس کو ایڈز (Aids) کہا جاتا ہے۔

ایڈز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک متعدی مرض ہے۔چنانچہ یہ مرض اب نئے قسم کے اچھوت پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔جو مرد یا عورت ایک بار ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو جائیں، وہ لوگ ان سے دور بھاگنے لگتے ہیں، کیونکہ انھیں اندیشہ ہوتا ہے کہ انھیں بھی یہ مرض لگ جائے گا۔بعض مغربی ملکوں میں باربر شاپ پر اس قسم کے نشانات نظر آنے لگتے ہیں۔جن کے اوپر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ شیو کے لیے یہاں نہ آئیں:

No shaves here.::

حکومتی ذمہ داروں نے اس کو ایڈز ہسٹریا کہا ہے۔تاہم ماہر حضرات کا کہنا ہے۔ کہ مریض کے چہرہ کا پسینہ یا شیو کرتے ہوئے معمولی سا خون نکل آنا بھی بیماری کے پھیلنے کا سبب بن سکتا ہے۔اس لیے احتیاطی طور پر ایسے مریضوں سے بچنا ضروری ہے (ٹائمس آف انڈیا ۱۹ دروری ۱۹۸۷ء)

ٹائم کے محققین کی جماعت نے تفصیلات پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے، کہ اس مہلک مرض کا سب سے بڑا سبب آزادانہ جنسی تعلق (Promiscuity) ہے۔ اسی بنا پر اس مرض کو رنڈی کا مرض کہا جاتا ہے۔(Gay disease)۔یہ مرض بہت تیزی سے پھیلتا ہے۔چنانچہ اس نے جدید دنیا میں جیومیٹرک انتشار کی صورت اختیار کرلی ہے۔ایڈز کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر ایک مبتلائے مرض نے کہا:

آہ:اس دنیا کو کیا ہو گیا ہے۔اگر ہمارا حال یہ ہو جائے کہ ہم کو محبت کے لیے مر جانا پڑے۔ایڈز اس صدی کی آفت ہے۔

آزادانہ جنسی تعلق جس کو مغرب میں خوبصورت طور پر آزادانہ محبت کہا جاتا ہے۔وہ اب لوگوں کے لیے عذاب بنتا جارہا ہے۔اندازہ لگایا گیا ہے، کہ ۱۹۹۱ء تک امریکہ میں 270,000، افراد اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔جن کا علاج کرنا امریکی ڈاکٹروں کے قابو سے باہر ہو جائے گا۔چنانچہ حکومت کی طرف سے جو مخالف ایڈز مہم (Anti Aids camping) چلائی جارہی ہے، اس کا خاص نعرہ ہے۔۔۔

احتیاط کے ساتھ محبت کیجیے:

Love carefully

،،احتیاط کے ساتھ محبت کیجیے،، کی نصیحت کو اگر ہم لفظ بدل کر کہیں، تو وہ یہ ہو گی، کہ نکاح کے ساتھ محبت کیجیے، بے نکاح محبت کا طریقہ چھوڑ دیجیے۔

ڈی، ایچ لارنس (D, H, Lawrence) کا ناول، لیڈی شیٹر لی کا محبوب (Lady Chatterly,s Lover) پہلی بار ۱۹۲۸ء میں چھپا، اس میں آزادانہ جنسی تعلق کی وکالت کی گئی تھی۔اس وقت اس ناول کو فحش سمجھا گیا۔اور جلد ہی اس کو بند کر دیا گیا۔اس کے بعد حالات بدلے اور جلد ہی ۱۹۵۹ میں دوبارہ اس ناول کو چھاپنے اور فروخت کرنے کی قانون اجازت دے دی گئی۔اس ناول نے امریکی نوجوانوں پر گہرا اثر ڈالا، ان کے اندر آزادانہ جنسی تعلقات عام ہو گئے۔مگر ایک دوبارہ آواز اٹھ رہی ہے۔کہ اس ناول پر دوبارہ پابندی لگائی جائے۔

یہ ایڈز کا کرشمہ ہے۔آزادانہ جنسی تعلقات نے ایڈز کی پر اسرار مگر حد درجہ مہلک بیماری پیدا کی ہے۔اور اب مغرب کے لوگ مجبور ہو رہے ہیں، کہ آزادانہ جنسی تعلقات کے بارے میں اپنے خیالات پر نظر ثانی کریں۔(۲۴)

ٹائم کے الفاظ میں، ہر جنسی ترغیب پر دوڑنے والے لوگ، جلد یا بدیر، جنسی احتیاط اور پابندی کے ایک نئے دور کی حقیقت سے دوچار ہوں گے:

مذکورہ تبصرہ کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ وہ آزادانہ جنسی تعلق کے طریقہ کو

چھوڑ دے، اور پابند جنسی تعلق کے طریقہ کو اختیار کرے۔

شریعت خداوندی میں عورت اور مرد کے درمیان جنسی تعلق کو نکاح کی قید کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کے آزادی پسند لوگوں نے کہا، کہ یہ انسان کے اوپر غیر ضروری قسم کی پابندی ہے۔ اس سلسلہ میں بے شمار لٹریچر شائع کیا گیا۔ یہاں تک کہ مغربی ممالک میں آزادانہ جنسی تعلق ایک عمومی رواج کی صورت اختیار کر گیا۔

لوگ خوش تھے کہ انھوں نے شریعت اور مذہب کی پابندی سے آزاد ہو کر لامحدود عیش کا راز دریافت کر لیا ہے۔ مگر بیسویں صدی کے ربع آخر میں پہنچ کر آزادانہ جنسی تعلق نے نئے، نئے امراض پیدا کر دیے۔ اور بالآخر ایڈز کی مہلک بیماری نے لوگوں کو یہ ماننے پر مجبور کر دیا، کہ شریعت خداوندی کا طریقہ ہی فطری طریقہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں آزادانہ جنسی تعلقات انسانی صحت کے لیے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، ٹائم میگزین کے مذکورہ شمارہ (صفحہ ۲۴) میں ایک مرد اور ایک عورت کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ ان کو ایک خوفناک سانپ نے چاروں طرف سے لپیٹ لیا ہے۔

قرآن میں ہدایت کی گئی تھی کہ عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قید نکاح میں لا کر کرو، نہ کہ بدکاری کے طور پر کرنے لگ جاؤ، (محصنین غیر مسافحین، مائدہ، ۵) مفسرین نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے کہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے ذریعے تعلق قائم کرو، نہ کہ زانی بن کر، (یعنی متزوجین غیر زانین) تجربات نے بتایا کہ یہی طریقہ صحیح فطری طریقہ ہے، مناکحت اور مسافحت میں اتنا فرق ہے، کہ اگر ایک زندگی ہے تو دوسرا موت، ایک طریقہ انسانی سماج کے لیے رحمت ہے تو دوسرا طریقہ انسانی سماج کے لیے عذاب۔

ٹائمس آف انڈیا (۱۹ مارچ ۱۹۸۷ء) نے ایڈز روک (Aids cheek) کے

عنوان کے تحت ایک امریکی رپورٹ شائع کی ہے۔اس میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ کی حکومت نے اپنے شہریوں کو بعض تدبیریں اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے۔جس کے ذریعہ وہ ایڈز کی مہلک بیماری سے بچ سکتے ہیں

ان تدبیروں میں سب سے زیادہ خاص تدبیر جنسی پرہیز ہے۔

یہ واقعہ انسانی قانون پر خدائی شریعت کی برتری کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔خدائی شریعت کو ماننے والا شخص اگر خدانخواستہ مسافحت کا طریقہ اختیار کرے، اور اس کو ایڈز کی بیماری لگ جائے تو اس کو اصول شریعت سے انحراف کا نتیجہ کہا جائے گا۔اس کے برعکس مغربی تہذیب کا ایک انسان مسافحت کر کے ایڈز میں مبتلا ہو تو وہ عین اس کے اصول کی غلطی کا نتیجہ ہے۔پہلے واقعہ کی صورت میں ایک انسان کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔جب کہ دوسرے واقعہ کی صورت میں خود تہذیب جدید کے اصول کی غلطی۔

غیر فطری مساوات کا نتیجہ::

کوئی شخص جو مجھ کو جانتا ہے، وہ یقین نہیں کر سکتا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ایک ۳۵ سالہ امریکی نے کہا۔جو کہ بظاہر ایک سنجیدہ اور معصوم چہرہ والا آدمی تھا۔اس نے اپنی عورت کو مارنے کی کہانی بیان کی جس سے وہ محبت کرتا ہے،

اس نے گلا گھونٹ کر اس کو بے ہوش کر دیا۔اس نے اس کو کیچڑ میں دھکیل دیا۔ اس نے چھری سے اس کا گلا کاٹ دینا چاہا۔وغیرہ،

میں نے کیسے ایسا کیا؟ اس نے تعجب سے کہا، لوگ مجھ کو ایک اچھے آدمی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔میرا اپنا ایک بزنس ہے، میں شراب نہیں پیتا، میں سگریٹ نہیں پیتا، میں دوسری عورتوں کا پیچھا نہیں کرتا: اس کے باوجود ایسا ہوا، کہ اس شخص نے بار بار اپنی بیوی کو مارا،

امریکی ماہنامہ ریڈرس ڈائجسٹ (مارچ ۱۹۸۷) میں اس طرح کے بہت سے

امریکیوں کی کہانی بیان ہوئی۔ ڈائجسٹ کے اس مضمون کا عنوان ہے۔ لوگ کیوں ان عورتوں کو مارتے ہیں جن سے وہ محبت کرتے ہیں۔

why men hurt the women,they love.

پانچ صفحہ کے اس مضمون میں عورتوں کو مارنے کی بہت سی مثالیں نقل کرتے ہوئے حسب ذیل رپورٹ دی گئی ہے:

ایک جائزہ کے مطابق امریکہ میں ہر ۱۸ سکنڈ کے بعد ایک عورت ماری جاتی ہے۔ کبھی اپنے شوہر کے ہاتھوں اور کبھی اپنے دوست لڑکے کے ہاتھوں۔ اندازہ کیا گیا ہے، کہ ان میں سے ایک ملین سے زیادہ عورتوں کو ہر سال طبی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہر ایک دن میں چار عورتیں مر جاتی ہیں۔

امریکہ کے ترقی یافتہ اور مہذب معاشرہ میں عورتوں کو مارنے کی یہ برائی کیوں ہے۔ اس پر موجودہ زمانے میں کافی تحقیق کی گئی ہے مسز سوسن شسٹر (Susan Sehechter) نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے عورتیں اور مردانہ تشدد۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ جابرانہ کنٹرول حاصل کرنے کی ایک صورت ہے۔

ریڈرس ڈائجسٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ کوئی بھی مارنے والا مرد آپ کو بتائے گا، کہ اس نے عورت کو کیوں مارا۔ ڈی، اے، آئی، پی کے ڈاکٹر الن پنس نے کہا: اس نے عورت کے اوپر کنٹرول حاصل کرنا چاہا، اس نے چاہا کہ اس کو اپنی مرضی پر چلائے۔

مذکورہ بیان کی روشنی میں غور کیجیے، تو یہ صورت حال براہ راست طور پر جدید مغربی تہذیب کا نتیجہ ہے۔ جدید مغربی تہذیب نے عورت کو مرد کے برابر قرار دیا۔ اس نے عورتوں کے لیے علحدہ روزگار کا انتظام کر کے انھیں یہ موقع دیا کہ وہ مردوں سے آزاد اپنی مستقل معاشی بنیاد حاصل کر سکیں۔ اسپر عورتوں کے اندر برابری کا احساس شدت کے ساتھ پیدا ہو گیا، تاہم یہ احساس مصنوعی تھا۔ کیونکہ مذکورہ معاشی

بندوبست کے باوجود مغربی تہذیب کے لیے یہ ممکن نہ ہوسکا، کہ وہ فطرت کی اس تقسیم کو بدل دے، کہ مرد پیدائشی طور پر صنف قوی ہے۔ اور عورت پیدائشی طور پر صنف ضعیف۔

اس مصنوعی مساوات کے نتیجہ میں ان ملکوں کی گھریلو زندگی ایک تضاد کا شکار ہو گئی۔ ان گھروں میں ایسی عورتیں رہنے لگیں جو اپنی جسمانی بناوٹ کے اعتبار سے تو مرد کے مقابلہ میں اسی طرح کمزور تھیں۔ جس طرح ہر دور کی عورتیں کمزور رہی ہیں۔ مگر مزاج کے اعتبار سے وہ اپنے آپ کو مردوں کا ہم سر سمجھ رہی تھیں، مرد صنف قوی ہونے کی وجہ سے عورتوں پر اپنا کنٹرول قائم کرنا چاہتا تھا۔ مگر عورتوں نے اپنے مصنوعی مزاج کی بنا پر کنٹرول قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کش مکش کا نتیجہ یک طرفہ طور پر عورتوں کے حق میں برا ثابت ہوا۔

عورت اور مرد دونوں اگر واقعۃً حیاتیاتی طور پر یکساں ہوتے، تو کبھی مرد عورت کو مارتا اور کبھی عورت مرد کو مارتی۔ مگر چونکہ یہاں معاملہ یکسانیت کا نہ تھا۔ اس لیے وہی صورت پیش آئی جو چھری اور خربوزے کے ٹکراؤ میں پیش آتی ہے۔ مرد ہمیشہ مارنے والا ثابت ہوا اور عورت ہمیشہ مار کھانے والی۔

اس معاملہ میں جدید عورت کی مظلومی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ بھاگ کر بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتی، رپورٹ کے مطابق ایک عورت نے کہا، کہ اگر کوئی عورت بھاگنا چاہے۔ تو اس کا شوہر اس کو دھمکی دیتا ہے، کہ میں تم کو پکڑوں گا اور تمھیں مار ڈالوں گا۔ اکثر سنگین ضربیں اور موتیں اس وقت پیش آتی ہیں۔ جب کہ عورتیں باہر بھاگ جانا چاہتی ہیں۔

> **If yoy Try to leave,a husband may threaten, i will find,you,and kill you,Many of th eworst injuries and deaths happen as women try to get away(P.137)**

فطرت کی تقسیم میں مرد کو عورت کے اوپر قوام بنایا گیا ہے۔ اب اگر اس تقسیم

کو مصنوعی طور پر بدلنے کی کوشش کی جائے۔ تو اس کا انجام وہی ہوگا۔ جس کی ایک تصویر مذکورہ بالا رپورٹ میں دکھائی دیتی ہے۔ جدید تہذیب سے پہلے کبھی ایسا نہ تھا، کہ عورتیں اس طرح اپنے گھروں میں ماری جائیں۔ یہ صرف دور جدید کی خصوصیت ہے۔ اور یہ براہ راست طور پر اس مصنوعی نظریہ مساوات کا نتیجہ ہے۔ جو تاریخ میں پہلی بار مغربی تہذیب میں اختیار کیا گیا۔ تاریخ کے پچھلے دور میں بھی عورت کو مارنے کے واقعات ہوتے تھے۔ مگر وہ استشنائی طور پر صرف نچلے طبقے میں پیش آتے تھے۔ لیکن جدید حالات نے ان کو بڑھا کر اعلیٰ طبقات کے دائرہ تک پہنچا دیا۔ اس نے ایسے واقعات کو مہذب انسانوں کا مسئلہ بنا دیا، جب کہ اس سے پہلے وہ صرف غیر مہذب انسانوں کے مسئلہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

جدید عورت کی مظلومی::

ایک سیاح امریکہ گیا۔ ایک بار وہ وہاں کے ایک کلب میں تھا جہاں لڑکے اور لڑکیاں مل کر رقص کر رہے تھے۔ سیاح کنارے کی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ایک امریکی لڑکی آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے اداس لہجے میں کہا۔ مسٹر سیاح، کیا میرے اندر گلیمر (Glamour) نہیں، کیوں نہیں، تمہارے اندر تو گلیمر ہے، سیاح نے جواب دیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی لڑکا مجھے ڈیٹ نہیں دیتا۔ لڑکی نے کہا۔

ڈیٹ (Date) کے معنی انگریزی زبان میں تاریخ کے ہوتے ہیں۔ مغربی ملکوں میں یہ لفظ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک رواج کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہ ہے ایک صنف کا دوسری صنف کو کسی مقررہ تاریخ کو مدعو کرنا۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کا تجربہ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ڈیٹ دے کر ایک دوسرے کو اپنے پاس بلاتے ہیں۔ مغربی زندگی میں یہ رواج اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ جس لڑکی کو کوئی لڑکا ڈیٹ نہ دے وہ اپنے آپ کو کچھ کم سمجھنے لگتی ہے۔ اس

کا خیال یہ ہو جاتا ہے کہ شادی کے بازار میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔

ڈیٹنگ کا یہ طریقہ ابتداً صرف گفتگو اور ملاقات تک محدود تھا۔اب بڑھتے بڑھتے وہ باقاعدہ جنسی تعلقات تک پہنچ گیا ہے۔مغربی لڑکوں کے لیے یہ ایک مہذب طریقہ بن گیا ہے کہ وہ ڈیٹ دے کر ایک لڑکی کو ایک تنہا کمرہ میں بلائیں اور پھر وہاں اس کے ساتھ جبری طور پر بدکاری کریں۔

اس سلسلہ میں امریکی میگزین ٹائم (۲۳ مارچ ۱۹۸۷) نے ایک سبق آموز رپورٹ شائع کی ہے۔اس کا عنوان بامعنی طور پر یہ ہے۔جب ڈیٹ زنا کاری میں تبدیل ہو جائے۔

سوسن (Susan) ۲۲ سال کی ایک غیر شدہ خاتون ہے۔اس کی ملاقات ایک مرد سے ہوئی۔جب دنوں رخصت ہونے لگے تو مرد نے اس کو ڈیٹ دی۔اس کے مطابق دنوں ایک کمرے میں جمع ہوئے۔۴۵ منٹ تک وہ ٹیلی وژن دیکھتے رہے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔اس کے بعد مرد اس کے پاس آ گیا اور آگے کے افعال کرنا شروع کر دیئے عورت ٹھہرو ٹھہرو کہتی رہی۔مگر مرد نہیں مانا۔اس نے کہا کہ تم محض تکلیف میں ایسا کہہ رہی ہو، ورنہ حقیقتہً تم مجھ کو روکنا نہیں چاہتی ہو۔

You really don't want me to stop.

اس کے بعد اس کمرہ میں وہ سب کچھ ہوا جس کو قانونی اصطلاح میں ''زنا بالجبر'' کہا جاتا ہے۔

اس قسم کی ڈیٹ ریپ (Date Rape) موجودہ ترقی یافتہ ملکوں میں عام ہو چکی ہے۔ڈیٹ کے ذریعہ بدکاری کرنا بعض محققین کے نزدیک، آج کا بہت بڑا سماجی مسئلہ ہے۔کالج کے طلبہ کا جائزہ یہی بتاتا ہے جو ۶۲۰۰ مردوں عورتوں کے درمیان ۳۲ کیمپس میں تجربات ہوئے جو کہ قانون کے مطابق زنا بالجبر کی تعریف میں آتے ہیں۔ان میں آدھے سے زیادہ تعداد ڈیٹ کے ذریعہ بدکاری کرنے کی تھی۔ایک لکچرر اینڈری پیرٹ نے اندازہ لگایا ہے کہ دو کیمپس جن کا اس نے جائزہ لیا، ان

کے ۲۰ فیصد خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تھا۔ ۱۹۸۵ میں زنا بالجبر کے واقعات کی تعداد ۸۷۳۴۰ تھی۔میری کاس نے کہا۔ڈیٹ کے موقع پر بدکاری کا خطرہ اس سے زیادہ ہے کہ اچانک جھاڑی سے نکل کر کوئی اجنبی شخص ایسا کرنے لگے۔آزادی نسواں کے بعض علم برداروں کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ایک بدکاری کلچر پیدا ہو چکا ہے جس میں مردوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ جارحانہ

When the Date Turns into Rape

Date rape, according to some researchers, is a majoor social mostly trhough surveys of college students. IN a three -years study of 6.200 male and female students on 32 campuses. Kent State Psychologist Mary Koss found that 15% of all women reported expreriences that met legal definitions of foreible rape. More than half those cases were date rapes. Andrea Parrot, a lecturer at Cornel University, estimates that 20% of college women at tow campuses she surveyed has been forced into sex during their college years or before, and most of these incidents were date rapes. The number of foreible rapes reported each years 87.340 in 1985 is believed to be about half the total actually committed. Says koss You're a lot more likely to be raped by a date than by a stranger jumping out of the bushes. Some feminists argue that the U.S has a "rape culture" in which makes are encouraged to treat women aggressively and women are trained to submit (p.35).

انداز اختیار کریں اور عورتیں کے آگے سپر ڈال دیں۔

مسٹر سری پرکاش (سابق گورنر مہاراشٹر اور پاکستان میں پہلے ہندوستانی ہائی کمشنر) نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۷ میں انہوں نے ایک انگریز سے پوچھا کہ

تم لوگ ہم ہندستانیوں کو حقیر کیوں سمجھتے ہو۔ انگیزیز نے اس سوال کے جواب میں جو کچھ کہا اس میں سے ایک بات یہ تھی۔ آپ لوگ شادی کے سلسلہ میں بہت سی پابندیاں ملحوظ رکھتے ہیں۔ یورپ کا نظریہ یہ ہے کہ نوجوان لڑکا اور لڑکی خود ایک دوسرے کو پسند کر کے شادی کر لیں۔ آپ کے یہاں ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ سماجی بندھوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۱۷۲)

آزادی نسواں کی تحریک کے آغاز میں یہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ مگر غیر شادہ شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ہر قسم کی پابندیوں کو اٹھانے کا نتیجہ آخر کار قبل از نکال صنفی تعلقات اور پھر زنا بالجبر کا اصول ہی صحت منداصول ہے۔ اس معاملہ میں آزادی کا اصول معاشرہ کو بربادی کے سوا اور کہیں نہیں پہنچاتا۔

ایک حدیث::

"ڈیٹ" کا مذکورہ مغربی رواج اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ غیر شادی شدہ عورت اور مرد تنہائی میں ایک دوسرے سے ملیں اور جتنی دیر تک چاہیں ایک ساتھ اپنے اوقات گزاریں۔ اس رواج نے مغرب میں جو اندوہناک صورت حال پیدا کی ہے اس کو نظر میں رکھیے اور پھر مندرجہ ذیل حدیث پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ شریعت نے اس معاملہ میں جو اصول مقرر کیے ہیں وہ کس قدر بامعنی ہیں:

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یخلون بامراۃ لیس معھا ذومحرم منھا فان ثالثھما الشیطان

ترجمہ: جو شخص اللہ کو یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ ہرگز وہ کسی ایسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے جس کے ساتھ کوئی محروم موجود نہ ہو۔ کیوں کہ وہاں ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

غیر مرد اور عورت اگر تنہائی میں ملیں تو شیطان کو فوراً انہیں ورغلانے کا موقع مل جاتا ہے۔ لیکن اگر ملاقات کے وقت کوئی محرم رشتہ دار بھی ساتھ موجود ہو تو شیطان کو

ان کی نفسیات میں داخل ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ایک صورت میں ملاقات کسی حد پر نہیں رکتی۔اور دوسری صورت میں ملاقات ایک حد پر رہتی ہے۔وہ اس سے آگے جانے نہیں پاتی۔

پاکبازی کی اہمیت::

موجودہ زمانہ میں سنفی اباحیت کا طریقہ بہت بڑے پیانے پر اختیار کیا گیا۔ مغربی دنیا میں نکاح سے پہلے جنسی تعلق قائم کرنا عام ہوگیا۔ حتی کہ اس کو ایک فلسفہ بنا دیا گیا۔ کہا گیا کہ مستقل شریک حیات کے انتخاب کے لیے یہ زیادہ محفوظ اور بہتر طریقہ ہے کہ پیشگی طور پر پوری طرح اس کا تجربہ کرلیا جائے۔مرد اور عورت نکاح سے پہلے اسی طرح کھلے طور پر ایک دوسرے سے ملنے لگے جس طرح ایک مرد اور ایک عورت نکاح کے بعد آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

مگر یہ طریقہ فطرت سے ٹکرا گیا۔تخلیقی نظام کی خلاف ورزی نے ایسے ایسے مسائل پیدا کیے جن کا حل موجودہ ڈھانچہ میں ناممکن نظر آنے لگا۔ان نتائج نے لوگوں کے اندر نظر ثانی کا ذہن پیدا کیا۔حتی کہ اب خود ہی لوگ اس طریقہ کے مخالف ہو رہے ہیں جو اس سے پہلے نہایت پر جوش طور پر اس کی حمایت کر رہے تھے۔

اس سلسلہ میں امریکہ کی ایک بڑی سبق آموز رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔اے ایف پی (AFP) کے حوالہ سے ٹائمس آف انڈیا (۱۸ مارچ ۱۹۸۷) نے اس رپورٹ کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

> The survey, conducted among more tha , 1400 colleges students aged 18-19, revelats that young women are more attracted to male virgins than they were company carried out the suvey, said "The male virgin may not make the best lover, but usually he's eager to learn - and he's the safest. "The safest, that is , from the

risk of AIDS and other sexually transmittable descease. Mr. Blotnick said it was the risk of sexually -related diseases that makes the male virgins so attractive to women. His latest survey showed that 22 per cent of college women now wwant their next lover to be a virgin, compared to just nine per cent 10 years ago.

ایک جائزہ جو ۱۴۰۰ سے زیادہ کالج کے طلبا کے درمیان لیا گیا۔ جن کی عمریں ۱۸۔ ۱۹ سال کی تھیں۔ بتاتا ہے کہ امریکہ کی نوجوان عورتیں ازدواجی تعلق کے پاکباز مردوں کی طرف زیادہ راغب ہیں۔ جب کہ دس سال پہلے ایسا نہ تھا۔ نیویارک کے ماہر نفسیات مسٹر سرولی بلاٹنک جن کی کمپنی نے یہ جائزہ لیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ پاکباز مرد بہت اچھا محبت کرنے والا نہ ہو مگر عام طور پر وہ سیکھنے کا شوق رکھتا ہے اور وہ محفوظ ہے۔ وہ ایڈز اور دوسری متعدی جنسی بیماریوں کا خطرہ اپنے ساتھ لیے ہوئے نہیں ہوتا۔ مسٹر بلاٹنک نے کہا کہ یہ دراصل جنس سے تعلق رکھنے والی بیماریوں کا خطرہ ہے جس نے پاکباز مرد کو عورتوں کی نظر میں اتنا زیادہ جاذب بنا دیا ہے۔ ان کے اس جائزہ نے بتایا ہے کہ کالج کی عورتوں میں اب ۲۲ فی صد وہ ہیں جو پاکباز مرد چاہتی ہیں۔ جب کہ دس سال پہلے اس قسم کی عورتوں کی تعداد صرف ۹ فی صد تھی۔

ہندوستان ٹائمس (۱۹ مارچ ۱۹۸۷) نے امریکی نیوز ایجنسی کی اس خبر کو شائع کرتے ہوئے اس پر یہ سرخی قائم کی ہے: پاکباز مرد کی مقبولیت:

Male virgins in vouge

شادی کے لیے پاکبازی کی شرط طرفین کے لیے صنفی آزادی میں رکاوٹ تھی۔ چنانچہ آزادی نسواں کی تحریک کی ابتدائی دور میں اس کا مذاق اڑایا گیا اور اس کو محض ایک مذہبی افسانہ قرار دیا گیا۔ مگر تجربہ نے بتایا کہ یہ مذہبی افسانہ نہیں بلکہ ایک حیاتیاتی حقیقت ہے۔

اگر آپ اپنے لیے درست اور بے ضرر جوڑا چاہتے ہیں تو آپ کو پاکبازی کی شرط کو قبول کرنا پڑے گا۔ پاکبازی اس سے پہلے صرف ایک مذہبی حکم نظر آتی تھی۔ آج وہ صحت مند ازدواجی تعلق کے لیے ایک لازمی اصول کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ خدائی احکام کے مبنی بر حقیقت ہونے کا یہ کیسا عجیب ثبوت ہے جو خود انسانی تجربہ نے موجودہ زمانہ میں فراہم کیا ہے۔ اس کے بعد بھی آدمی اگر خدائی شریعت کی اہمیت کو نہ مانے تو یہ اس کی دھاندلی ہوگی نہ کہ مبنی بر حقیقت رویہ۔

مصنوعی اولاد کا مسئلہ::

آزادی نسواں کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ عورت اور مرد دونوں ہر اعتبار سے بالکل برابر کا درجہ حاصل کر لیں۔ مگر عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ آزادی نسواں کی تحریک اپنے اصل مقصد کو پانے میں پوری طرح ناکام ہے۔ ایک امریکی خاتون ٹی گریس اٹکنسن (Ti-Grace Atkinson) نے کہا کہ یہاں تحریک کا کوئی وجود نہیں تحریک کا مطلب کہیں جانا ہے، اور آزادی نسواں کی تحریک کہیں بھی نہیں جا رہی ہے۔ اس نے اب تک کچھ حاصل نہیں کیا۔

> Threre is no movement, Movement means going some place, and the movement is not going anywhere. It hass't accomplished anything.
>
> Time, March 20, 1972, p.30

اس تجربہ کی بنا پر مغربی ملکوں میں کچھ ایسی پر جوش خواتین پیدا ہو گئی ہیں جن کا مطالبہ ہے کہ مردوں پر انحصار کو کامل طور پر ختم کر دیا جائے۔ حتی کہ ان سے جنسی تعلق بھی نہ رکھا جائے۔ جل جانسٹن کا کہنا ہے کہ آزادی نسواں دراصل اس کا نام ہے کہ عورتیں ہم جنسی کا طریقہ اختیار کر لیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ عورتیں اپنی جنسی ضرورت کے لیے مردوں پر انحصار نہ کریں۔ اس طرح وہ مردانہ کنٹرول سے آزاد ہو سکتی ہیں:

The extremists demand a complete withdrawl from dependence on men, including sexual ties. Village Voice columnist Jill Johnston, for example, insists that "feminism is lesbianism" and that it is only when women do not reply upon men to fulfill their sexual needs that they are finally free of masculine control.

Time. March, 20, 1972, p. 30.

دوعورتوں کا شوہر اور بیوی کی طرح رہنا سادہ سی بات نہیں۔اس میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔مثلاً یہ جوڑے اگر اپنا بچہ چاہتے ہوں تو وہ اپنے لیے ایک بچہ کیسے حاصل کریں۔اس کا ذریعہ جدید میڈیکل سائنس نے مصنوعی تخم ریزی (Artificial Insemination) کی صورت میں فراہم کردیا ہے۔

ہالینڈ کی دوعورتیں پولا ڈیجز (۳۹) اور جی نین ہاکسمن (۳۸) میاں بیوی کے طور پر رہتی ہیں۔ان کو اولاد کی خواہش ہوئی تو انہوں نے لیڈن کے انسٹی ٹیوٹ آف برتھ کنٹرول سے رابطہ قائم کیا۔پہلی کوشش ناکام رہی۔دوسری کوشش میں پولا ڈیجز (Paula Dej js) حاملہ ہوگئی۔ایک نامعلوم شخص کے مادہ کے ذریعہ ان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ٹامس رکھا گیا۔مگر ٹامس کی پیدائش کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ دوبارہ انہیں اسی مرد کی ضرورت ہے جس سے توحش کی بنا پر انہوں نے ہم جنسی کا طریقہ اختیار کیا تھا۔

دونوں عورتیں اس حقیقت کے بارے میں بہت حساس ہیں کہ ان کے لڑکے ٹامس کو مرد درکار ہیں جو اس کے لیے کرداری نمونہ بن سکیں۔اب دوبارہ اس مقصد کو مصنوعی طور پر حاصل کررہی ہیں۔چنانچہ ان خواتین کے چچا، ان کے دادا، ان کے بھائی اور مرد پڑوسیوں سے درخواستیں کی جارہی ہیں کہ وہ بار بار ان کے گھر آئیں۔

جی نین ہاکسمن (Jeanine Haaksman) نے کہا کہ ہم نے اپنے ایک مرد دوست کو چنا ہے جو ٹامس کے لیے باپ کا کام کرے۔ہم ٹامس کو اس کے یہاں

تمام فنی ہدایات کے لیے بھیجتے رہیں گے۔

> The womem are sensitive to the fact that Thomas needs men as role models. Uncles, a grandfather, brother-in-law and male neighbours are encouraged to visit frequently. "We have a good friend not too far from here whom we have chosen to be a father image for Thomas, "Says Haaksman."We'll send Thomas over to him for all the technical instructions.

ٹامس کو ایک باپ فراہم کرنے کا مذکورہ بالا مصنوعی طریقہ کسی طرح اصل باپ کا بدل نہیں۔ یہ یقینی ہے کہ ان دونوں باپ اور بیٹے کے درمیان ایک قسم کی اجنبیت حائل رہے گی۔ اور ٹامس جب بڑا ہوگا تو یہ موہوم اجنبیت شعوری اجنبیت بن جائے گی۔ ٹامس اپنی ماں کو جانتا ہوگا مگر وہ اپنے باپ سے سراسر ناواقف ہوگا۔ ٹامس کی زندگی کا یہ خلا اس کے اندر طرح طرح کی ذہنی پیچیدگیاں پیدا کرے گا۔ اسکی یہ ذہنی حالت آخر کار اس کا ناممکن بنا دے گی کہ وہ سماج کا ایک مفید حصہ بن سکے۔

گویا عورت اور عورت کے درمیان ہم جنسی کے نظام (Lesbianism) میں لڑکی پیدا کرنے کی گنجائش تو ہے، مگر لڑکا پیدا کرنے کی نہیں۔ اگرچہ لڑکی پیدا کرنے کے لیے بھی دوبارہ اسی مرد پر انحصار کرنا پڑے گا جس پر انحصار کو ختم کرنے کے لیے یہ نظام اختیار کیا گیا تھا۔

فطرت کے نظام سے انحراف کرنا آسان ہے، مگر اس کے بعد اس انحراف کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اس کو ادا کرنا کسی انسان یا کسی انسانی سماج کے لیے ممکن نہیں۔

غلطی کا اعتراف::

امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام باعتبار مفہوم یہ ہے کہ بچے اپنے باپوں

کو دوبارہ پا رہے ہیں۔

Dr. Sam Osherson, Finding Our Fathers, (1987)

یہ امریکہ کی خاندانی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ جدید تہذیب میں زندگی کا اعلیٰ معیار یہ بن گیا تھا کہ عورت اور مرد دفتروں میں کام کریں اور بچوں کو گھریلو خادم (Babysister) یا مرکز اطفال (Day-care center) کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر کئی نسل کی بربادی کے بعد امریکیوں کی سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ بچوں کی تربیت اور ارتقا کے لیے والدین کا کوئی بدل نہیں۔ چنانچہ امریکہ میں ایسے والدین پیدا ہو رہے ہیں جو اپنے بیرونی مشاغل میں کمی کر کے اپنے بچوں کے لیے وقت نکال رہے ہیں۔

کین شومین (Ken Schuman) کو اونچی تنخواہ کا اعلیٰ عہدہ مل رہا تھا۔ مگر اس نے کم تنخواہ کی ملازمت پر قناعت کیا۔ کیوں کہ اعلیٰ عہدہ کا آدمی کو اتنا زیادہ مصروف بنا دیتا ہے کہ اپنے بچوں کی نگہداشت کے لیے وہ وقت نہیں نکال سکتا۔ اس نے کہا کہ موجودہ ملازمت کے ساتھ میں اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں لنچ نہیں لے سکتا، نہ ہوائی جہاز کے فرسٹ کلاس میں سفر کر سکتا ہوں۔ مگر میں اپنے فیصلہ پر خوش ہوں، کیوں کہ اب میرے پاس کافی وقت ہے جب کہ میں اپنے بچوں کی تعمیری دور (Formative time) میں ان کی زیدہ مدد کر سکتا ہوں۔ جان فشر (John G. Fischer) بھی اسی قسم کے نئے باپوں (New Fathers) میں سے ایک ہے۔ اس نے کہا میں نے اس طرز زندگی کو از سر نو اختیار کیا ہے۔

I'm a convert to this way of life.

یہ معلومات امریکی میگزین اسپان (ستمبر ۱۹۸۷) کے ایک مضمون میں دی گئی ہیں۔ ۶ صفحات کے اس مضمون کا عنوان یہ ہے:

PUTTING KIDS FIRST: The new generation fo American fathers is balacing the demands of careers and children.

جدید انسان اپنے نظریات کی ترقی کی انتہا پر پہنچ کر دوبارہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا ہے۔ اگرچہ جدید معاشرہ پر ابھی تک اس کے سابقہ نظریات کا اتنا زیادہ غلبہ ہے کہ جو لوگ اس تبدیلی کے وکیل ہیں وہ اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔ (صفحہ ۳۱)

مغربی شادیوں کا انجام::

امریکہ کے ایک میگزین (Better Homes and Gardens) نے اپنے قارئین سے سوال کیا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ امریکہ میں خاندانی زندگی مشکلات (Trouble) سے دوچار ہے ۷۶ فیصد کا جواب تھا کہ ہاں ۸۵ فیصد نے کہا کہ پر مسرت شادی کے بارے میں ان کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں۔ اسی طرح ایک اور امریکی میگزین (Nesweek) نے مئی ۱۹۷۸ میں اپنے ایک جائزہ کے نتائج شائع کیے تھے۔ اس کے مطابق امریکہ میں تقریباً نصف نکاح طلاق پر ختم ہوتے ہیں۔ طلاق کے بعد دوبارہ نکاح ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ طلاق۔

نکاح کے ایک مشیر رونالڈ کیلی (Ronald D. Kelly) نے لکھا ہے کہ:

> One of the saddest things to me as a marriage councelor is the many couples who are married, yet strangers to each other in theri own homes. They seem to share little in common. Each goes his or her own way, pausing only for occasional conversations - those often arguments about money, child rearing or sex. You wonder how they ever got together in the first price.

مشیر نکال کی حیثیت سے میرے لیے ایک نہایت افسوس ناک بات یہ ہے کہ اکثر عورتیں اور مرد شادی کے بعد بھی اپنے گھروں میں اجنبی کی طرح رہتے ہیں۔ ان میں بہت کم اشتراک ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ راستے پر چلتا ہے۔ ان میں صرف کبھی کبھی گفتگو ہوتی ہے، وہ بھی زیادہ تر پیسہ، بچہ کی پرورش یا جنس کے بارے میں بحث کے طور پر ان کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ آخر ابتداء میں وہ دونوں کس

طرح اکھٹے ہوئے تھے۔ (پلین ٹروتھ، جون ۱۹۸۷)۔

شادی خواہ کتنی ہی پسندیدہ کے تحت کی گئی ہو۔ اس میں بہر حال ناخوش گواریاں پیش آتی ہیں، کبھی زندگی کے مسائل کی بنا پر، اور کبھی جنسی کشش زائل ہونے کی بان پر۔ اب اگر میاں اور بیوی، شادی برائے مقصد کے نظریہ کے تحت یکجا ہونے ہوں تو پیش نظر مقصد کی خاطر دونوں اس کو نظر انداز کریں گے اور ناخوش گواریوں کو برداشت کرتے ہوئے باہم جڑے رہیں گے۔ اس کے برعکس جب "شادی برائے لذت" کا تصور ہو تو ہر خلاف مزاج بات سنگین صورت اختیار کر لے گی۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ نہ ہو گی جس کی بنا پر عورت اور مرد اس کو برداشت کرتے ہوئے تعلق کو برقرار رکھنا ضروری سمجھیں۔

مغربی دینا کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہاں تہذیب جدید کے اثر سے شادہ برائے لذت کا اصول رائج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں خاندانی زندگی منتشر ہو کر رہ گئی ہے۔ کہیں جنس کشش کے زوال کی بنا پر اور کہیں گھریلو مسائل کی بنا پر۔

آبادی کا مسئلہ::

امریکہ میں ایک کتاب (ٹائم ۲۴ اگست ۱۹۷۸) چھپی ہے جس کا نام ہے پیدائش کا قحط:

Ben J. Wattenberg, The Birth Dearth (1987)

یہ کتاب آج کل مختلف حلقوں میں بحث کا زبردست موضوع بنی ہوئی ہے۔ اس میں مصنف نے اعداد و شمار کی روشنی میں دکھایا ہے کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں پیدائش کی شرح خطرناک حد تک کم ہو گئی ہے۔ دوسری طرف اشتراک بلاک کی شرح پیدائش بڑھ رہی ہے۔ اور تیسری دنیا کی شرح کا تو یہ حال ہے کہ اگلے پچاس سال میں اس کی آبادی دنیا سے دس گنا زیادہ ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ میں اکیسویں صدی میں پہنچ کر امریکہ عالمی طاقتی حیثیت (world-power

Status) کھودے گا۔اسی طرح پوری مغربی دنیا عالمی سیاست میں دوسرے درجہ کی حیثیت حاصل کرلے گی۔اس کا حل ایک ناقد کے الفاظ میں یہ ہے کہ مغربی عورتیں دوبارہ بچہ پیدا کرنے والی قدیم عورت کا انداز اختیار کرلیں۔

> "to slip back into a traditional woman as exclusive child raiser (48)"

جدید تہذیب نے عورت کو جو مقام دیا تھا وہ زندگی کی حقیقتوں سے ٹکرا گیا۔اب مفکرین مغرب کونظر آرہا ہے کہ اگر کامیاب زندگی حاصل کرنا ہے تو عورت کے قدیم تصور کودوبارہ اختیار کرنا ہوگا۔

سرپرستی سے محروم ::

ہفتہ وار ٹائم (۲۳ مارچ ۱۹۷۸) نے امریکہ کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کا عنوان ہے بچوں کی خودکشی (Teen Suicide) اس رپورٹ میں دکھایا گیا ہے کہ امریکہ میں ۱۰ سال اور ۲۰ سال کے درمیان کے عمر کے نوجوانوں میں خودکشی کے واقعات تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔۱۹۵۰ کے مقابلہ میں یہ تعداد اب تین گنا زیادہ ہوگئی ہے۔۱۹۸۵ میں ایک لاکھ آبادی پر ساٹھ نوجوانوں (اور اتنے ہی بڑوں) نے خودکشی کی۔یہاں ہم تین خواتین کے تاثرات درج کرتے ہیں جو امریکی بچوں کی خودکشی کے سلسلہ میں مذکورہ رپورٹ میں نقل کیے گئے ہیں۔

> Says Barbara Wheeler, a suicide-prevention specialist in Omaha: I don't think they thing about being dead. They think it's a way of ending pain and solving a problem."
>
> "Everybody is in such that we don't take the time to listen to our youngsters," says Elaine Leader, co-founder fo a teen crisis hotline at Cedars-Sinai Medical Centre in Los Angeles.
>
> "When something like this happens, I think a lot about my kids," says Barbara O'Leary, a hostess at a local diner. " I have to hope I raised them right. These are the dangerous years. You

> don't always know what's going on inside their heads" (pp. 18-19).

باربرا وہیلر نے کہا کہ میرا یہ خیال نہیں کہ خودکشی کے وقت یہ بچے سمجھتے ہوں کہ وہ مرنے جارہے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ درد کو دور کرنے اور مسئلہ حل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ ایلین لیڈر نے کہا کہ ہر شخص اس طرح دوڑ بھاگ میں ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہم اپنے بچوں کو سن سکیں۔ باربرا اولیری نے کہا کہ جب اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو میں اپنے بچوں کے بارہ میں بہت زیادہ سوچنے لگتی ہوں۔ میری خواہش ہوتی ہے کہ ان کو درست طور پر پرورش کرسکوں۔ یہ ان کی زندگی کی خطرناک سال ہیں۔ آپ ہمیشہ یہ جان نہیں سکتے کہ ان کے دماغ میں کس طرح کے خیالات گھوم رہے ہیں۔

ٹائم (۲۳ مارچ ۱۹۸۷) کی مذکورہ رپورٹ پڑھنے کے بعد کچھ امریکی باشندوں نے مذکورہ ہفت روزہ کے نام خطوط لکھے ہیں۔ جو ٹائم (۱۳ اپریل ۱۹۸۷) میں چھپے ہیں۔ ایک مکتوب نگار لکھتے ہیں کہ میرا دل ان خاندانوں کے لیے خون بہاتا ہے جن کے بچوں نے خودکشی کی ہے۔ میں خوب جانتا ہوں۔ میرے ۱۶ سال کے پوتے نے اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرلی۔ ہمارا خاندان بھر حیران رہے گا کہ ایسا کیوں ہوا۔ اور ہم کبھی اس کو جان نہ سکیں گے۔

> My heart bleeds for the families of the teen suicides. I know. My 16-year old grandson committed suicide by hanging. Our family will spend the rest of our lives wondering why, and we will never know.
> Eloise Gardin. Pensacola Beach, Florida.

ترقی یافتہ ملکوں کے نوجوانوں میں خودکشی کا رجحان کیوں ہے۔ اس کا واحد وجہ ان کی اپنے سرپرستوں سے محرومی ہے۔ ان ملکوں میں خاندانی انتشار کا مسئلہ بہت بڑے پیمانہ پر پیدا ہوگیا ہے۔ اور یہی چیز ہے جس نے نوجوانوں کی اندر خودکشی کا

رجحان پیدا کر دیا ہے۔ وہ خاندان کی شفقت سے محروم ہو کر پرورش پاتے ہیں، اور بڑے ہو کر طرح طرح کی نفسیاتی پیچیدگیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ چیز بعض اوقات انہیں خودکشی تک پہنچا دیتی ہے۔

ان ملکوں میں خاندانی انتشار پیدا ہونے کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے ازدواجی زندگی کی بنیاد ذمہ داری کے بجائے لذت پر قائم کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ازدواجی تعلق میں مستقل تقدس کی قدر باقی نہ رہی۔ لوگ لذت کی خاطر ایک دوسرے سے ملنے اور لذت ختم ہونے پر ایک دوسرے سے الگ ہونے لگے۔ اس نظریہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق عام ہو گئی۔ طلاق کے بعد عورت ایک طرف چلی گئی اور مرد دوسری طرف۔ انہوں نے اس دوران میں جو بچہ پیدا کیا تھا، اس کا کوئی سرپرست نہ رہا۔ وہ والدین کی موجودگی میں یتیم بن کر رہ گیا۔

اس کی دوسری وجہ ان ملکوں میں مشترک زندگی کا خاتمہ ہے۔ انہوں نے زندگی کا جو طرز اختیار کیا اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ بوڑھے ماں باپ دار الضعفاء میں بھیجے جانے لگے۔ مشترک خاندان میں دادا دادی، نانا اور نانی بچوں کو سنبھالنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ مگر مغرب کی معاشرت میں ان لوگوں کا مقام گھر نہیں بلکہ وہ ضعیف خانے میں ہیں جو خاص طور پر اس مقصد کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ یہی معاملہ ایک اور صورت میں والدین کے ساتھ ہوا ہے وہاں کے نظام کے مطابق مرد اگر کام کرتا ہے تو عورت بھی کام کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دونوں بیشتر اوقات گھر سے باہر رہتے ہیں۔ اپنے بچوں سے ان کی ملاقات بمشکل صرف اتوار کے دن ہوتی ہے۔ گویا مغرب کا بچہ اپنے دادا دادی یا نانا نانی سے اسے لیے محروم ہے کہ وہ دار الضعفا رمیں منتقل ہو گئے ہیں اور اپنے ماں باپ سے اس لیے محروم ہے کہ وہ دونوں کام کرنے کے لیے چلے گئے ہیں۔ ایسے بچوں کا وہی انجام ہو سکتا ہے جو اوپر کی مثال میں نظر آتا ہے۔

خاتون سنگر کی موت کے بعد::

ٹائمس آف انڈیا (۳۰ مارچ ۱۹۸۷ سال کے اندر کی عمر کے جاپانی نوجوانوں میں خودکشی کے واقعات تیزی سے بڑھے ہیں۔ ۱۹۸۵ میں ایسے نوجوانوں کی تعداد ۵۵۷ تھی۔ جب کہ ۱۹۸۶ میں ان کی تعداد ۸۰۲ تک پہنچ گئی۔

خودکشی کرنے والے اکثر نوجوان وہ تھے جو عمارتوں کی چھتوں سے کود پڑے۔ یہ واقعہ اس کے بعد ہوا جب کہ ۱۸ سالہ خاتون سنگر یوکیکو اوکادا نے محبت میں ناکامی کے بعد ایک چھت سے کود کر اپریل ۱۹۸۶ میں اپنی جان دے دی تھی۔ نوجوانوں نے بھی اسی کی نقل کی۔ کچھ لوگ جنہوں نے اس طریقہ سے اپنی جان دی وہ مس اوکادا کی موت سے غم زدہ تھے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ بھی موجود دنیا سے رخصت ہو جائیں اور جنت میں پہنچ کر اپنی دل پسند سنگر سے جا ملیں۔ کچھ لوگوں نے مرتے وقت ایسی تحریر چھوڑی جس میں مذکورہ پاپ سنگر خاتون کا نام لکھا ہوا تھا۔

Many were youngers who jumped form roofs of buildings after 18-year old pop singer Yukiko Okada used that method of killing herself in April 1986 because of an unhappy love affair. Some of the people who died killed themselves because they felt sorry for her (Miss Okada) and wanted to be in heaven with her. A few left notes mentioning the singer (p.6).

یہ ان بے شمار نقصانات میں سے ایک نقصان ہے جو عورتوں کو "اسکرین" کی چیز بنانے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ عورت اگر گھر کو سنبھالے تو وہ نوجوان نسل کو زندگی دینے والی ثابت ہوتی ہے لیکن اگر وہ گھر سے باہر نکل کر لوگوں کی تفریح کا سامان بنے تو وہ نوجوان نسل کو ہلاکت سے دوچار کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

فطرت سے دور ہو کر::

انسان کا بچہ تمام جانوروں کے بچے میں سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے۔ اس کو

جسمانی پرورش اور ذہنی تربیت دونوں مقصد کے لیے لمبے درصے تک اپنے ماں باپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے انسان کے اندر اپنے بچے کے لئے خصوصی کشش رکھی ہے۔

قدیم زمانہ میں کسی بچے کے لئے اپنے باپ یا ماں سے محروم ہونا صرف ہنگامی اسباب سے ہوتا تھا۔ جنگ یا کسی اتفاقی حادثے سے قبل از وقت موت۔ عام حالات میں یقین کیا جا سکتا تھا کہ بچوں کو اپنے والدین کی سرپرستی پختگی کی عمر تک حاصل رہے گی۔

جدید ترقی یافتہ سماج میں یہ استثنا اب عموم بن گیا ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے جدید تصور زندگی کا جس نے نکاح کے رشتہ کو غیر مقدس بنا دیا ہے۔ اب یا تو نکاح کے بغیر لڑکے پیدا ہوتے ہیں یا نکاح کے جلد ہی بعد طلاق کی شکل میں دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہے۔ بچوں کی اپنے ماں باپ سے جدائی۔ بچوں کا اپنے والدین کے جیتے جی یتیم ہو جانا۔

اس بڑھتی ہوئی ''یتیمی'' نے جدید معاشرہ کے لئے طرح طرح کے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کو محرومی کا بونا پن (Deprivation dwarfism) کا نام دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مغرب کی طبی ماہرین کی ایک تازہ رپورٹ (ایوننگ نیوز ۲۷ جون ۱۹۸۴) سامنے آئی ہے۔

اس رپورٹ میں مغربی طرز حیات کے نتائج کے بارے میں بہت سے انکشاف کیے گئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ سے محرومی کی بنا پر جن بچوں کو ابتدائی عمر میں محبت نہیں ملتی ان میں مختلف قسم کا نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً جسمانی نشوونما میں کمی۔ دماغ کا ہلکا پن۔ حتی کہ یہ چیزیں بعض اوقات انکے قبل از وقت موت کا باعث ہو جاتی ہیں۔

محرومی کا بونا پن نامی بیماری کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ ٹھیک طرح سو نہیں پاتا۔ اس کا

نظام ہضم ٹھیک طرح کام نہیں کرتا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسپتالوں میں جہاں چھوٹے بچے بیڈ پر ڈال دیئے جاتے ہیں، پیٹھ کے بل دیر دیر تک پڑے رہنے سے ان کا سر کا پچھلا حصہ گنجا ہو جاتا ہے کیوں کہ وہاں کوئی ماں بار بار کروٹ بدلنے کے لئے موجود نہیں ہوتی۔ ماں باپ سے محروم ہو کر دار الاطفال میں پرورش پانے والے

Man-made dwarfism

Human babies are are most tender and weak of all the babies of living creatures. It, therefore, needs its parents care and guidance for its physical and mental growth for a longer period. This is why nature has endowed parents with a special attraction for theri offspring.

In the past, the separation of children from their parents was caused only by emergency situations - war or occasional permature death. In normal circumstances, it was taken for granted that the children would enjoy the protection of their parents for as long as they required it.

However, this exception has come to be a rule in modern, advance societies. This is the outcome of the modern concept of life which has destroyed the sanctity of matrimony. Either the children are born out of wedlock or the couples get separated shortly after marriage. The result is one in both cases - alienation of children from their parents, because they are "orphaned" during the lifetime of their parents.

The increasing incidence of this kind of orphaning is creating complex problems in modern society, one of which has been termed "Deprivation Dwarfism". The following are experts from a recent report by Wertern medical experts on this subject:-

"Lack of love can stunt children's phvisical growth, retard their intellect or even kill them.
Medical experts have called the affliction deprivation dwarfism, a disease that used to kill many children in orphanages.
Pediatricians say that as late as 1915 some 90 per cent of the children who died in Baltimore, maryland, (The United States) orphanages within the first year of admission did so because of lack of love.
In deprivation dwarfism a child does not sleep properly and has trouble with his bowels.
Just as the human body can become dwarfed, so can the human spirit. The only cure for this is the tender, loving care which is engendered by love. There is no substitute for it and the greatest love of all is the love of God.

بچے اپنی ذہنی اور جسمانی ارتقا سے محروم رہتے ہیں۔

ڈاکٹر گارڈنر (Dr. Gardner) کا کہنا ہے کہ مطالعہ بتاتا ہے کہ دماغ کی اعلیٰ سطح سے ارتعاشات (Impusles) اٹھتے ہیں۔ یہ ارتعاشات جسمانی نظام میں داخل ہو کر مختلف قسم کے ہارمون پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں جو زندگی کی نشوونما کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ انہیں میں سے ایک وہ ہے جو پروٹین کو شکر میں تبدیل کرتا ہے۔ ماں باپ کی محبت سے محروم ہو کر جو بچے پرورش پاتے ہیں ان میں یہ قدرتی عمل کم ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا جسم حاصل شدہ پروٹین کو پوری طرح استعمال نہیں کر پاتا جو ان کی نشوونما کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت کے راستے سے ہٹا کس قدر تباہ کن ہے۔ انسان خدا کی بنائی ہوئی دنیا سے ہٹ کر اپنے لئے کوئی دوسری دنیا نہیں بنا سکتا۔ اس کے لئے لازم ہے کہ اسی دنیا کے ساتھ مطابقت کرے۔ اگر وہ فطرت کی شاہراہ کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی دوسری شاہراہ بنانا چاہے گا تو وہ صرف ناکامی اور

بربادی پر ختم ہوگا۔ اس کے سوا اس کا کوئی انجام نہیں۔

بے قیدی کا تجربہ::

امریکی میگزین نیوز ویک (۲۱ جنوری ۱۹۸۵) صفحہ ۳۵ پر ایک تصور ہے۔ اس تصویر میں امریکی خواتین کا ایک جلوس دکھائی دے رہا ہے۔ جلوس کے آگے ایک نوجوان عورت ایک اٹھائے ہوئے اس کے اوپر جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔

keep your laws and your morality off my body

اپنے قوانین اور اپنے اخلاق کو میرے جسم سے دور رکھو۔

مضمون میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ کے لوگ اس وقت دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک وہ کھلے عام اسقاط کے قائل ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو ''اسقاط نواز'' نہ کہہ کر اپنے کو انتخاب نواز (Pro-choice) کہتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ جو اسقاط کا مخالف ہے وہ اپنے آپ کو زندگی نواز (Pro-life) کہتا ہے۔

جدید مغربی مفکرین کا کہنا ہے کہ انہوں نے جو سب سے بڑی چیز دریافت کی ہے وہ آزادی ہے۔ مگر بے قید آزادی کا تجربہ جو جدید مغرب میں ہوا وہ بتاتا ہے کہ آزادی خیر اعلیٰ نہیں ہوسکتی۔ آزادی اگر خیر اعلیٰ ہو تو وہ اس قبیح انجام تک کیسے پہنچ جاتی ہے۔ جس کا ایک نمونہ اوپر کے اقتباس میں نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آزادی بے حد قیمتی ہے۔ مگر انسان کے لئے خیر اعلیٰ پابند آزادی ہے نہ کہ مطلق آزادی، یعنی انسان کے مقابلہ میں آزادی مگر خدا کے مقابلہ میں پابندی۔

انسان خدا اور بندے کے درمیان ہے۔ جہاں تک اپنے جیسے انسانوں کا تعلق ہے، انکا مقابلہ میں بلاشبہ ہر انسان کو کامل آزادی حاصل ہے۔ مگر اسی کے ساتھ دوسری شدید تر حقیقت یہ ہے کہ خدا کے مقابلہ میں انسان مکمل طور پر پابند ہے۔ خدا کے مقابلہ میں کسی انسان کو کوئی آزادی حاصل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں انسان کو اپنی آزادی کا استعمال اس طرح کرنا ہے کہ وہ ہر حال میں خدا کے

احکام پر پابندر ہے۔یہی پابندی آزادی کے صحیح استمال کی ضمانت ہے۔

خاتون لیڈر کا اعتراف::

امریکہ کہ مشہور ناول نگار خاتون اور تحریک نسواں کی لیڈر رہوڈا لرمن اپریل ۱۹۸۷ میں ہندوستان آئیں۔ یہاں نئ دہلی میں انہوں نے ٹائمس آف انڈیا کے ایک سٹاف رپورٹر کو انٹرویو دیا۔انٹرویو اخبار مذکور کے شمارہ ۳۰ اپریل ۱۹۸۷ میں شائع ہوا ہے۔یہ پورا انٹرویو علیحدہ صفحہ پر نقل کیا جارہا ہے۔

رھوڈا لرمن نے کہا کہ میں بہت بُری خبر لے کر آئی ہوں۔سماج میں عورت کے بدلتے ہوئے کردار پر بولتے ہوئے انہوں نے انکشاف کاے کہ امریکہ کے غریبوں میں ۷۷ فی صد تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے۔ان کے بیان کے مطابق اس کا سبب وہ غیر معمولی فرق ہے جو مردوں اور عورتوں کی کمائی کے درمیان پایا جاتا ہے۔مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی کمائی ۶۲ فی صد ہے۔صرف اس لیے کہ انہیں ہلکے قسم کے کام دیئے جاتے ہیں۔یکساں مواقع اور یکساں تنخواہ یکساں کام کے لیے محض ایک افسانہ ہے۔عورتیں ابھ تک صرف نچلے اور درمیانی انتظامی شعبوں میں داخل ہو سکی ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ یہ امتیاز مردانہ تعصب کی بان پر ہے جو کہ عورتوں کے خلاف کام کر رہا ہے۔مردوں کا کہان ہے کہ عورتوں پر انحصار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ وہ زچگی کی چھٹی لیتی ہیں اور بچے

A Pyrrhic Victory

I come with very bad news, "Says Rhoda Lerman, American novelist and a leader fo the women's movement. Speaking on the changing role of women in society. She revealed that 77 per cent of the poor in America are women and childern.

the reason she offers is th ehigh wage differential between the earnings of men and

women. women earn 62 per cen of what men earn, merely because of the "pink collared" jobs offered to them. "Equal opportunities and equal pay for equal work are just a myth, "she declares. Women, by far have been able to infiltrate only the lower and middle managemnet and are offered innumerable jobs in food chains and the secretarial cadres.

This discrimination, she believes is due to the male bias which owrks against women, branding them as "undependable, since they go in for maternity leave and have children. "Although 96 per cent of the working women have children, only 67 per cen of them can enjoy maternity leave, without fear of jeopardising their jobs. However, seniority almost always suffers, says Ms Lerman. "Maternity and child care are the cause of high wage differentials," She adds, " economic reality having nothing to do with spiritual equality. "Activists had clamoured for sexual equality and abortion rights and won them, without anticipating the economci backlash that ensue.

With radical feminism accepted as the code, women are treated as equal, without any concessions to theri biological differences. For instance, one out of two marriages in America are ending in divorce, with the responsibility of child care devolving on the mother alone. Alimony adn maintenance are merely laws, rarely put into practice. A mere 5-10 percent of the men pay maintenance, and that too, only for the first year.

For the rest, the burden is borne solely by the mother, Thus, the quality of life of a divorce woman reduces by 73 per cent and that of a

man increase by 43 per cent.

Single households, headed by women trying to play the role of "supermoms". are on the increase, she revelead. In the next 10 years, therefore, 40-50 per cent of the children will be living in female-headed households. An unhealthy phenomenon, which has its reprercussinons in increased suicides amongst children. "Due to a lapse in the dependency structure, suicide is becoming endemic amongst children, "she said.

Socialist feminism. with takes into account the intrinsic differences between men and women, is the call of the hour, Ms Lerman belives. We have has an excess of the American dream - of a husband who works, a house in the suburbs, two children, two cars and a mother who stays at home and bakes cookies.

With the family structure falling apart, she feels thtat only government support in the form of day-care centres, maternity leave benefits and subsidies to override the economic limitations of single women can hold hte social fabric together. "Otherwise our victories will be merely pyrrhic victories". She predicts. Similar perhaps to the freedom experienced on teh funeral pyre.

The Time of Aindia, New Delhi, April 30, 1987.

پالتی ہیں۔اگرچہ ۹۶ فی صد کام کرنے والی عورتوں کے یہاں بچے ہیں ان میں سے صرف ۶۷ فی صد اس اندیشہ کے بغیر زچگی کی چھٹی سے فائدہ اٹھاپاتی ہیں کہ اس سے ان کی ملازمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔تاہم سینیرٹی کا نقصان انھیں ہمیشہ اٹھانا پڑتا ہے۔زچگی اور بچوں کی پرورش تنخواہوں میں زبردست فرق کا سبب ہیں۔ معاشی حقیقت روحانی برابری سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔آزادی نسواں کے علم بردار

وں نے جنسی برابری اور اسقاط کے حق کے لیے شور وغل کیا اور اس کو حاصل کر لیا، وہ اس معاشی تباہی کا اندازہ نہ کر سکے جو اس کے بعد آنے والی تھی۔

انقلابی نسوانی تحریک کے تحت عورت اور مرد برابر مان لیے گئے ہیں۔ مگر عورت کو اس کے حیاتیاتی فرق کی کوئی رعایت نہیں ملی۔ مثال کے طور پر، امریکہ میں ہر دو شادی میں سے ایک شادی طلاق پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بچہ کی پرورش کی ذمہ داری تنہا عورت پر آ جاتی ہے۔ نفقہ اور گزارہ محض لفظی قوانین ہیں وہ بہت ہی کم عمل میں آتے ہیں۔ صرف ۵۰ فی صد تک ایسے مرد ہیں جو گزارہ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف پہلے سال تک۔ بعد کے سالوں میں پورا بوجھ صرف ماں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اس طرح زندگی کا معیار ایک مطلقہ عورت کے لیے ۷۳ فی صد تک گھٹ جاتا ہے۔ اور مرد کا اس کے مقابلہ میں ۴۲ فی صد بڑھ جاتا ہے۔ اس قسم کی اکیلی زندگی کو مغرب میں مونو پرینٹ (Monoparent) کہا جانے لگا ہے۔

ایسے گھروں کی تعداد بڑھ رہی ہے جن میں صرف عورت ذمہ دار ہو اور وہ تنہا ماں اور باپ دونوں کا کردار ادا کرے۔ چنانچہ اگلے دس برسوں میں ۴۰ یا ۵۰ فی صد بچے وہ ہوں گے جو ایسے گھروں میں پرورش پائیں گے جن کی ذمہ دار صرف عورت ہو۔ یہ ایک غیر صحت مندانہ مظہر ہے جس کے نتیجہ میں بچوں میں خودکشی کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ خاندانی نظام میں انحصار کے فقدان کی وجہ سے خودکشی بچوں کی خصوصیت بن رہی ہے۔

اشترا کی نسوانیت جو کہ مرد اور عورت کے درمیان پائے جانے والے ناگزیر فرق کو ملحوظ رکھتی ہے آج وقت کی پکار ہے۔ امریکی زندگی کے بارہ میں (ابتدائً) ہمارا ایک بڑھا ہوا خواب تھا۔ ایک شوہر جو کام کرے، شہر کے کنارے ایک مکان، دو لڑے، دو کاریں اور ماں جو گھر پر ہے اور کیک بنائے (مگر آزادی نسواں کی تحریک نے اس خواب کو منتشر کر دیا۔)

خاندانی نظام کے ٹوٹنے کے بعد صرف حکومت کی مدد ہی مسئلہ کو حل کر سکتی ہے۔ حکومت کی طرف سے بچوں کی نگہداشت کے لیے مراکز ہوں۔ زچگی کی چھٹی کی سہولت ہو اور تنہا عورت کی معاشی کمیوں کی تلافی کے لیے اس کو مدد دی جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہماری فتوحات جھوٹی فتوحات بن کر رہ جائیں گی یا ویسی ہی آزادی جس کا تجربہ چیتا کے اوپر ہوتا ہے۔

امریکہ کی خاتون لیڈر نے مذکورہ بیان میں اعتراف کیا ہے کہ تحریک نسواں کی کامیابیاں پرک فتوحات (Pyrrie Victories) بن کر رہ گئی ہیں۔ تیسری صدی قبل مسیح میں ایک یونانی بادشاہ تھا جس کا نام پرہس تھا۔ اس نے ۲۸۱ ق م میں اٹلی پر حملہ کیا لمبی جنگ کے بعد اس کو فتح حاصل ہوئی۔ مگر فتح تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنا سب کچھ کھو چکا تھا چنانچہ بعد کو ۲۷۵ ق م کی جنگ میں اس کو دوبارہ شکست ہوئی۔ ۲۷۲ ق م میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ پرک وکٹری اس کی طرف منسوب ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ ایسی فتح جو بربادی لے کر آئے۔

یہ صحیح ترین لفظ ہے جو جدید عورت کی فتح کے بارہ میں بولا جا سکتا ہے۔ جدید عورت نے لمبی جدوجہد کے بعد مساوات حاصل کی۔ مگر اس خیالی مساوات کو حاصل کرنے تک وہ اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔ مذکورہ خاتون کا کہنا ہے کہ مغربی عورت کی محرومی کی تلافی کی اب صرف ایک صورت ہے۔ یہ کہ حکومت اس کی سرپرست بن جائے۔ وہی حکومت جو آج بھی پوری طرح مردوں کے قبضہ میں ہے۔ گھریلو مرد کی سرپرستی پر عورت راضی نہ تھی۔ اس کی قیمت میں عورت کو حکومتی مرد کی سرپرستی پر راضی ہونا پڑا۔

دو مثالیں ::

آزادی کے مصنوعی تصور نے مغربی گھروں میں جو مسائل پیدا کیے ہیں۔ ان کا تعلق صرف نچلے یا درمیانی طبقہ کے لوگوں سے نہیں ہے۔ اس کے برے اثرات

اونچے خاندانوں اور نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں تک پہنچتے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں ہم دو مثالیں نقل کریں گے۔

حال میں آئن سٹین کے کچھ خطوط ملے ہیں۔ یہ خطوط اس نے ایک عورت (میلوا میرک) کے نام لکھے تھے جو بعد کو اس کی پہلی بیوی بنی۔ یہ خطوط ان کے تعلقات کی خوشی اور غم کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ یہ خطوط آئن سٹین کی تحریروں کے مجموعہ کے لیے مواد کی تلاش کے دوران حاصل ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا نام ہے۔

The Collected Papers of Albert Einstein

میلوا میرک (Mileva Maric) کی عمر آئن سٹین سے چار سال زیادہ تھی۔ خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً آئن سٹین کی ماں اس کا رشتہ پر راضی نہ تھی جس کی بنا پر انہیں مایوسی اک صدمہ اٹھانا پڑا۔ بعد کو آئن سٹین اور میلوا کا نکاح ہوا۔ تاہم نکاح سے پہلے انکے یہاں ایک لڑکی پیدا ہو چکی تھی۔ اس بات کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے کہ لڑکی کے ساتھ کیا پیش آیا۔ بظاہر وہ آئن سٹین کے ساتھ کبھی نہیں رہی۔ آئن سٹین اور مس میرک کی ملاقات ۱۸۹۶ میں فیڈرل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (زیورک) میں ہوئی تھی۔ ان کا نکاح جنوری ۱۹۰۳ میں ہوا۔ یہ شادی کامیاب نہ ہو سکی اور ۱۹۱۹ میں ان کے درمیان طلاق ہو گئی۔

They were married in January 1903,
and their marriage ended in divorce in 1919.
The Times of India May 5, 1987

دوسری شادی موجودہ برطانی ولی عہد چارلس کی ہے۔ مسز پینی جونز نے حال میں پرنس چارلس کی سوانح عمری شائع کی ہے۔ اس میں وہ کہتی ہیں کہ پرنس چارلس نے ایک غلط عورت سے شادی کی۔ اس سلسلہ میں بی بی سی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پرنس چارلس ایک غم زدہ شخص ہیں۔ وہ زمین پر بالکل تنہا ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک بیوی سے جو مدد

Charles, Diana Misfits
Prince Charles, heir to the British throne,

married the worng woman, said his biographer, Mrs Penny Junor in a recent interview with the BBC. Charles, she said, was a sad character with the loneliest position on earth. He did not have the support he should have from a wife. Prince Charles and Princess Diana were growing more and more apart. Mrs Junor said she had drawn her conclusions after talking to people who were close to him. "The palace has seen what I have written and the conclusions I have come to . No one has told me that I am on the wrong lines.

ملنی چاہیے وہ انہیں حاصل نہیں۔شہزادہ چارلس اورشہزادی ڈائنا ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے جا رہے ہیں۔مسز جونر نے کہا کہ انہوں نے یہ نتیجہ ان لوگوں سے بات کرکے حاصل کیا ہے جوشہزادہ سے بہت قریب ہیں۔میں اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اور جونتیجہ نکالا ہے اس کوشاہی محل دیکھ چکا ہے۔محل کے کسی آدمی نے نہیں کہا کہ میں غلط راستہ پر ہوں۔

(ٹائم (نیو یارک) نے ۱۱ مئی ۱۹۸۷ء، ٹائمس آف انڈیا، ہندوستان ٹائمس ۲۹ اپریل ۱۹۸۷)

نا قابل اعتماد کردار::

ٹائم (نیو یارک) نے اپنے شمارہ ۲۵ مئی ۱۹۸۷ میں پنٹا گون سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کا عنوان ہے۔جنس کاتعلق رازداری سے:

Miscing Sex and Secrets

اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکی ادارہ پنٹا گان ۲۷ ملین لوگوں کے جنسی اعمال کی بابت محکمہ دفاع کے سیکورٹی کلیرنس کے معاملہ میں پریشان ہے۔جنوری ۱۹۸۷ میں پنٹا گون نے اپنے ضوابط کی توسیع کرتے ہوئے فوج کے لوگوں،شہری کارکنوں اورٹھیکہ کے ملازموں پر یہ شرط عائد کردی ہے کہ وہ کلیرنس کے تحت یہ

بتائیں کہ کیا ہو جنسی اعمال مثلاً زنا، اغلام اور محرمات کے ساتھ مباشرت میں مبتلا رہے ہیں۔ان قوانین کا مقصد یہ اطمینان حاصل کرنا ہے کہ وہ لوگ جن کی پہنچ حکومت کے رازوں تک ہے ان میں یہ کمزوری نہیں ہے کہ ان کو بلیک میل کیا جا سکے:

> Teh Pentagon has been freeting about the sexual practices fo the 2.7 million people with Defence Department security clearances in January (1987) the Pentagon expanded its rules to compel service personnel, civilian workers and contract employees with cleareances to divulge workers and contract employees with clearances divulge whether they have engaged in such sexual acts as adultery, sodomy and incest. The rules are intended to ensure that those with access to secrets are not vulnerable to blackmail (p.29).

وہ خدا کے نزدیک بڑے ہو سکتے ہیں۔مگر انسانی معاملات میں ان سے کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔مگر تجربات نے بتایا کہ جو شخص جنسی تعلق کے معامہ میں نکاح کے حدوس کا پابند نہ ہو وہ ایک نا قابل اعتماد شخص بن جاتا ہے۔اس کے اندر ایک ایسا اخلاقی رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے داخل ہو کر دشمن ہمارے نازک ترین رازوں تک پہنچ جائے۔

ایک مثال::

مسٹر گاری ہارٹ (Gary Hart) امریکہ کے صدارتی الیکشن (۱۹۸۷) کے لیے ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار تھے۔تمام اندازوں کے مطابق ان کی کامیابی یقینی تھی۔مگر اس درمیان میں ایک واقعہ ہوا۔اس کے بعد امریکہ میں اتنا طوفان اٹھا ہارٹ کو صدارت کے مقابلہ سے استعفا دینا پڑا۔

۵۰ سالہ مسٹر ہارٹ الیکشن کی مہم میں مصروف تھے۔اس کے لیے انہوں نے ایک

ملین ڈالر سے زیادہ قرض لیا تھا۔اس درمیان میں ہفتہ کا آخری دن گزارنے کے لیے یکم مئی کو وہ خاموشی کے ساتھ میامی پہنچے۔ یہاں انہوں ایک ۲۹ سالہ ایکٹرس مس ڈونا رائس(Donna Rice) کے ساتھ ایک دن اور ایک رات گزاری۔اس کی خبر ایک امریکی اخبار میامی ہیرالڈ(The Miami Herald) کو ہوگئی۔اس نے اپنی ۳ مئی ۱۹۸۷ کی اشاعت کے صفحہ اول پر یہ کہانی حسب ذیل سنسنی خیز سرخی کے ساتھ چھاپ دی:

Miami woman is linked to Hart.

اس کے فوراً بعد ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات ہرجگہ اس کا چرچہ ہونے لگا۔مسٹر ہارٹ کی تصویریں مس ڈونا رائس کے ساتھ چھپنے لگیں۔مسٹر ہارٹ جہاں جاتے وہاں ان سے پوچھا جاتا کہ کیا وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں۔مسٹر ہارٹ عوامی عدالت میں زنا کاری کے ملزم کی حیثیت سے کھڑے کردیئے گئے۔

Hart stood inthe public dock accused of adultery (p.6).

میامی ہرالڈ میں اگر یہ خبر چھپتی کہ مسٹر ہارٹ فلاں مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ رات بھر رہے تو کوئی اس پر دھیان نہ دیتا۔مگر اخبار نے جب یہ خبر چھاپی کی مسٹر ہارٹ نے میامی کے فلاں مکان میں ایک غیر عورت کیساتھ رات گزاری تو ہرطرف ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔یہ واقعہ اس بات کا تجرباتی ثبوت ہے کہ غیر عورت کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا فطرت انسانی کے خلاف ہے۔اگر یہ فعل انسانی فطرت کے خلاف نہ ہوتا تو ہنگامہ کرنے والے کبھی اپنے منصوبہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔

مسٹر ہارٹ نے اس مصیبت سے بچنے کے لیے اپنی ساری ذہانت صرف کی دی۔ پہلے انہوں نے انکار کیا۔پھر ٹالنے والے جوابات دیتے رہے۔انہوں نے اپنی بیوی لی ہارٹ(Lee Hart) کو راضی کیا کہ وہ ۱۳۰۰ میل کا سفر طے کر کے ہیم شائر سے ڈنور(Denveer) پہنچیں اور اخبار نویسوں کے سامنے اپنا یہ بیان دیں کہ یہ

بات اگر مجھے پریشان نہیں کرتی۔ تو میں نہیں سمجھتی کہ کسی اور کو اس سے پریشان ہونا چاہیے۔

If it doesn't bother me. I don't think it outht to bothe anyone else (p.e).

تاہم مسٹر ہارٹ کی یہ باتیں امریکی عوام کو مطمئن نہ کرسکیں۔اوپینین پول میں اس سے پہلے امکانی صدر کی حیثیت سے ان کا نام سرفہرست رہتا تھا۔اب پول کے ذریعہ عوام کی پیشگی رائے معلوم کی گئی تو اچانک ان کا نام بالکل نیچے آ گیا۔اس کے بعد مسٹر ہارٹ نے اپنے آپ کو ملک میں تنہا پایا۔

And in teh end he found himself alone (p.10).

ٹائم (۱۸ مئی ۱۹۸۷) کے ہم معنی بن گیا۔۳ مئی کو اس معاملہ کا انکشاف ہوا اور صرف پانچ دن بعد ۸ مئی کو انہوں نے الفاظ کے ساتھ صدارتی مقابلہ سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔

I was withdrawing from the race, and then quietly disappear form the stage (p.6).

ٹائم نے اس سلسلہ میں اپنی طویل رپورٹ کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا ہے کہ امریکی اب اپنے لیڈروں کے بارہ میں وہی گہری معلومات جاننا چاہتے ہیں جو کسی وقت کلارک گیبل (ایکٹر) اور ایلزبتھ ٹیلر (ناول نگار) کی رومانیت کے لیے مخصوص تھیں۔ہتھیاروں کے کنٹرول کے مسائل سے نبرد آزما ہونے اور معاشی مسائل سے نمٹنے سے زیادہ امریکی عوام ایسے افراد چاہتے ہیں جن پر وہ بھروسہ کرسکیں۔جن کا فیصلہ اور جن کی دیانت داری ان کے لیے اطمینان بخش ہو۔

Americans now demand the same intimate knowledge about their leaders that once was reserved for the romantic entaglements of Clark Gable or Elizabeth Taylor. Rather than wrestling with the complexities of arms control and a troubled economy, the public tends to look for personalities they can trust, whose

judgement and itegrity make them feel comfortable (pp.7-8).

یہی بات سابق امریکہ لنڈن جانسن کے پریس سکریٹری جارج ریڈی (George Reedy) نے اس طرح کہی کہ صدارت کے امیدوار کے لیے جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ اس کا کیرکٹر ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ عورتوں کے ساتھ اس کے تعلق کے معاملہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس عہدہ پر ایک ایسا آدمی ہوتا ہے جو آپ سے کہتا ہے کہ آپ اپنے بنک اکاؤنٹ کے معاملہ میں اس پر بھروسہ کریں، اسی طرح آپ کے بچوں، آپ کی زندگی اور آپ کے ملک کے معاملہ میں بھی چار سال تک۔ اگر خود اس کی اپنی بیوی اس پر اعتماد نہ کرسکے تو یہ بات کس چیز کا پتہ دیتی ہے:

What counts with a candidate for President is his character, and nothing shows it like his relationship with women. Here you have a man who is asking you to trust him with your bank account, your children, your life and your country for four years. If his own wife can't trust him, what does that say? (p.15).

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے کہ وہ نکاح کے دائرہ سے باہر جنسی تعلق قائم کرے، وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے اندر ذہنی ڈسپلن نہیں ہے۔ وہ اپنے جذباتی محرکات پر قابو رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایسا شخص اپنے کردار کے اعتبار سے ہرگز اعتبار کے قابل نہیں۔ اس کے اندر ایک ایسی نفسیاتی کمزوری ہے جس کی بنا پر شدید اندیشہ ہے کہ وہ اپنی کسی ذاتی خواہش کے لیے بڑے سے بڑے قومی مفاد کو قربان کردے۔ ایسا شخص عام زندگی میں بھی بھروسہ کے قابل نہیں، کجا کہ ریاست کے اعلیٰ منصب کے لیے اس پر بھروسہ کیا جائے۔

تجربات بتاتے ہیں کہ جنسی تعلقات کے معاملہ میں خدائی حد کو توڑنا سادہ معنوں میں صرف ایک مذہبی برائی نہیں ہے، وہ مہلک قسم کی سماجی برائی بھی ہے۔ وہ صرف ایک گناہ نہیں، وہ ایک جرم بھی ہے، بلکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے سب سے بڑا

جرم۔

اجرتی ولادت::

جدید دور نے جو چیزیں پیدا کی ہیں۔ان میں سے ایک وہ ہے جس کو نیابت مادری (Surrogacy) کہا جاتا ہے۔اعداد وشمار سے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ میں ۱۹۷۶ سے ۱۹۸۶ تک مصنوعی عمل (Artificial insemination) کے ذریعہ ۵۰۰ لڑکے پیدا کیے جا چکے ہیں۔امریکہ میں اس وقت تقریباً ایک درجن اس قسم کے مراکز (Surrogate centres) کام کر رہے ہیں۔ان مراکز میں مزید اضافہ کا امکان ہے۔کیونکہ امریکہ میں تقریباً ۱۵ فی صد شادی شدہ افراد طبی طور پر غیر زرخیز (Infertile) ہیں۔(ٹائم ۱۹ جنوری ۱۹۸۷)

مسٹر ولیم اسٹرن اور ایلزبتھ اسٹرن کے یہاں اولاد نہیں تھی۔انہوں نے طے کیا کہ وہ کسی خاتون کو معاوضہ دے کر اس کے رحم کو استعمال کریں گے اور اپنے لیے ایک بچہ حاصل کریں گے۔۱۹۸۵ میں ۱۰ ہزار ڈالر ادا کر کے انہوں نے میری بیتھ وہائٹ ہیڈ (Mary Beth Whitehead) سے معاہدہ کیا۔اس کے رحم میں مسٹر اسٹرن کا مادہ بذریعہ انجکشن داخل کر دیا گیا۔اس عمل کے ذریعہ ایک بچی (Baby M) پیدا ہوئی۔اب مسز وہائٹ ہیڈ کی ممتا جاگ اٹھی۔اس نے بچی کو مسٹر اسٹرن اور مسز اسٹرن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔یہ معاملہ عدالت تک پہنچا۔عدالت نے اس کو معاہدہ (Contract) کا معاملہ قرار دے کر بچی کو مسٹر اسٹرن کے حوالے کیے جانے کا فیصلہ کیا۔وہ پانچ پولیس کے آدمیوں کو لے کر مسز وہائٹ ہیڈ کے گھر آئے تو خاتون بچی کو لے کر گھر کے پچھلے دروازے سے بھگ گئی۔تاہم وہ دوسرے شہر میں پکڑی گئی اور آخر کار بچی اسٹرن اور مسز اسٹرن کے حوالے کر دی گئی۔

اب امریکہ میں اس پر اخلاقی بحثیں شروع ہو گئی ہیں۔نیو جرسی کے بشپ نے اس

پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مادری نیابت کا طریقہ بچہ کو محض ایک سودا بنادیتا ہے اور عورت کو محض ایک بچہ ساز:

> Surogacy expolits a child as a commodity and exploits a woman as a baby -maker (46).

دوسری طرف جو عورت دوسرے شخص کے لیے بچہ پیدا کرتی ہے وہ خود سخت قسم کی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی ایک عورت ایلز بتھ کین (Elizabeth Kane) نے کہا کہ مجھے اپنے بچہ کی یاد ستاتی ہے۔ ان احساسات کو دبانے کے لیے مجھے برسوں کی مدت درکار ہوگی:

> I miss my baby. I had to suppress those feelings for years.

جنسی آزادی کا غیر فطری نظریہ جو غیر فطری مسائل پیدا کرتا ہے، مذکورہ واقعہ اس کی صرف ایک جزئی مثال ہے۔

ترقی کے بجائے تنزل::

امریکی میگزین ٹائم کی اشاعت ۲۹ دسمبر ۱۹۸۶ ایک اسپیشل نمبر تھی جس کو اس نے ۲۰۸۶ کے نام ایک (A Letter To The Year 2086) کا عنوان دیا تھا۔ اس شمارے میں مختلف پہلوؤں سے امریکہ کا حال آنے والی صدی کو بتایا گیا تھا۔ اس کا ایک جز خاندان کے احوال کے بارہ میں بھی تھا۔ اس میں جو احوال لکھے ہوئے تھے۔ اس کا ایک حصہ یہ تھا:

> The American family, not 50 years ago the rock on which the country built its church, has fractured into atoms with separate orbits. The American woman, having shunned motherhood and housewifehood 15 years ago to establish herself in the labor market, now seeks to balance all three lives like dinner plates on sticks. The American man finds himself in new and scary territory and scrambles for adjustment. When the American man and

> woman part company, as half the newly married couples are expected to do these days, the American child is suddenly stranded, growing taller without a structure (pp. 20-21).

پچاس سال پہلے امریکی خاندان ایک چٹان تھا جس پر ملک نے اپنا معبد تعمیر کیا تھا۔اب وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔امریکی عورت نے مادری ذمہ داری اور گھر سنبھالنے کی ذمہ داری کو پندرہ سال پہلے چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ روزگار کے بازار میں اپنی جگہ بنا سکے۔اب وہ تینوں ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے نازک کام کی کوشش کر رہی ہے۔امریکی مرد اپنے آپ کو ایک نئی سخت دنیا میں پا رہا ہے اور بمشکل ہم آہنگی کی کوشش کر رہا ہے۔ جب امریکی مرد اور عورت ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔جیسا کہ شادی شدہ جوڑوں کی نصف تعداد آج کل کرتی ہے،تو امریکی بچہ اپنے سرپرستوں سے محروم ہو کر ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر پروان چڑھ رہا ہے۔

بیسویں صدی کے آخر میں پہنچ کر امریکہ کا دانشور طبقہ اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں پہنچ کر امریکہ نے جس چیز کو ترقی کا زینہ سمجھ کر اختیار کیا تھا، وہ اس کے لیے صرف بربادی کا زینہ ثابت ہوا ہے۔عورت کو گھر سے باہر نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کا خاندانی نظام بالکل منتشر ہو کر رہ گیا۔مزید یہ کہ عورت کو ''آزاد'' کرانے کا خوش نما منصوبہ عملاً ازدواجی زندگی کو غیر مستحکم بنانے کا ذریعہ ثابت ہوا، اور اس کے نتیجہ میں بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔

اب امریکہ میں اس سابقہ فکر پر نظر ثانی کا ذہن پید ہو رہا ہے۔مگر جدید عورت چونکہ دوبارہ گھریلو عورت بننے کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے جو عورت نئی زندگی کو اختیار کرتی ہے۔اس کے حصہ میں صرف یہ آرہا ہے کہ وہ باہر کی ذمہ داریوں کے ساتھ گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے۔کیسی عجیب ہے وہ ترقی جس کا نتیجہ بربادی کی صورت میں ظاہر ہو۔کیسی عجیب ہے وہ آزادی جو عملاً غیر آزادی بن

جائے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب دوم

قرآن وحدیث::

قرآن وحدیث میں نہایت تفصیل کے ساتھ عورت کے متعلق احکام ہیں، نیز عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کے بارہ میں واضح تعلیمات درج ہیں۔ یہاں ان میں سے کچھ آیتیں اور حدیثیں مع ترجمہ نقل کی جاتی ہیں۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھو شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔ (النساء ۱۹)

اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزر کرو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند ہو مگر اللہ نے اس میں تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف و للرجال علیھن درجة واللہ عزیز حکیم (البقرہ ۲۲۸)

اور عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر وہی ہے جو مردوں کے لیے ہے۔ اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ اور اللہ غالب ہے۔ حکیم ہے۔

(النساء۷)

مردوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا۔ اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصہ مقرر ہے۔

(الروم ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔

(المومن ۴۰)

جس نے برا عمل کیا اس کو اسی بقدر بدلہ ملے گا۔ اور جس نے نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو۔تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔وہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔

(النساء ۱۲۴)

اور جو کوئی نیک عمل کرے گا، وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو۔تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

(نحل۔۹۷)

اور جو کوئی نیک عمل کرے گا۔خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو جلائیں گے اچھا جلانا اور ان کو اجر دیں گے۔ان کے بہترین عمل کے مطابق جو وہ کرتے تھے۔

(التوبہ۔ ۷۱)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔ اللہ عزیز و حکیم ہے۔

(آل عمران ۔۱۹۵)

پس ان کے رب نے ان کو جواب دیا کہ میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گیے اور میری راہ میں ستائے گئے اور وہ لڑے اور مارے گئے۔ان کی خطائیں ضرور میں ان سے دور کردوں گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔یہ ان کا بدلہ ہے

اللہ کے یہاں اور بہترین بدلہ اللہ ہی کے پاس ہے۔

احادیث ::

عورتوں کی عزت وہی شخص کرے گا جو شریف ہو اور عورتوں کو وہی شخص بے عزت کرے گا جو کمینہ ہو۔

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے اچھا ہوں ۔

کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کوئی خصلت اس کو ناپسند ہوگی تو کوئی دوسری خصلت اس کی پسند کے مطابق ہوگی۔

مومنین میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔ اور تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے اچھا ہو۔

ایک حدیث میں اچھی عورت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا۔ سب سے بہتر عورتیں کون ہیں۔فرمایا وہ عورت کہ مرد جب اسے دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے۔ اور مرد جب کسی کام کے لیے کہے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اپنے نفس اور اپنے مال میں وہ مرد کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرے۔

عورت کو اسلام میں کتنا با عزت مقام دیا گیا ہے۔اس کا اندازہ حسب ذیل روایات سے ہوتا ہے۔

دنیا کی ہر چیز سامان ہے۔اور دنیا کا سب سے اچھا سامان نیک عورت ہے۔

کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ آدمی کے لیے بہتر جمع کرنے والا مال کیا ہے۔ نیک عورت کہ جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے۔ اور جب وہ اس کو حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جب وہ موجود نہ ہو تو وہ اس کی حفاظت کرے۔

قرآن میں جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں ان کے لیے وعید ہے تو بعض صحابہ نے کہا کہ اگر ہم یہ جانتے کہ کون سا مال بہتر ہے تو ہم اسی کو لیتے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل چیز خدا کی یاد کرنے والی زبان ہے۔اور خدا کا شکر کرنے والا دل ہے۔اور مومن بیوی ہے جو اس کی ایمان پر اس کی مدد کرے۔

اللہ کے تقویٰ کے بعد سب سے بہتر چیز جو ایک مومن پاتا ہے وہ نیک بیوی ہے۔ اگر وہ اس کو کوئی حکم دے ت وہ اس کی اطاعت کرے۔اور اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے۔اور اگر وہ اس پر قسم کھائے تو وہ اس کو پورا کرے اور اگر وہ اس سے غائب ہو تو وہ اپنے نفس اور اس کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے۔

چار چیزیں ہیں جن کو وہ دی گئیں تو اس کو دینا اور آخرت کی تمام بھلائی دیدی گئی۔ شکر کرنے والا دل اور ذکر کرنے والی زبان اور مصیبتوں پر صبر کرنے والا بدن اور ایسی بیوی جس کے نفس اور اپنے مال میں اس کو کوئی ڈر نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم لوگ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیوں کہ وہ بھی تم سے وہی چاہتی ہیں جو تم ان سے چاہتے ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ کیوں کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا اس کی اوپر کے حصہ میں ہوتی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو تو تم اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اسکو چھوڑ دو تو وہ ویسی ہی رہے گی پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی میری نصیحت قبول کرو۔

مجھے تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے خوشبو اور عورتیں محبوب بنائی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

عورتیں مردوں کی نصف ثانی ہیں۔

تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے اچھے ہیں۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں۔

جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

جس شخص نے تین لڑکیوں کی پرورش کی پھر ان کو ادب سکھایا اور ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے، جس شخص کے یہاں لڑکی ہو پھر وہ نہ اس کو زمین میں گاڑے اور نہ اس کی تحقیر کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ افضل صدقہ کیا ہے۔تمہاری لڑکی جو (بیوگی یا طلاق کی وجہ سے) تمہاری طرف لوٹا دی جائے۔ تمہارے سوا کوئی اس کا کمانے والا نہ ہو۔

اللہ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعہ کچھ آزمائے پھر وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے آگے سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

مومنہ کی صفات

مرد اور عورت کی باہمی حیثیت کو سمجھنے کے لئے قرآن کی اس آیت پر غور کیجیے۔

اس آیت میں عورت اور مرد کے لیے بعضکم من بعض کا لفظ آیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا جز ہو۔

You are members , one of another.

یہ مرد اور عورت کی حیثیت کے بارہ میں نہایت جامع بیان ہے۔ اس بات کو اگر لفظ بدل کر کہنا ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے شریک حیات ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کا حصہ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے برابر کے ساتھی ہیں۔ حیاتیاتی اعتبار سے اگرچہ دونوں کی صنف ایک دوسرے سے مختلف ہے، ایک صنف مذکر ہے، اور دوسری صنف مونث، مگر انسانی مرتبہ کے لحاظ سے دونوں بالکل یکساں ہیں۔ جو درجہ ایک کا ہے وہی درجہ دوسرے کا ہے۔ حقوق کے اعتبار سے دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں۔

یہی بات حدیث میں ایک اور انداز سے واضح کی گئی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتیں مردوں کا شقیقہ ہیں۔ (انما النساء شقائق الرجال) شق یشق کے اصل معنی ہیں پھاڑنا۔ ایک لکڑی کو درمیان سے پھاڑا جائے تو وہ دو برابر حصے میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس اعتبار سے شقیق کے معنی ہوئے دو حصوں میں پھٹی ہوئی چیز کا آدھا حصہ۔ چنانچہ کسی چیز کے نصف اور یہ یقیناً زیادہ صحیح اور سائنسی تعبیر ہے۔ اسی ایک لفظ سے عورت کے بارہ میں اسلام کے پورے نقطہ نظر کو سمجھا جا سکتا ہے۔ زیر نظر کتاب گویا حدیث کے اسی بیان کی تفصیل ہے۔

تقسیم کار کا اصول::

اسلام نے سماجی زندگی میں صنفوں کے عمل کے درمیان ایک حد تک تقسیم کار کا اصول اختیار کیا ہے۔ مرد کی سرگرمیوں کا دائرہ بنیادی طور پر باہر ہے اور عورت کی

سرگرمیوں کا دائرہ بنیادی طور پر اندراس تقسیم کا کوئی بھی تعلق امتیاز سے نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ دونوں کی صنفی خصوصیات مجروح نہ ہوں۔ دونوں اپنی پیدائش صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں لاسکیں۔بغیر اس کے کہ خاندان یا سماج کے اندرکوئی رخنہ واقع ہو۔ بالفاظ دیگر، یہ فرق انتظام کی بنیاد پر ہے، نہ کہ اعزاز کی بنیاد پر۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں مغفرت کے لئے جو چیزیں درکار ہیں وہ عورتوں کے لئے بھی وہی ہیں جو مردوں کے لئے ہیں۔ آخرت کی نجات کا مستحق بننے کے لئے عورتوں کو بھی وہی کرنا ہے جو مردوں کو کرنا ہے۔

دنیا میں زندگی کا انتظام چلانے کے لئے عورت اور مرد کے اندر حیاتیاتی فرق رکھا گیا ہے۔اس اعتبار سے بعض امور دونوں کے حدود کار ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتے ہیں تاہم خدا کی رضا اور آخرت کی نجات حاصل کرنے کے لئے جو بنیادی شرط درکار ہے وہ ایک صنف کے لئے بھی وہی ہے جو دوسری صنف کے لئے ہے۔

اسلام کا آغاز حقیقتہً خدا کی شعورتی دریافت سے ہوتا ہے جس کو ایمان کہتے ہیں۔ یہ ایمان اگر حقیقی ہوتو اس کے بعد لازماً ایسا ہوتا ہے کہ مرد یا عورت خدا کے آگے جھک پڑتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان کا اثاثہ خدا کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ خدا کی خاطر وہ صبر کرنے والے بن جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ چھوڑ دیتے ہیں اور سچ بولنے والے بن جاتے ہیں۔

وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں سال کے ایک مہینہ میں کھانا پینا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات پر کنٹرول کرتے ہیں۔ اپنی عبدیت کا شعور اور خدا کی معرفت ان کا یہ حال کر دیتی ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر موقع پر خدا کو یاد کرتے رہیت ہیں۔

آیات قرآن::

یہی وہ چیزیں ہیں جو خدا کو ہر فرد کے اندر درکار ہیں۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

قرآن میں یہ بات مندرجہ ذیل الفاظ میں ملتی ہے۔

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں اِن سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے“

اس آیت میں وہ تمام بنیادی صفات بتادی گئی ہیں جو اس مرد یا عورت میں ہونی چاہیں جو اللہ کے یہاں اس کے مقبول بندوں میں شامل ہونا چاہیے۔

اسلام ۔۔۔۔پہلی چیز اسلام بتائی گئی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا نفس اللہ کی اطاعت پر راضی ہونا جائے۔ وہ اللہ کے احکام کی پیروی میں اپنی زندگی گزارنے لگے۔

ایمان ۔۔۔۔۔اس سے مراد وہ شعور یافت ہے جب کہ آدمی خدا کو اپنے خالق اور معبود کی حیثیت سے پالے۔ جب آدمی کا فکر خدا کے فکر میں ڈھل جائے۔ جب آدمی اس یقین تک پہنچ جائے کہ سب سے بڑی حقیقت وہی ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ انسان کے لئے ظاہر کی ہے۔

قنوت ۔۔۔۔یعنی مخلصانہ فرماں برادری۔اس سے مراد یہ ہے کہ ذہن کی پوری یکسوئی اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ اس طریقہ کو اختیار کرلیا جائے۔ جو خدا اور رسول نے بتایا ہے۔

صدق ۔۔۔۔۔اس سے مراد قول اور عمل کی مطابقت ہے۔ یعنی وہی کہنا جو

آدمی کرنے والا ہوا اور وہی کرتا جو اس نے اپنی زبان سے کہا ہے۔ لوگوں کے درمیان وہ ایک صاحب کردار انسان کی حیثیت سے زندگی گزارے۔

صبر۔۔۔ یعنی دین کے احکام پر چلنے کے لئے اگر تکلیفیں اٹھانی پڑیں تب بھی اس سے نہ ہٹنا۔ نفس اور شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے دینی تقاضوں پر قائم رہنا۔ غیر خدائی محرکات کی بناء پر خدائی راستہ کو چھوڑنا۔

خشوع۔۔۔ اس کا مفہوم تواضع اور خاکساری ہے۔ یہ کیفیت وہ ہے جو خدا کی بڑائی اور اس کے کامل اختیار کے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے اوپر سب سے زیادہ جو چیز چھائی ہوئی ہوتی ہے وہ خدا کا خوف ہے۔ یہ احساس ان کو خدا کے آگے بالکل جھکا دیتا ہے۔ اور دوسرے انسانوں کے سامنے بھی ان کو متواضع اور مہربان بنا دیتا ہے۔

صدقہ۔۔۔ یعنی وہ اپنے مال میں سے بندوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ جس طرح اپنی ضرورت کا احساس انہیں اپنے اوپر خرچ کرنے پر مجبور کرتا ہے اسی طرح وہ دوسرے حاجت مندوں کی امداد سے بھی بے پروا نہیں ہوتے۔

صوم۔۔۔ یعنی اللہ کے لئے روزہ رکھنا۔ روزہ رکھ کر آدمی اپنے آپ کو اس حالت کی طرف لے جاتا ہے جب کہ وہ خدا کے مقابلہ میں اپنی محتاجی کا تجربہ کرے اور پھر اس رزق پر خدا کا شکر ادا کرے جو خدا نے اس کو اپنے پاس سے عطا کیا ہے۔

حفظ فروج۔۔۔ یعنی عفت اور پاک دامنی کا طریقہ اختیار کرنا اور بے حیائی والے اعمال سے بچنا۔ حیا کا فطری پردہ جو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس کا پورا لحاظ رکھنا۔

ذکر اللہ۔۔۔ خدا کو بہت زیادہ یاد کرنا خدا کی حقیقی دریافت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جو کوئی خدا کو حقیقی طور پر پالیتا ہے اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ ہر موقع پر اس کو خدا یاد آتا ہے وہ دل اور زبان سے بار بار خدا کو یاد کرنے والا بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ التحریم (آیت ۵) میں عورتوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

اس میں تین مزید صفتوں کا ذکر ہے۔توبہ، عبادت، سیاحت،

توبہ۔۔۔۔توبہ کے معنی ہیں لوٹنا۔یعنی غلطی کر کے پلٹ آنا۔یہ مومن اور مومنہ کی نہایت خلوص صفت ہے۔اس دنیا میں ایسے امتحانی اسباب رکھے گئے ہیں کہ آدمی سے بار بار غلطیاں ہوتی ہیں۔ایسے موقع پر یہ ہونا چاہیے کہ نفس کے غلبہ سے آدمی وقتی طور پر غلطی کر جائے۔اس کے بعد خدا کی پکڑ کا احساس اس پر طاری ہو اور وہ فوراً پلٹ کر خدا سے معافی مانگنے لگے۔یہ توبہ اپنے مقابلہ میں خدا کی عظمت کا اعتراف ہے۔وہ اللہ کو بہت پسند ہے۔

عبادت۔۔۔۔عبادت سے مراد وہ عمل ہے جو کسی کی فوق الفطری بڑائی کو مان کر اس کے سامنے کیا جائے۔اسی کو پرستش کہتے ہیں۔اس قسم کی پرستش اللہ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔مومن اور مومنہ کی عبادت صرف خدا کے لئے ہوتی ہے۔

سیاحت۔۔۔۔اس کی بہترین تشریح اس حدیث میں ملتی ہے جو ابو داؤد میں آئی ہے۔

> ''حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اے خدا کے رسول مجھ کو سیاحت (درویشی) کی اجازت دیجیے۔آپ نے فرمایا: میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کوشش کرنا ہے۔''

سیاحت سے مراد اللہ کے راستہ کا وہ عمل ہے جس کی خاطر چلنا پھرنا پڑے۔ مثلاً علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا دین کی خاطر ایک مقام چھوڑ کر دوسرے مقام کی طرف ہجرت کرنا۔نصیحت کی غرض سے فطرت کے مناظر اور تاریخی عبرت کے مقامات کو دیکھنے کے لئے جانا۔اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے دوڑ دھوپ کرنا وغیرہ۔

اوپر جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب وہ ہیں جن کا تعلق کسی خاص صنف سے نہیں

ان کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے۔ یہی چیزیں اسلام کی اصل ہیں اور یہی فلاح ونجات کا ذریعہ ہیں، عورتوں کے لئے بھی اور مردوں کیلئے بھی۔

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کی رائے میں سائحون سے وہ لوگ مراد ہیں جو قرآن کی آیت (الحج ۴۶) کا مصداق ہیں۔

خواتین اسلام کی مثال::

تاہم دین کے معاملہ میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے جس طرح مردوں کے دو درجے ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی دو درجے ہیں۔ایک عام دوسرا خاص۔

عام درجہ وہ ہے جو ہر خاتون کے لئے ہے۔یعنی ذاتی معاملہ میں خدا اور بندوں کے حقوق ادا کرنا۔خدا کے بارے میں عقیدہ کی درستگی۔ خدا کے احکام کی بجا آوری۔ زندگی کے معاملات میں انصاف پر قائم رہنا۔نفسانی محرکات اور شیطانی وساوس کا مقابلہ کرنا۔اپنی ذات اور اپنے مال سے خدا کا حق نکالنا۔ہمیشہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو سامنے رکھنا۔اپنے گھر اور اپنے متعلقین کے درمیان اسلامی اخلاق کے ساتھ رہنا۔معاملات میں ہمیشہ وہ کرنا جو اسلام کا تقاضا ہے۔

عورت کا دوسرا اہم فرض اپنے بچوں کی اصلاح وتربیت ہے۔ہر عورت بالآخر ماں بنتی ہے۔بچہ سے ماں کا اور ماں سے بچہ کا بے حد گہرا تعلق ہوتا ہے۔یہ تعلق بگاڑ کا سبب بھی بن سکتا ہے اور بناؤ کا بھی۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے عورت کا فرض یہ ہے کہ وہ اس تعلق کو صرف بناؤ اور اصلاح کے لئے استعمال کرے۔

تیسری چیز جو ہر عورت کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ اپنے شوہر کے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے مسئلہ نہ بنے۔زندگی میں کیا کیا جائے۔ سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ کیا نہ کیا جائے۔اس معاملہ میں عورتوں سے جذباتی ہونے کی بنا پر کوتاہیاں ہوتی ہیں۔عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ اور اپنے گھر والوں کے ساتھ

غیر ضروری قسم کے مسائل کھڑے کر دیتی ہیں۔اس کی وجہ سے گھر کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ بظاہر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے گھر میں کچھ نہیں۔عورت اگر اتنا کرے کہ وہ گھر کے اندر مسئلہ نہ پیدا کرے تب بھی اس نے بہت بڑا کام کیا۔

اگر عورت کے اندر مزید صلاحیت ہو اور اس کو وسیع تر مواقع حاصل ہوں تو وہ اس کے آگے کا کام بھی کر سکتی ہے جس کو ہم نے خصوصی درجہ کا نام دیا ہے۔اسلامی تاریخ میں اس کی کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہؓ نہایت ذہین خاتون تھیں۔ان کا حافظہ بہت اچھا تھا۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے بھرپور فائدہ استفادہ کیا۔غالباً ان کا حافظہ وہ تھا جس کو موجودہ زمانہ میں عکس حافظہ (Photographic memory) کہا جاتا ہے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی باتوں کو اچھی طرح یاد رکھا۔وہ چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں بہت کم عمر تھیں اس لئے آپ کی وفات کے بعد تقریباً ۵۰ سال تک زندہ رہیں۔وہ امت کے لئے ایک زندہ ٹیپ ریکارڈر ثابت ہوئیں۔اور آپ کی وفات کے نصف صدی بعد تک آپ کی باتیں لوگوں کو سناتی رہیں۔عبداللہ ابن عباس صحابہ کے درمیان بہت بڑے عالم تھے۔وہ حبر الامتہ کہے جاتے ہیں۔اور قرآن کی تفسیر میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ یہ عبد اللہ بن عباس حضرت عائشہؓ کے شاگرد تھے۔انہوں نے علم دین زیادہ تر حضرت عائشہؓ سے سیکھا۔اسی طرح بہت سے صحابہ و تابعین آپ سے علم دین سیکھتے رہے۔اس مثال میں ایک اسلامی خاتون علم دین میں مہارت پیدا کر کے لوگوں کی رہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مہر کی مقدار کم ہوتی تھی۔بعد کو جب فراخی کا دور آیا تو لوگ مہر کی رقم زیادہ مقرر کرنے لگے۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت

میں ایک بار منبر پر آئے اور تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ چار سو درہم ہم مہر پر کس نے زیادتی کی۔ رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کے اصحاب کا مہر آپس میں چار سو درہم یا اس سے کم ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے مزید کہا کہ خبردار تم لوگ عورتوں کے مہر میں زیادتی مت کرو۔ جب بھی مجھے معلوم ہوگا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے تو میں اس زیادتی کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دوں گا۔

اس کے بعد مجمع کے گوشہ سے ایک عورت اٹھی۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین، اللہ کی کتاب زیادہ اتباع کے قابل ہے یا آپ کا قول۔ حضرت عمر نے کہا کہ اللہ کی کتاب۔ عورت نے کہا کہ ابھی آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کریں۔ حالانکہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔۔۔۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر ایک عمر سے زیادہ عالم ہے۔ اس مثال میں ایک عورت دینی بات کا مجمع عام میں اعلان واظہار کر رہی ہے۔

امام ابوجعفر طحاوی (۲۳۹-۳۲۱ھ) ایک مشہور محدث ہیں۔ ان کی کتاب ملحادی حدیث کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اور عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ امام ملحادی نے یہ کتاب اپنی بیٹی سے املا کرائی ہے۔ اس کی ترتیب اس طرح ہوئی کہ باپ حدیث پڑھ کر سناتے اور اس کے مطالب بیان کرتے اور بیٹی ان کے پاس بیٹھی ہوئی لکھتی جاتی۔ اس طرح پوری کتاب تیار ہوگئی۔ اس مثال میں عورت دین کا معاملہ میں اپنے محرم رشتہ دار کی معاونت کر رہی ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت اسلام کی حدود میں رہتے ہوئے کہاں تک آگے جاسکتی ہے۔

عورت کا احترام

اسلام کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔اللہ کا خوف اور انسانوں کا احترام۔ اس کا حکم دیتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

"اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔اور اسی (کی جنس) سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دنوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے۔اور تم اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو،اور قرابتوں کے باب میں بھی۔ بے شک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے"

اس آیت میں خلق منھا زوجھا (خدا نے اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا) کا مطلب بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اور اس کے بعد ان کے جسم سے ان کی پسلی نکال کر ان کی بیوی حوا کو بنایا۔مگر یہ تشریح صحیح نہیں۔یہ بائبل کی بات ہے نہ کہ قرآن کی بات۔

بائبل میں حضرت حوا کی پیدائش کے بارہ میں اس قسم کی روایت آئی ہے۔یہاں ہم بائیل کے الفاظ نقل کرتے ہیں:

اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا۔اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا۔اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی۔ ایک عورت بنا کرا سے آدم کے پاس لایا۔اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے۔ اس لیے وہ ناری کہلانے لگی۔کیوں کہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔

(پیدائش ۲:۲۱۔ ۲۳)

بائبل کی یہی روایت ہے جس کو بعد کے کچھ لوگوں نے قرآن کی تفسیر میں داخل کر

دیا۔ اور اس کی روشنی میں قرآنی آیت کی تشریح کرنے لگے۔ مگر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بائبل ایک محرف کتاب ہے۔ اس میں پیغمبروں کے کلام کے ساتھ عام انسانی کلام کی آمیزش ہوئی ہے۔ اس لیے اس کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس کی روشنی میں قرآنی آیت کی تشریح کرنا درست ہے۔

قرآن کی مذکورہ آیت یا کسی بھی دوسری آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حوا کو آدمی کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ قرآن کی مذکورہ آیت میں جو لفظ ہے وہ منھا (اس سے) ہے نہ کہ من ضلع آدم (آدم کی پسلی ہے) چنانچہ محقق مفسرین نے منھا سے مراد من جنسھا لیا ہے۔ یعنی نفس واحدہ (آدم) کی جنس سے نہ یہ کہ خود آدم کے اپنے جسم سے۔ ابو مسلم اصفہانی اور بعض دوسرے مفسرین سے یہی قول نقل ہوا ہے اور یہی قرآنی الفاظ کے مطابق ہے۔

(القول الثانی ملهوا ختیار ابی مسلم الاصفہان ان لا مراد من قوله و خلق منها زوجها ای من جنسها۔ تسیر کبیر۔ ویحتمل ان یکون المغنی من جسه لا من نفسه حقیقة، البحرالمحیط)

منھا کو من جنسھا کے معنی میں لینے کی تائید بعض دوسری آیتوں سے ہوتی ہے۔ قرآن میں نفس کا لفظ بار بار جنس کے معنی میں آیا ہے۔ اس طرح یہ دوسری آیتیں سورہ نساء کی مذکورہ آیت کی نہایت واضح تشریح کر رہی ہیں۔ یہاں ہم چند آیتیں نقل کرتے ہیں:

''اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں۔''

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں بنائیں تا کہ تم سکون حاصل کرو۔''

"وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور اسی طرح مویشیوں میں سے جوڑے بنائے۔"

ان آیتوں پر غور کیجئے۔ ان میں عام مردوں کی ازواج (بیویوں) کے لیے بھی عین وہی لفظ آیا ہے جو سورہ نساء کی آیت میں حضرت آدم کی زوج (بیوی) کے لیے آیا ہے۔ اس کے مطابق حوا کو جس طرح آدم کی ۔"نفس" سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام مردوں کی بابت بھی ارشاد ہوا ہے کہ ان کی بیویوں کو ان کے "نفس" سے پیدا کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دوسری آیتوں کے یہ معنی نہیں لیے جا سکتے کہ ہر مرد کی بیوی اس کے اپنے جسم کے اندر سے نکالی گئی ہے۔ یہاں لازی طور اس کو جنس کے معنی میں لینا ہوگا۔ یعنی یہ کہ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے تمہاری عورتیں بنائیں تا کہ وہ تمہارے لیے حقیقی معنوں میں رفیق زندگی بن سکیں۔

جس طرح عام آدمیوں کی بیویاں ان کی ہم جنس ہیں نہ کہ حیاتیاتی معنوں میں ان کے جسم کا حصہ۔ اسی طرح حضرت آدم کی بیوی (حوا) بھی ان کی ہم جنس تھیں، وہ آدم کے جسم کے اندر سے نکالی نہیں گئیں۔ اللہ نے آدم کی طرح ان کی بیوی کو بھی اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ جس طرح اس نے عام مردوں کی طرح ان کی عورتوں کو اپنی قدرتِ خاص سے پیدا فرمایا ہے۔

احادیث::

اب ایک سوال ان احادیث کا ہے جو اس سلسلہ میں نقل کی جاتی ہیں اور جن میں صراحۃً ضلع (پسلی) کا لفظ آیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ان احادیث میں آدم و حوا کی تخلیق کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ وہ عام عورتوں کے بارہ میں ہیں۔

یعنی ان احادیث میں ہر ہر عورت کی تخلیقی نوعیت کا ذکر ہے نہ کہ مخصوص طور پر حضرت حوا کی تخلیقی نوعیت کا ذکر۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی میرے نصیحت قبول کرو۔ کیوں کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ عورت واقعتہً پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ کیوں کہ پورے فقرہ کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ حدیث کا مدعا عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید کرنا ہے۔ اس لیے اس کی وہی تشریح درست ہوگی جو اس اصل مدعا کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو۔

''عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔'' کا فقرہ یہاں مجازی معنوں میں ہے نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا معاملہ پسلی جیسا معاملہ ہے۔ وہ پسلی کی مانند ہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں خود حدیث میں یہ صراحت موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عورت پسلی کی مانند ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کروگے تو تم اس کو توڑ دو گے۔

بخاری و مسلم کی اس روایت میں واضح طور پر کالضلع کا لفظ ہے۔ یعنی یہ کہ عورت پسلی کی مانند ہے۔ نہ یہ کہ وہ خود پسلی سے بنائی گئی ہے۔ پسلی کی مانند ہونے کا مطلب کیا ہے، یہ بھی صراحتہً حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو تم اس کو توڑ دو گے۔

عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور عورت پسلی کی مانند ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ صرف ادبی اسلوب کا فرق ہے نہ کہ حقیقت کا فرق۔ ہر زبان میں یہ اسلوب عام ہے کہ جب تشبیہ میں شدت پیدا کرنا مقصود ہو تو۔ مثلا کا لفظ حذف کر

دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کی بہادری بتانے کے لیے کبھی کہا جاتا ہے کہ وہ شیر کی طرح ہے۔ اور جب اس بات کو زیادہ زور دے کر کہنا ہو تو کہہ دیتے ہیں کہ وہ شیر ہے۔ جیسے میر انیس نے کربلا کے میدان کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا۔

کس شیر کی آدم ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔

عورت کے بارہ میں نفسیات اور حیاتیات کا علم بتاتا ہے کہ وہ صنف نازک ہے۔ وہ مرد کا مقابلہ میں کمزور اور نازک ہوتی ہے۔ اس کے مزاج میں انفعالیت ہے۔ چنانچہ کسی واقعہ سے وہ بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہر آدمی جانتا ہے خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا۔ ہر باپ جانتا ہے کہ بیٹے سے سختی کی جا سکتی ہے۔ مگر بیٹی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ وہ شدت کا تحمل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ خودکشی کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ خودکشی کرتی ہیں، وہ ایک معمولی واقعہ سے متاثر ہو کر خودکشی کر سکتی ہیں یا ذہنی اختلاف کا شکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

یہی وہ معلوم حقیقت ہے جس کو حدیث میں تمثیل کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آدمی کے سینے میں پسلی کی ہڈیاں کسی قدر خم دار ہوتی ہیں۔ ان کا خم دار رہنا ہی مصلحت کے مطابق ہے۔ کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں کرتا کہ آپریشن کے ذریعہ ان پسلیوں کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔

اسی معلوم واقعہ کی مثال دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کیساتھ ان کی فطرت کے مطابق پیش آؤ۔ عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے ہمیشہ یہ ذہن میں رکھو کہ عورتیں فطری طور پر نازک اور جذباتی ہوتی ہیں۔ اللہ نے مخصوص مصالح کے تحت انہیں بالارادہ ایسا ہی بنایا ہے اس لیے تم ان کے ساتھ ہمیشہ نرم برتاؤ کرو۔ کوئی بات بتانا ہو تو نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بتاؤ اگر تم ان کے ساتھ سختی کرو گے تو ان کی شخصیت اس کا تحمل نہ کر سکے گی۔ ان کا دل اسی طرح ٹوٹ جائے گا جس

طرح پسلی سیدھا کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

رسول اللہ علیہ ﷺ ایک بار سفر میں تھے۔ کچھ خواتین اونٹ پر بیٹھی ہوئی چل رہی تھیں۔ساربان نے اونٹ کو زیادہ تیز چلانا چاہا۔اونٹ جب تیز چلتا ہے تو مسافر کا جسم کافی ہلنے لگتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے ساربان (حضرت انجشہ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: رویدک یا انجشہ، (رفقاً بالقواریر (اے رنجشہ، یہ آبگینے ہیں، ذرا آہستہ چلو)

جدید تحقیقات::

موجودہ زمانہ میں خالص علمی طور پر یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان بنیادی پیدائشی فرق پائے جاتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) میں خواتین کی حالت (Status of women) پر ایک مفصل مقالہ ہے۔اس مقالہ کا ایک ذیلی عنوان یہ ہے:

> With respect personality traits, men are characterized by greater aggressiveness, dominance, adn achievement motivation, women by greater dependency, a stronger social orientation, and the tendency to be more easily discouraged by faliure than men (19/907).

اوصافِ شخصیت کے اعتبار سے، آدمیوں کے اندر جارحیت اور غلبہ کی خصوصیت زیادہ پائی گئی ہے۔ان میں حاصل کرنے کا جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں عورتیں سہارا چاہتی ہیں۔ان کے اندر مواشہر پسندی کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔اور ناکامی کی صورت میں مردوں کے مقابلہ میں وہ زیادہ آسانی سے بے ہمت ہو جاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں موجودہ زمانہ میں بے شمار تجربات کیے گیے ہیں۔مثلاً امریکہ میں ایک تجربہ یہ کیا گیا کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا انتخاب کیا گیا۔دنوں کم عمر تھے۔اور

ابھی بولنے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ تاہم ان کی جسمانی صحت یکساں تھی۔ ان کو دو الگ الگ کمرے میں رکھ کر نکلنے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد لڑکی رونے چلانے لگی۔ جب کہ لڑکے نے ادھر اُدھر ہاتھ مار کر اندازہ کرنا شروع کیا کہ کیا کسی طرف سے وہ نکلنے کا راستہ پا سکتا ہے۔

اسی طرح ایک تجربہ میں پایا گیا کہ بارہ ماہ کی لڑکیاں کسی اجنبی کمرہ میں ہوں اور انہیں خوفزدہ کیا جائے تو وہ اپنی ماؤں کی طرف بھاگتی ہیں جب کی اسی عمر کے لڑکے کچھ کرنے کی راہ ڈھونڈ نے لگتے ہیں۔ نیویارک یونیورسٹی میں ریسرچ کرنے والوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی اگر بوتل پینے میں مشغول ہے تو وہ اس وقت پینے سے رک جاتی ہے جب کوئی شخص کمرے میں آتا ہوا نظر آئے۔ اس کے برعکس ایک لڑکا کسی آنے والے پر کوئی دھیان نہیں دیتا وہ اپنا کام بدستور جاری رکھتا ہے۔

ماہرین نے بتایا ہے کہ عورت اور مرد کے تمام فرق ان کے جین کے اندر پائے جاتے ہیں نہ کہ سماجی حالات میں۔ عورتوں کے اندر انفعالیت کا سبب ان کے مخصوص ہارمون ہیں۔ میل ہارمون اور فیمیلی ہارمون میں یہ فرق پیدائش کی بالکل آغاز سے موجود رہتا ہے۔ (ٹائم میگزین، نیویارک، ۲۰ مارچ ۱۹۷۲)

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے تمام احکام فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فطری تقاضوں کو قانونی صورت دینے ہی کا دوسرا نام شریعت ہے۔ عورت کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بھی اسی بنیادی اصول پر مبنی ہیں۔ نفسیات اور حیاتیات اور عضویات میں موجود زمانہ میں جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ ثابت کرتی ہیں کہ مرد کے مقابلہ میں عورتیں فطری طور پر منفعل مزاج ہوتی ہیں۔ مخصوص معاشرتی مصالح کی بنا پر خالق نے ان کو نسبتاً نازک پیدا کیا ہے۔

یہی وہ فطری حقیقت ہے جس کی رعایت اسلامی تعلیمات میں رکھی گئی ہے۔ اس بنا پر اسلامی شریعت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو تا کہ وہ

بے حوصلہ نہ ہوں، تاکہ وہ دل شکنی سے محفوظ رہیں اور زندگی میں اپنے مخصوص فرائض کو بخوبی طور پر ادا کر سکیں۔ عورتیں لوہے کی مانند نہیں ہیں کہ ان پر ٹھونک پیٹ کا کوئی اثر نہ پڑے۔ وہ پسلی کی مانند ہیں۔ وہ فطرتاً جیسی ہیں ویسی ہی انہیں رہنے دو۔ اگر تم ان کے ساتھ لوہے جیسا برتاؤ کرو گے تو تم ان کی شخصیت کو توڑ دو گے۔

چیف جسٹس کا ریمارک::

محمد احمد، شاہ بانو کیس، (کریمنل اپیل نمبر ۱۰۳۔۱۹۸۱ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۸۵) میں فیصلہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس وائی دی چندراچوڑ نے ایک خصوصی نوٹ لکھا ہے۔ اس نوٹ میں وہ کہتے ہیں کہ

> عام دیوانی اور فوجداری قانون کے تحت کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سماج کے ایک بڑے حصہ کے لیے دوررس اہمیت کے حامل ہیں جو کہ روایتی طور پر غیر منصفانہ سلوک کا شکار رہا ہے۔ عورتیں اس قسم کا ایک حصہ ہیں۔ قانون ساز منو نے کہا کہ عورت آزادی کی مستحق نہیں۔ اور اسلام پر یہ الزام ہے کہ اس کا ایک تباہ کن پہلو عورت کو کمتر درجہ دینا ہے۔ پیغمبر اسلام کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے، امید افزا طور پر غلطی ہے۔ کہ عورت ایک ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اس لیے تم اپنی بیویوں سے نرم سلوک کرو:

> Some questions which arise under the ordinary civil and criminal law are of a far-reaching significance to large segments of society which have been traditionally subjected to unjust treatment, Women are one such segment. "Na street swatantramarhati" Said Manu, the law giver: The women does not deserve independence, And, it is alleged that the fatal point in Islam is the degradation of woman. To

> the Prophet is ascribed the statement, hopefully wrongly, that woman was made from a crooked rib, and if you try to need it straight, it will break: therefore treat your wives kindly.

واضح ہو کہ چیف جسٹس صاحب کی مذکورہ عبارت میں امید افزا طور پر غلطی سے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موصوف کے نزدیک پیغمبر کی طرف اس کو منسوب کرنا غلط ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر نے اگر چہ یہ کہا ہے کہ عورت ''ٹیڑھی پسلی'' سے پیدا کی گئی ہے۔ مگر جو لوگ عورت اور مرد کے درمیان برابری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ہمارے لیے امید کا پہلو یہ ہے کہ پیغمبر کا یہ ارشاد بطور واقعہ درست نہیں۔ چیف جسٹس کیا اس فقرہ کا مقصد بیان کی تردید ہے نہ کہ خود ''انتساب'' کی تردید۔

ایک چیف جسٹس کا یہ ریمارک خالص قانونی اعتبار سے کس حد تک باموقع ہے۔ اس کے بارہ میں کوئی قانون داں ہی قطعی رائے دے سکتا ہے۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ خالص علمی اعتبار سے صحیح نہیں۔

چیف جسٹس صاحب نے پیغمبر اسلام کا یہ قول اس دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے کہ اسلام سماج کے ایک طبقہ (عورت) کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کی حمایت کرتا ہے۔ حالاں کہ مذکورہ قول اس کے برعکس، عورت کے ساتھ منصفانہ سلوک کی تاکید کر رہا ہے۔ محترم چیف جسٹس کا ریمارک منو کے قول کے لیے تو ضرور درست ہے۔ مگر وہ پیغمبر اسلام کے قول پر بالکل صادق نہیں آتا۔

مذکورہ قولِ رسول میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ عورت کے ساتھ نرمی (خیر) کا سلوک کرو۔ پھر اس حدیث کے بارہ میں کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک یا کمتر درجہ کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ (جیسا کہ منو کے حوالے میں پایا جاتا ہے)

جہاں تک عورت کی پسلی کی مانند ہونے کا تعلق ہے۔ وہ عورت کے ساتھ بہتر

سلوک کی جا چکی ہے کہ یہ محض ایک مثال ہے۔عورت کی مخصوص نفسیات کی بنا پر اس کے معاملہ کو پسلی سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس سے نرم سلوک کرو۔ اگر تم عورت کے ساتھ سخت سلوک کروگے تو یہ عورت کی فطرت کے مطابق نہ ہوگا۔ اس سے بگاڑ پیدا ہوگا نہ کہ اصلاح۔

خلاصہ::

سورہ نساء کی آیت (خلق منھا زوجھا) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس جنس سے آدم کو بتایا، اس جنس سے اس نے آدم کے جوڑے (حوا) کو بھی بنایا تا کہ دونوں میں موافقت رہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ دونوں دو الگ الگ جنس ہوتے، مثلاً ایک آگ سے بنایا جاتا اور دوسرا مٹی سے، تو دونوں کے درمیان باہم توفق نہ ہوتا۔ پھر نہ خاندانی زندگی میں سکون پایا جاتا اور نہ یہ ممکن ہوتا کہ دونوں مل کر مشترکہ جدوجہد سے تمدن کے تعبیر کریں۔

حدیث (ضلع) میں عورتوں کے بارے میں جو بات ارشاد ہوئی ہے اس کا مقصد تمثیل کی زبان میں یہ بتانا ہے کہ عورتوں کی مخصوص فطری ساخت کی بنا پر ضروری ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسم نے بار بار مختلف انداز سے یہ نصیحت فرمائی ہے اور خود اپنی پوری زندگی میں اس کا مکمل اہتمام کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں رات کی نمازوں میں شریک ہوتی تھیں۔ بعض اوقات ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ نماز کی اقامت کا بہت خاص اہتمام فرماتے تھے۔لیکن خواتین کے ساتھ آپ کی رعائیت کا یہ حال تھا کہ نماز میں اگر کبھی چھوٹے بچے کے رونے کی آواز آجاتی تو آپ نماز کو جلد ختم کردیتے۔حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں مسجد میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، یہ چاہتا ہوں کہ اس کو لمبا کروں، پھر

میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، اس اندیشہ کی بنا پر کہ میں اس کی ماں کو تکلیف دوں گا۔

حدیث رسول میں عورت کو پسلی (ضلع) سے تشبیہ دینا ایک سادہ سی بات ہے۔ اس معاملہ میں جو شبہات پیدا ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیث کو بائبل کے بیان سے جوڑ دیا گیا۔ حالاں کہ مذکورہ حدیث کا بائبل کے بیان سے کوئی تعلق نہیں۔ حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ ایک فطری حقیقت ہے جس کو دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً میتھو آرنلڈ (Mathew Arnold) نے اسی بات کو ان لفظوں میں کہا کہ عورتوں کی دلیل کام کرتی ہے نہ کہ دماغ کی۔

With women the heart argues. not the mind.

خط وکتابت ::

اوپر ہم نے دو ریمارک نقل کیا ہے جو ہندوستان سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس مسٹر چندر اچوڑ نے اس معاملہ میں محمد احمد، شاہ بانو کیس پر فیصلہ صادر کرتے ہوئے دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ہم نے سابق چیف جسٹس صاحب کو ایک خط روانہ کیا تھا۔ اس خط کا عکس اگلے صفحہ پر نقل کیا جارہا ہے۔

جیسا کہ پچھلی بحث سے واضح ہے۔ چیف جسٹس صاحب کا یہ ریمارک خالص علمی اعتبار سے سراسر بے بنیاد ہے۔ مگر اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ موصوف کو جب بذریعہ خط توجہ دلائی گئی تو انہوں نے اس کا جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ پہلی بار یہ خط انہیں ۱۷ اپریل ۱۹۸۶ کو بذریعہ رجسٹری روانہ کیا گیا تھا۔ جب کوئی جواب موصول نہ ہو تو دوبارہ یہی خط ۱۴ مئی ۱۹۸۶ کو انہیں بھیجا گیا۔ پھر بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بار بار ٹیلی فون کرنے کے بعد بھی کائی کامیابی نہ ہو سکی۔ ٹیلی وژن پر ان سے کہا گیا کہ آپ ملاقات کا وقت دیدیں تا کہ ہم خود گفتگو کے لیے آپ کے یہاں حاضر ہو سکیں۔ مگر انہوں نے ملاقات کا وقت دینے سے

معذوری ظاہر کی مجبوراً اب یہ خط اس طرح شائع کیا جا رہا ہے کہ اس کے ساتھ جسٹس موصوف کا جواب شامل نہیں۔

دوسری پر حکم لگانے کے لیے ہر آدمی با انصاف ہے۔ مگر جب خود اپنے آپ پر حکم لگانا ہو تو ہر آدمی بے انصاف بن جاتا ہے۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006
WWW.

عورت کا درجہ

عورت کا درجہ اسلام میں وہی ہے جو مرد کا درجہ ہے ۔(بعضکم من بعض) حیثیت اور حقوق اور آخرت کے انعامات میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ۔ البتہ اسلام کے نزدیک مرد مرد ہے ۔اور عورت عورت ۔زندگی کا نظام چلانے میں دونوں برابر شریک ہیں تاہم اسلام نے دونوں کے درمیان تقسیم کار کا اصول رکھا ہے نہ کہ یکسانیت کار کا اصول ۔

اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ دونوں میں سے کوئی صنف اپنے کو کم سمجھے اور ایک دوسرے کی نقل کرنے کی کوشش کرے ۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے ۔

"رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کے مشابہ بنیں ۔"

انسانیت کو مرد اور عورت کی صنفی تقسیم کے ساتھ پیدا کرنا براہِ راست خالق کی منصوبہ بندی ہے ۔اس تقسیم کو باقی رکھنے ہی میں انسانی زندگی کی ترقی ہے ۔ جو مرد یا عورت اس تقسیم کو توڑنے کی کوشش کرے وہ گویا نظام فطرت کو توڑتا ہے ۔ نظامِ فطرت کو توڑنا صرف تخریب ہے، وہ کسی درجہ میں بھی تعمیر کا کام نہیں ۔

اسلام کے نزدیک مرد اور عورت ایک دوسرے کا مثنیٰ (Duplicates) نہیں ہیں ۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کا تکملہ (Complements) ہیں یعنی ایسا نہیں کہ جو مرد ہے وہی عورت ہے اور جو عورت ہے وہی مرد ہے ۔ بلکہ دنوں میں نا قابل عبور قسم کے حیاتیاتی فرق پائے جاتے ہیں ۔ یہ فرق تقسیم کار کی حکمت پر مبنی رہیں ۔ وہ اس اعتبار سے ہیں کہ مرد کی کمی کی تلافی عورت کرے اور عورت کے اندر جو کمی ہے وہ مرد

کے ذریعہ پوری ہو۔

مرد اور عورت کے بارے میں اسلام کا تصور دونوں صنفوں کی فطری ساخت میں ثابت شدہ فرق پر مبنی ہے۔ یہ ایک حیاتیاتی حقیقت ہے کہ مرد اور عورت کی ساخت میں فرق ہے۔ مرد اپنی پیدائش ساخت کے اعتبار سے باہر کے کام کے لیے موزوں ہے۔ اس فرق اور تقسیم پر اسلام کے تمام قوانین بنائے گے ہیں۔ مرد اور عورت کے معاشرتی مقام کے بارہ میں اسلام کی تعلیمات تقسیم عمل کے اصول پر مبنی ہیں کہ اشتراکِ عمل کے اصول پر۔

عہدِ زندگی::

قرآن میں نکاح کے معاملہ کو میثاق غلیظ (النساء ۲۱) کہا گاے ہے۔ یعنی مضبوط عہد (Firm Contract) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح کی صورت میں مرد اور عورت کے درمیان جو رشتہ قائم ہوتا ہے اس کی حیثیت اسلام میں کیا ہے۔ یہ حقوق اور ذمہ داریوں کا ایک دو طرفہ ماہدہ ہے اس کے ذریعہ سے ایک مرد اور ایک عورت اپنے آپ کو ساری عمر کے لیے ایک ہے بے حد سنجیدہ رشتہ میں جوڑتے ہیں تا کہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق بنیں۔ دونوں مل کر زندگی کے سفر کو طے کریں۔

معاہدہ ہمیشہ دو طرفہ بنیادوں قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح نکاح کا معاہدہ بھی دو طرفہ بنیادوں پر قائم ہے۔ امام ترمذیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ تمہاری عورتوں کی اوپر تمہارا حق ہے اور تمہارے اور تمہاری عورتوں کا حق ہے اور تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کا حق ہے۔

(الا ان لکم علی نسائکم حقا ر نسائکم علیکم حقا)

اس معاملہ کی مزید وضاحت کے لیے یہاں چند آیتیں اور حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

عورت ہر حال میں خیر ہے۔

اور تم نے عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزران کرو۔ اگر وہ تم کو پسند نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایک چیز تم کو پسند نہ ہو اور اللہ نے اس کے اندر بہت زیادہ بھلائی رکھ دی ہو۔

اس آیت میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس دنیا میں کوئی چیز مکمل نہیں۔ ایک عورت اگر ایک اعتبار سے زیادہ ہے تو وہ دوسرے اعتبار سے کم ہوگی۔ اور اگر وہ کسی اعتبار سے کم ہے تو کسی اور اعتبار سے زیادہ ہوگی۔ اس لیے کسی عورت کی صرف کمی کو دیکھ کر اس سے بیزار نہ ہو جاؤ، بلکہ اس کے روشن پہلو کو دیکھ کر اس کے ساتھ اچھی طرح نباہ کرو۔ یہی موجودہ دنیا میں کامیابی کا اصل راز ہے۔ باہر کی دنیا میں بھی وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو گھر کی دنیا میں اس تجربہ سے سبق لے سکے۔ زندگی کی کامیابی تاریکی میں روشنی دیکھنے کا نام ہے اور یہ اہم سبق ہر آدمی کو اس کے گھر سے سکھایا جاتا ہے۔

عورت مرد سے زیادہ قابلِ احترام::

> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول، لوگوں میں کون ہے جو سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے کہا کہ پھر کون۔ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے کہا کہ پھر کون آپ نے فرمایا تمہارا باپ۔

ماں کی صورت میں عورت کو سب سے زیادہ قابلِ احترام بنانا بتاتا ہے کہ اسلام کس قسم کا معاشرہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر معاشرہ وہ ہے جس میں عورت کس سب سے زیادہ عزت اور احترام کا مقام حاصل ہو۔ جو

شخص، ماں کے روپ میں ایک خاتون کا سب سے زیادہ لحاظ کرے اس کے اندر لازمی طور پر یہ مزاج بنے گا کہ وہ دوسری خواتین کا بھی سب سے زیادہ لحاظ کرے۔ اس طرح پورے معاشرہ میں عورت کو وہ مقام مل جائے گا جو گھر کے اندر ایک ماں کو ملا ہوا ہے۔

اظہارِ خیال کی آزادی::

خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگ عورتوں کے زیادہ مہر نہ باندھو۔ اس کے بعد ایک عورت اٹھی اور اس نے بلند آواز سے کہا کہ اے عمر اس معاملہ میں آپ کو دخل دینے کا حق نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نے عورتوں کو زیادہ مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اپنی بات واپس لے لی اور کہا۔ عورت نے صحیح بات کہی اور عمر نے غلطی کی۔

حضرت عمر فاروق اپنے وقت کے حکمراں تھے۔ ان کو ایک عام عورت نے برسرِ عام ٹوک دیا۔ اور حکمران کو اپنی بات واپس لینی پڑی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ میں عورت کو کس قدر زیادہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ بلا شبہ یہ حقوق کا آخری درجہ ہے کہ کسی کو اظہار رائے کا مطلق اختیار حاصل ہو اور اسلامی معاشرہ میں ایک عورت کو یہ بات پوری طرح حاصل ہوتی ہے۔

گھر سنبھالنا کم تر درجہ کا کام نہیں::

حضرت نسیبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، مرد اجر میں بڑھ گئے۔ وہ جمعہ میں اور اجتماعات میں اور جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر ہم عورتوں کے لیے کیا باقی رہا۔ آپ نے فرمایا کہ اے نسیبہ، تم میں سے ایک عورت

اپنے شوہر کے ساتھ بہتر طریقہ سے رہے اور اس کی مرضی پورا کرنے
یہ ان تمام اعمال کے برابر ہے جن کا تم نے مردوں کے سلسلہ میں ذکر
کیا۔

موجودہ زمانہ کا یہ ذہنی بگاڑ ہے کہ گھر سنبھالنے کو کم تر درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور باہر کے کام کو زیادہ بڑا کام سمجھ لیا گیا ہے، مگر اسلام گھر سنبھالنے کے کام کو بھی اتنا ہی عزت کا درجہ دیتا ہے جتنا باہر کے کام کو حقیقت یہ ہے کہ دونوں یکساں اہمیت کے کام ہیں۔ان میں سے کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ احساس برتری میں مبتلا ہو اور نہ کسی فریق کو یہ چاہیے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر اپنی اہمیت خود اپنی نظر میں گھٹا لے۔

معاشرہ کی تعمیر میں عورت کی اہمیت ::

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو
یہ کہتے ہوئے سنا۔ ابلیس کا تخت سمندر کے اوپر ہے۔وہ اپنے دستے
بھیجتا ہے تو وہ انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ابلیس کے نزدیک وہ
شیطان سب سے بڑا قرار پاتا ہے جس نے سب سے بڑا فتنہ پیدا کیا
ہو۔تو شیطانوں میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایسا اور
ایسا کیا۔ شیطانوں کا سردار ابلیس اس سے کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں
کیا۔ پھر ان میں ایک آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں ایک مرد اور ایک
عورت کے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ میں نے دونوں کے درمیان جدائی
ڈال دی۔ابلیس اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور اس کو لپٹا لیتا ہے اور کہتا
ہے کہ ہاں تم نے کیا۔

موجودہ زمانہ کا یہ ذہنی بگاڑ ہے کہ گھر سنبھالنے کو کم تر درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور باہر کے کام کو زیادہ بڑا کام سمجھ لیا گیا ہے۔مگر اسلام گھر سنبھالنے کے کام کو بھی اتنا ہی

عزت کا درجہ دیتا ہے۔ جتنا باہر کے کام کو۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں یکساں اہمیت کے کام ہیں۔ان میں سے کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ احساس برتری میں مبتلا ہو اور نہ کسی فریق کو یہ چاہیے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر اپنی اہمیت خود اپنی نظر میں گھٹا لے۔

معاشرہ کی تعمیر میں عورت کی اہمیت ::

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ابلیس کا تخت سمندر کے اوپر ہے۔وہ اپنے دستے بھیجتا ہے تو وہ انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ابلیس کے نزدیک وہ شیطان سب سے بڑا قرار پاتا ہے جس نے سب سے بڑا فتنہ پیدا کیا ہو۔تو شیطانوں میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایسا اور ایسا کیا۔شیطانوں کا سردار ابلیس اس سے کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ان میں کا ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مرد اور ایک عورت کے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ میں نے دونوں کے درمیان جدائی وال دی۔ابلیس اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور اس کو لپٹا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تم نے کیا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار کیا ہے۔وہ ہتھیار یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت کے درمیان جھگڑے کھڑے کرے اور دونوں کو ایک دوسرے سے دور کر دے۔

قدیم زمانہ میں یہ فتنہ بہت محدود پیمانہ پر پیدا ہوتا تھا۔یعنی ایک میاں بیوی یا ایک گھر اس فتنہ کا شکار ہوتا تھا۔مگر موجودہ زمانے میں نئے نئے نظریات نے پوری نسل اور پوری انسانیت کو اس فتنہ کا شکار بنا دیا ہے۔موجودہ زمانہ میں عورتوں کی مصنوعی آزادی اور غیر فطری مساوات کا ذہن اتنے بڑے پیمانہ پر بنایا گیا ہے کہ قومیں کہ قومیں اس سے متاثر ہو کر رہ گئی ہیں۔

اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں شادی شدہ زندگی کو برا سمجھا جاتا ہے۔جدید

ترقی یافتہ سماج میں مردوں اور عورتوں کا یہ حال ہے کہ وہ معمولی معمولی بات پر طلاق لے لیتے ہیں۔اس کی وجہ سے گھر اجڑتے ہیں۔بچے اپنے ماں باپ سے چھوٹ کر مجرمین کے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔جنسی بے قیدی کی بنا پر طرح طرح کی مہلک بیماریاں پیدا ہورہی ہیں۔خاندانی بندھن کا پابند نہ ہونے کا مزاج زمانہ میں بہت بڑے پیمانہ پیدا ہوا ہے اور وہ بلاشبہ موجودہ زمانہ کس سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

گھر بگڑنے سے پوار معاشرہ بگڑتا ہے اور معاشرہ بگڑنے سے پوری قوم بگڑ جاتی ہے۔یہ موجودہ زمانہ میں بہت بڑے پیمنہ پو ہورہا ہے۔اور اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں ازدواجی زندگی کا احترام ختم ہوگیا۔خاندانی بندھن کے ساتھ زندگی گزارنے کو کمتر درجہ کی چیز سمجھا جائے گا۔

عورت کی حاکمیت::

۱۹۶۴ میں ہالی وڈ (امریکہ) نے ایک فلم بنائی تھی جس کا نام تھا۔

Kisses for my President

اس فلم میں دکھایا گیا تھا کہ ایک شادی شدہ امریکی خاتون امریکہ کی صدر منتخب ہوگئی ہے۔مگر اس کے جلد ہی بعد وہ حاملہ ہوجاتی ہے۔حاملہ ہونے کے مسائل سے وہ اتنا پریشان ہوتی ہے کہ وہ صدارتی آفس چھوڑ کر گھر چلی جاتی ہے، اور بالآخر صدارت کے عہدے سے استعفاء دے دیتی ہے۔

جدید مغربی دنیا میں ابھی تک اس کو ایک غیر سنجیدہ چیز سمجھا جاتا رہا ہے کہ کسی عورت کو اعلیٰ حکومتی عہدہ دیا جائے۔۱۹۷۲ کے ایک پول میں امریکہ کے ووٹروں کی اکثریت نے کہا تھا کہ خاتون صدر کے مقابلہ میں انہیں ایک سیاہ فام مرد صدر زیادہ قابل قبول ہے۔ایک شخص نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ خاتون صدر جب اسپتال میں اپنا بچہ جنے گی تو اسپتال لے بلیٹن میں اعلان کیا جائے گا کہ صدر اور نومولود بچہ دونوں بخیریت ہیں۔

The President and baby are doing well (p.34).

اصولی معیار کے اعتبار سے، ووٹر یہ چاہیں گے کہ عورت امیدوار میں بھی وہی خصوصیات ہوں جو مرد امیدوار میں ہوتی ہیں۔ استعداد، حوصلہ، تجربہ، استحکام، ذہانت، مگر عورت امیدوار کے معاملہ میں ووٹر کی نفسیات نہایت نازک ہو جاتی ہے۔ انہیں ابھی تک یقین نہیں کہ عورت کے اندر بھی اس قسم کی مردانہ صفات ہو سکتی ہیں۔

متعدد سائنس داں خالص سائنسی بنیاد پر عورت کو اعلیٰ حکومتی عہدہ دینے کے خلاف ہیں۔ مثلاً سرجن ایڈگر برمن آزادیٔ نسواں کی حامی خواتین کی نظر میں اس وقت معتوب ہو گئے جب کہ انہوں نے یہ کہا کہ اپنی ہارمون کیمسٹری کی وجہ سے عورتیں زیادہ جذباتی ہو سکتی ہیں اور اس بنا پر وہ اقتدار کے منصب کے لیے غیر موزوں ہو سکتی ہیں۔

> Surgeon Edgar Berman earned a low place in the bestiary of women's Liberation two years ago when he suggested tha because of theri hormonal chemistry women might be too for postion of powr (p.34).

Time March 20, 1972

۱۹۸۷ میں امریکہ میں خاص اس مسئلہ پر لوگوں کی رائے معلوم کی گئی۔ معلوم ہوا کہ امریکی ووٹروں کی تقریباً ایک تہائی تعداد خیال کرتی ہے کہ امریکہ کا صدر بننے کے لیے عورت کا مقابلہ میں مرد زیادہ موزوں ہیں۔ یہ بات ایک عوامی رائے شماری کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے۔ جس کا اہتمام حقوقِ نسواں کی ایک تنظیم کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔ مطالعہ کا یہ نتیجہ جو ایک انجمن خواتین کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ بتاتا ہے کہ رائے دینے والوں میں صرف آٹھ فی صد تعداد ایسی تھی کہ جس کا خیال تھا کہ وہائٹ ہاؤس کے عہدہ کے لیے عورت زیادہ بہتر ہو سکتی ہے۔

۴۹ فی صد نے کہا کہ دونوں جنسوں میں کوئی پیدائشی فرق نہیں ہے۔ اور ۳۱ فیصد

نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مرد صدر بننے کے لیے زیادہ موزوں ہیں اس رائے شماری سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں بعض دوسرے سماجی معاملات کے لیے زیادہ لائق ہو سکتی ہیں۔ مثلاً افلاس صحت، تعلیم، منشیات اور شہری حقوق:

NAY TO WOMEN: Nearly one-third of American voter believe men are better suited than women to be presiednt of U.S., according to a poll conducted for a women's rights group. Reuter reports from Washington. The study released by the National Women' s Political Caucus (NWPC,)said only eight per cent of those polled believed a women could do better than a man in the White HOuse, 40 per cent said there was no inherent difference between the sexes, adn 31 per cent believed men made better presidents. the search firm, showed that women were credited with being more capable of dealing with social issues such as poverty, health care, education, drug abuse, and civil rights.

The Time of India (New Delhi) August 14, 1987

پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں ایران کا بادشاہ کسریٰ مر گیا تو اس کے درباریوں نے کسریٰ کی لڑکی کو ایران کا بادشاہ بنا دیا۔ یہ خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو عورت کو اپنا حاکم بنائے۔

دور جدید کی مذکورہ تحقیق اسلام کے اصول کی تصدیق ہے۔ اسلام میں چودہ سو سال پہلے یہ کہا گیا تھا کہ عورت اقتدار اعلیٰ کے منصب کے لیے غیر موزوں ہے۔ یہ بات ماضی میں بظاہر ایک خبر تھی۔ آج وہ ایک مسلمہ علمی حقیقت ہے۔ پیغمبر جو بات الہامی طور پر کہی تھی، اس کو انسان کے لمبے مطالعہ اور تجربے نے اب تک ثابت شدہ واقعہ بنا دیا ہے۔ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اسلام کی اصول فطری حقائق پر

مبنی ہیں نہ کہ محض مفروضات اور قیاسات پر۔

عورت کی گواہی::

اسلام کے قانون شہادت میں دو عورت کی گواہی ایک مرد کے براب مانی گئی ہے۔قرآن میں قرض کے معاملہ کا قاعدہ بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اپنے مردوں میں سے دومرد کو گواہ بنالو۔اور اگر دومرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں۔ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک اگر بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے۔(البقرہ ۲۸۲)

حالیہ تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ قرآن کا یہ قانون بالکل فطری ہے۔کیونکہ وہ حیاتیاتی حقیقت کے عین مطابق ہے۔

ٹائمس آف انڈیا (۱۸ جنوری ۱۹۸۵) میں یوپی آئی کے حوالہ سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔یہ رپورٹ اخبار کے صفحہ پر ہے اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

> MEMORISING ABILITY: Men have a greater ability to memorise and process mathematical information than women but femals are better with words, a Soviet scientist says reports, UPI. Men dominate mathematical subjects due to the peculiarities of their memory. Dr. Vladimir konovalov told the Tass news agency. the stronger sex shows greater difficulties in processing and adapting language material.

عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے اندر اس بات کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ ریاضیاتی معلومات کو یاد رکھیں اور اس کو ترکیب دے سکیں۔مگر عورتیں الفاظ میں زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔یہ بات ایک روسی سائنس داں نے کہی۔ڈاکٹر ولا ویمر کونو ولوف نے تاس نیوز ایجنسی کو بتایا کہ مرد ریاضیاتی موضوعات پر چھائے ہوئے ہیں۔اس کی وجہ ان کے اندر حافظہ کی خصوصی صلاحیت ہے۔صنف قومی لسانی مواد کو ترکیب دینے اور استعمال کرنے میں زیادہ مشکل محسوس کرتا ہے۔

مذکورہ آیت کا تعلق قرض سے ہے۔ یعنی وہ صورت جب کہ آج معاملہ کیا جائے اور آئندہ اس کی ادائیگی ہو۔ ایسے معاملہ میں حکم دیا گاے ہے۔ کہ اس کے اوپر دو مرد گواہ ہوں۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کی جائیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ اس طرح کے معاملہ میں انصاف پسندی کے بعد دوسری چیز جو دیکھنے کی ہے وہ یادداشت ہے۔ اور جب حیاتیاتی طور پر عورت کی یاددشات مرد سے کم ہو تو یہ عین مطابق حقیقت ہے کہ ایک مرد کی جگہ دو عورتیں گواہ بنائی جایں۔ گویا عورت اور مرد میں گواہی کا فرق بر نبائے ضرورت ہے نہ کہ بر بنائے فضیلت۔

اضافی خصوصیت نہ کہ فضیلت::

قرآن کی ایک آیت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

مرد عورتوں کے اوپر قوام ہیں۔ اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی۔

یہاں فضیلت سے مراد خصوصیت ہے۔ گھر کے نظام کو درست طور پر چلانے کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس کا ایک سربراہ نگراں ہو۔ یہ سربراہی یا نگرانی اسی فرد خاندان کو سونپی جائے گی جو نسبتاً اس کی زیادہ اہلیت رکھتا ہو۔ یہ اہلیت قدرتی تخلیق کے اعتبار سے مرد کے اندر زیادہ ہے۔ اس آیت میں کلی فضلیت کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں صرف اس فضیلت کا ذکر ہے جو مرد کے لیے یہ استحقاق ثابت کرتی ہے کہ اس کو گھر کا قوام بنایا جائے۔

عربی کا ایک اسلوب ہے جو قرآن ہیں مختلف مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ مثلا ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی سے مختلف قسم کی فصلیں اور میوے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

اور زمین میں پاس پاس مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتی ہے اور کھجوریں ہیں۔ ان میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہپر سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ہم بڑھا دیتے ہیں ان میں ایک کو ایک سے میووں میں۔

تمام مفسرین نے یہاں ''تفصیل'' سے مراد فرق اور تنوع لیا ہے نہ یہ کہ پھلوں میں سے کسی ایک پھل کو دوسرے تمام پھلوں کے اوپر مطلق برتری حاصل ہے۔ یعنی ہر پھل میں ایک منفرد خصوصیت ہے جو دوسرے میں نہیں۔ ہر پھل میں رنگ اور مزہ کے اعتبار سے ایک مزید پہلو ہے جو دوسرے پھل سے مختلف ہے۔ عورت اور مرد میں بھی اسی طرح فرق رکھا گیا ہے۔ ایک صنف کے اندر ایک اضافی خصوصیت ہے تو دوسری صنف کے اندر دوسری اضافی خصوصیت۔

اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اک کو ایک پر فضیلت دی ہے ان میں ہوس نہ کرو۔ مردوں کو ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو ان کی کمائی کا حصہ۔۔۔۔ یعنی ہر ایک کو کوئی ایسی خصوصیت دی گئی ہے جو دوسرے کو نہیں دی گئی ہے۔ اس لیے دوسرے کو جو کچھ ملا ہے اس پر رشک وحسد نہ کرو بلکہ تم کو جو کچھ ملا ہے اس کو استعمال کر کے اس کے ذریعہ سے تعمیر حیات میں اپنا حصہ ادا کرو۔

یہ صحیح ہے کہ جسمانی اعتبار سے عورت کے اندر بعض کمزوریاں ہیں۔ مگر جسمانی کمزوری کا مطلب غیر افضل ہونا نہیں۔ آنکھ ہمارے جسم کے نہایت کمزور حصہ ہے، اس کے مقابلہ میں ناخن زیادہ طاقتور ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ناخن افضل ہے اور آنکھ غیر افضل ہے۔

جس طرح دو پھلوں میں دو علیحدہ علیحدہ ست ہوتی ہے اور دونوں میں سے کوئی افضل یا غیر افضل نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ عورت اور مرد کا بھی ہے۔ عورت اور مرد دونوں کے اندر کوئی مزید صفت ہے جو ایک کے اندر ہے اور دوسرے کے اندر نہیں ہے۔ ہر ایک کو کسی نہ کسی اعتبار سے فضیلت (اضافی خصوصیت) حاصل ہے۔ دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اضافی خصوصیت کے اعتبار سے زندگی کے نظام میں اپنا مقام متعین کریں۔ ہر صنف کو اللہ تعالیٰ نے کسی کارِ خاص کے لیے موزوں بنایا ہے اور اس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسی کارِ خاص میں لگا دے۔

نادانی کا کلمہ::

اخبارات میں ایک کیس شائع ہوا ہے۔ یہ نادرہ بیگم قریشی کا کیس ہے۔ وہ بلا سپور (مہارشٹر) کی رہنے والی ہے۔ اس کے شوہر نے ایک لڑکی کی پیدائش کے بعد اس کو طلاق دے دیا۔ اب وہ عدالت کے ذریعہ اپنے سابقہ شوہر سے گذارہ وصول کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

ٹائمس آف انڈیا یکم مئی ۱۹۸۶ کی رپورٹ کے مطابق جب نادرہ بیگم قریشی سے پوچھا گیا کہ وہ کیوں اندور کی شاہ بانو کے راستہ پر چل رہی ہے اور فوجداری قانون کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت اپنے لیے گذارہ وصول کرنا چاہتی ہے۔ (جب کہ یہ اسلام کے خلاف ہے) تو اس نے تیزی سے جواب دیا کہ اسلام نے میرے لیے کیا کیا ہے کہ میں اس کے اصولوں کی پابندی کروں۔ نہ جج اور نہ وکیل اس میں کامیاب ہو سکے کہ وہ مسز قریشی کو اپنا مقدمہ واپس لینے پر راضی کر سکیں۔ اس نے مسٹر قریشی کی اس پیش کش کو بھی رد کر دیا کہ وہ اس کو اس کی لڑکی کو دوبارہ واپس لینے پر تیار ہے۔ اس نے پیش کش ٹھکراتے ہوئے کہا۔ عدالت سے درخواست کی کہ وہ اس کو پانچ سو روپیہ ماہوار گزارہ دلائے۔ مسز شاہ بانو کے برعکس وہ ابھی جوان (۳۰ سال) ہے اور اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے:

What has Islam done for me tha i should follow its tenets? shoots back Mrs. Nadira Begum Qureshi when asked why she is following in the footsteps of Mrs. Shah Bano of Indore and seeking maintenance allowance under Section 125, Cr. P.C. Neither the judge nor lawyers Qureshi's Offer to take her and her daughter back. The offer to take her and her daughter back. The offer rejected, she called upon the court to get her Rs. 500 a month as allowance. Unlike Mrs. Shah Bano, she is young (30) and educated (Graduate)

یہ ایک نادان عورت کا کلمہ ہے نہ کہ واقف کار عورت کا کلمہ۔ مذکورہ خاتون اگر تاریخ سے واقف ہوتی تو وہ جانتی کہ عورت کو جو کچھ ملا ہے اسلام ہی کے ذریعہ ملا ہے۔ حتی کہ ایک عورت کا کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ اسلام نے میرے لیے کیا کیا۔ یہ بھی اسلام ہی کا عطیہ ہے۔ اسلام سے پہلے عورت کو یہ درجہ ہی حاصل نہ تھا کہ وہ برسر عام کھڑی ہو کر اس طرح آزادنہ کلام کر سکے۔

IqbalCyberLibrary.Net WWW. All rights reserved. ©2002-2006

خواتین اسلام

اسلام کی تاریخ خواتین کے اعلیٰ واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ خواتین کو اسلامی معاشرہ میں کتنا اونچا مقام حاصل ہے۔ اور انہوں نے اسلام کا دائرہ میں رہ کر کتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ عائشہ بنت ابی بکرؓ نہایت ذہین خاتون تھیں۔ ان کی ذہانت اسلام میں آکر نہ ضائع ہوئی اور نہ غیر استعمال شدہ رہ گئی۔ بلکہ اس نے اپنے استعمال کا نہایت اعلیٰ اور وسیع میدان پالیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کافی کم عمر تھیں۔ اس بنا پر آپ کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی تک دنیا میں رہیں اور اس پوری مدت میں امت کے لیے دین کو جاننے کے مستند ذریعہ بنی رہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایتوں کی تعداد ۲۲۱۰ تک شمار کی گئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگوؤں اور تقریروں کی نہایت صحت کے ساتھ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتی تھیں اور ان سے مسائل اخذ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ شرعی احکام کا تقریباً چوتھائی حصہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ آپ کا علم اور تفقہ اس قدر مسلم تھا کہ صحابہ کے درمیان جب کسی معاملہ میں سوال پیدا ہوتا تو وہ حضرت عائشہ سے دریافت کرتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو جب بھی کسی حدیث میں اشکال پیش آتا تو ہم عائشہؓ سے رجوع کرتے، ان کے یہاں ضرور اس کے متعلق ہم کو کوئی علم مل جاتا۔

اس قسم کی باتوں کی اصل اہمیت یہ نہیں کہ وہ اسلامی تاریخ کی ایک معزز خاتون کی فضیلت کو بتاتی ہیں۔ ان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کو کتنا بلند درجہ دیا گیا ہے۔ اور ان کی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے اسلام میں کتنا وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات اسلام کے امتیاز کو بتا رہے ہیں نہ کہ محض کسی ایک شخص کے ذاتی امتیاز کو۔

اسلام نے حضرت عائشہؓ کی صلاحیتوں کو اس حد تک ترقی دی کہ انہوں نے اہم سیاسی اور سماجی خدمات انجام دیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) میں ان کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

Aisha. the third wife of the Prophet Muhammad, who played a role of some political importance after the Prophet's death (1/167).

عائشہ جو پیغمبر محمد ﷺ کی تیسری اہلیہ تھیں۔ انہوں نے پیغمبر کی وفات کے بعد کچھ ایسے رول ادا کیے جو سیاسی اہمیت رکھنے والے تھے۔

یہاں خواتین اسلام کے سلسلہ میں چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

دو خواتین::

بخاری و مسلم نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ان کی سب سے بہتر خاتون مریم بنت عمرن تھیں۔ اور ان کے سب سے بہتر خاتون خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

فتح الباری میں طیبی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ الضمیر الاول راجع الی الامتہ التی کانت فیھما مریم والثانی الی ہذہ الامتہ۔ یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم امت یہود کی سب سے بہتر خاتون تھیں اور حضرت خدیجہ امت مسلمہ کی سب سے بہتر خاتون ہیں۔

یہ افضلیت کیوں تھی، اس پر مندرجہ ذیل دو احادیث سے روشنی پڑتی ہے:

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں مجھے خدیجہ کے سوا کسی کے اوپر غیرت نہیں آئی۔ حالانکہ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب بکری ذبح کرتے تو فرماتے کہ اس میں سے خدیجہ کی دوستوں کو بھیج دو۔ وہ

کہتی ہیں کہ ایک روز مجھے اس پر غصہ آگیا اور میں نے کہا خدیجہ!
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔خدیجہ کی محبت مجھے پلا دی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کئے بغیر گھر سے نہ نکلتے تھے۔ایک روز آپ نے خدیجہ کا ذکر فرمایا تو مجھے غیرت آ گئی۔میں نے کہا وہ ایک بڑھیا ہی تو تھیں اور اللہ نے اس کے بدلے آپ کو زیادہ بہتر دیدیا ہے۔آپ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم نہیں خدا نے مجھے خدیجہ سے بہتر نہیں دیا۔وہ ایمان لائیں جب کہ لوگوں نے انکار کیا۔انہوں نے میری تصدیق کی جب کہ لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا۔انہوں نے اپنے مال سے میری مدد کی جب کہ لوگوں نے مجھے محروم کیا۔اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی جو دوسری بیویوں سے نہ دی۔

حضرت مریم اور حضرت خدیجہ کو تاریخ کی معیاری خواتین کی حیثیت کیوں حاصل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اپنی مرضی کو خدا کی مرضی میں ملا دیا۔

یہود کے آخری زمانہ میں ایک ایسی خاتون درکار تھیں جو حضرت مسیح جیسے معجزاتی پیغمبر کی ماں بن سکیں۔اللہ تعالٰی کا یہ منصوبہ تھا کہ وہ قوم یہود کے آخری پیغمبر کو باپ کے بغیر پیدا کرے۔اس مقصد کے لئے ایسی خاتون درکار تھیں جن کی عصمت اور پاکبازی اتنی مسلم ہو کہ کسی کو ان کے بارہ میں ادنی شبہہ کی گنجائش نہ رہے۔حضرت مریم نے اپنی غیر معمولی زندگی سے اس کا ثبوت دیا۔اس لئے وہ حضرت مسیح کی ماں بنائے جانے کے لیے چن لی گئیں۔

اسی طرح آخری رسول کے حالات کے اعتبار سے ان کو ایسی خاتون کی ضرورت تھی جو اپنی زندگی اور اپنا اثاثہ پوری طرح پیغمبر کے حوالے کر دیں اور کبھی کسی بات

پر شکایت نہ کریں۔ حضرت خدیجہ کے امتیازی اوصاف کی بنا پر خدا نے ان کو اس خدمت خاص کے لئے چن لیا۔ انہوں نے اپنی زندگی اپنا اثاثہ، اپنا آرام و راحت، سب کچھ پیغمبر خدا کے لئے وقف کر دیا۔ سخت ترین مصائب کے باوجود کبھی اف نہ کیا۔ ان کی انہیں خصوصیات نے انہیں خدا کی نظر میں اس قابل بنایا کہ وہ پیغمبر آخرالزماں کی رفیقہ حیات بنیں۔

اسلام کے مشن کے لئے ہر دور میں ایسی عورتوں اور ایسے مردوں کی ضرورت ہوتی ہے جو موجودہ امتحانی دنیا میں زیر عمل لائے جانے والے خدائی منصوبہ میں اپنے آپ کو شامل کریں۔ جو خدا کے کاگ میں اپنا کاگ ملائیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بے حد صبر آزما عمل ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو قرآن میں خدا کی مدد کرنا کہا گیا ہے۔ اور بلاشبہ کسی مرد یا عورت کے لیے اس سے بڑا اور کوئی درجہ نہیں۔

بہترین رفیقہ حیات::

حضرت خدیجہ بنت خویلد رسول اللہ ﷺ کی پہلی اہلیہ تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملی اور فرشتہ جبریل نے آپ کو خدا کی پہلی وحی پہنچائی تو آپ پر اس کا شدید تاثر تھا۔ یہ واقعہ غارِ حرا میں پیش آیا تھا۔ آپ وہاں سے اتر کر اپنے مکان پر آئے اور حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس وقت حضرت خدیجہ نے جو جملہ کہا وہ تاریخ میں ان الفاظ میں محفوظ ہے۔

> ہر گز نہیں، خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور سچ بولتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور حق کا معاملہ میں ہمیشہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کو یہ خیال ہوا کہ اس بارہ میں عیسائی حضرات سے

دریافت کریں۔ کیوں کہ وہ لوگ آسمانی کتابوں کے حامل ہیں اور وحی اور نبوت کے بارہ میں معلومات رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک عیسائی راہب کے پاس گئیں جو مکہ کے قریب رہتے تھے۔ راہب نے انہیں دیکھ کر پوچھا کہ اے قریش کی معزز خاتون آپ کس لیے آئی ہیں۔حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ میں اس لیے آئی ہوں کہ آپ مجھے جبریل کے بارہ میں بتائیں کہ وہ کون ہیں۔ راہب نے کہا۔ سبحان اللہ۔ وہ خدا کا پاک فرشتہ ہے۔ وہ پیغمبروں کے پاس آتا ہے۔ وہ موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس آیا تھا۔

حضرت خدیجہ اس کے بعد ایک اور عیسائی کے پاس گئیں جس کا نام عداس تھا۔ اس سے بھی انہوں نے یہی سوال کیا۔ جبریل کون ہیں۔ عداس نے کہا جبریل خدا کے فرشتے ہیں۔ وہ موسیٰ کے پاس اس وقت تھے جب کہ اللہ نے فرعون کو غرق کیا۔ وہ عیسیٰ پر اترے اور ان کے ذریعہ اللہ نے عیسیٰ کی مدد فرمائی۔

حضرت خدیجہ اس کے بعد ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ وہ جاہلیت کے زمانہ میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ ایک بڑے عالم تھے اور انہوں نے انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے عربی زبان میں کیا تھا ورقہ بن نوفل نے حالات سننے کے بعد کہا۔ اے خدیجہ! اگر تم نے سچ کہا ہے تو یہ وہی فرشتہ ہے جو عیسیٰ پر آیا تھا۔ اب وہ محمد کے پاس آیا ہے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ ﷺ کو لے کر دوبارہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ نے آپ کی زبان سے حالات سننے کے بعد کہا آپ کو خوش خبری ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کے مسیح بن مریم نے بشارت دی تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، قوم آپ کو جھٹلائے گی اور آپ سے لڑے گی، اگر میں اس وقت زندہ رہا تو میں ضرور آپ کا ساتھ دوں گا۔ (سیرت ابن کثیر)

کامل آزادی::

قدیم عرب میں ایک رواج تھا جس کو ظہار کہتے تھے۔ ایک شخص اپنی بیوی سے

غصہ ہو کر کہہ دیتا کہ انتِ علی کظھر اُمی (تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) جو شخص ایسا کہہ دیتا اس کے متعلق سمجھا جاتا کہ اس کے بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

مدینہ میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک مسلمان حضرت اوس بن صامت نے کسی بات پر اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو ایسا ہی کہہ دیا۔ اب بظاہر خولہ اپنے شوہر کے لیے حرام ہو گئیں۔ ان کے کئی بچے تھے۔ ان کو سخت پریشانی ہوئی اور وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور پورا قصہ بتایا۔ اس وقت تک اس بارہ میں قرآن میں کوئی حکم نہیں اترا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اب ان کے لیے حرام ہو گئی۔

یہ سن کر حضرت خولہ فریاد اور شکوہ کرنے لگیں کہ گھر ویران ہو جائے گا۔ میری اولاد تباہ ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، میرے شوہر نے یہ الفاظ تو نہیں کہے کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے موافق جواب نہیں ملا تو وہ اللہ کے آگے رونے گڑگڑانے لگیں کہ خدایا مجھے اس مصیبت سے بچا میں تجھی سے اس معاملہ کی فریاد کرتی ہوں۔

اس کے بعد سورہ مجادلہ اتری جس میں ظہار کے بارہ میں اسلام کا حکم بتایا گیا ہے۔ یہ سورہ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑتی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی۔ اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا ہے۔ بے شک وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

انہیں حضرت خولہ کا واقعہ ہے۔ بعد کے زمانہ میں جب کہ حضرت عمر فاروق اسلامی سلطنت کے خلیفہ تھے۔ ایک روز آپ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت خولہ ملیں جو اس وقت کافی بوڑھی ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور پھر کہا۔ اے عمرؓ ایک وقت تھا کہ میں نے تم کو عکاظ کے بازار میں دیکھا تھا۔ اس وقت تم عُمیر کہے جاتے تھے۔ تم ہاتھ میں لکڑی لیے ہوئے بکریاں چراتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا کہ تم عمر کہے جانے لگے۔ اور اب تم امیر

المومنین کہے جاتے ہو۔ دیکھو، رعایا کہ معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اور یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کی پکڑ سے ڈرتا ہے اس کے لیے دور کا آدمی بھی قریبی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے۔ اور جو آدمی موت سے نہیں ڈرتا اس کے بارے میں ڈر ہے کہ وہ اسی چیز کو کھو دے گا جس کو وہ پانا چاہتا ہے۔

اس وقت ایک صاحب حضرت عمرؓ کے ساتھ جن کا نام جارود عبدی تھا۔ انہوں نے کہا کہ اے عورت۔ تو نے امیر المومنین کے ساتھ بہت زبان درازی کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ انہیں بولنے دو تم جانتے ہو کہ یہ کون ہیں۔ یہ وہ ہیں جب کی بات سات آسمانوں کے اوپر سنی گئی۔ عمر کو تو بدرجہ اولیٰ ان کی بات سننا چاہیے۔

تقسیم کار::

اسلام میں عورت اور مرد کے دائرہ عمل کو الگ الگ رکھا گیا ہے۔ عورت گھر کے لئے اور مرد باہر کے لئے یہ تقسیم نہ صرف اس لئے صحیح ہے کہ حیاتیاتی اور عضویاتی اعتبار سے دونوں صنفوں میں فرق ہے بلکہ اس میں بہت سے اجتماعی فائدے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس تقسیم کے ذریعہ دونوں کو ایسے قابل اعتماد ساتھی مل جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے لئے بہترین مشیر بن سکیں۔

خاندان، نسل انسانی کی اکائی ہے اور معاشرہ اس کا مجموعہ۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ زندگی کے ان دونوں میدانوں میں بار بار ایسے گھمبیر مسائل آتے ہیں جن میں وہ شخص بے لاگ رائے قائم نہیں کر پاتا جو خود مسئلہ کے اندر گھرا ہوا ہو۔ ایسے وقت میں ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی کے پاس ایک ایسا مشیر ہو جو خود مسئلہ سے متعلق نہ ہوتا کہ اس کی بات غیر متاثر ذہین کے ساتھ رائے قائم کر سکے۔

عورت اور مرد کے درمیان تقسیم عمل سے یہ فائدہ بہترین طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ عورت اپنے شعبہ میں مصروف ہوتی ہے اور مرد اپنے شعبہ میں۔ اس طرح

دونوں ایک دوسرے کے معاملات سے براہ راست طور پر غیر متعلق ہوجاتے ہیں۔ ہر فریق اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کے معاملہ میں غیر متاثر ذہن کے ساتھ سوچے اور اپنے بے لاگ مشوروں سے اس کی مدد کرسکے۔

اس بات کی وضاحت کے لئے یہاں عورت کی زندگی سے چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔

ا۔ پیغمبر اسلام ﷺ پر جب غار حرا میں وحی اتری تو آپ کانپتے ہوئے اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھادو۔ گھر والوں نے آپ کو کمبل اڑھادیا۔ کچھ دیر کے بعد جب آپ کی دہشت کم ہوئی تو آپ نے اپنی اہلیہ خدیجہ خویلد سے وہ پورا قصہ بیان کیا جو غار حرا کی تنہائی میں آپ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آپ نے فرمایا، یہ واقعہ اتنا سخت تھا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ خدیجہؓ کے اس وقت کے الفاظ جو تاریخ میں محفوظ رکھے ہیں وہ ایک رفیقہ حیات کے کردار کی نہایت اعلیٰ مثال ہیں۔ انہوں نے کہا:

> ہرگز نہیں خدا کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے یں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کے کام آتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے معاملہ میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

۲۔ نبی ﷺ نے جب قریش مکہ سے وہ معاہدہ کیا جو معاہدہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، تو صحابہ میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ کیونکہ یہ معاہدہ بظاہر دب کر کیا گیا تھا اور اس میں کئی باتیں صریح طور پر مخالفین کے حق میں تھیں۔ لوگوں میں اس قدر غم و غصہ تھا کہ معاہدہ کی تکمیل کے بعد جب آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور جو تم اپنے ساتھ لائے ہو یہیں ذبح کردو اور سر منڈالو۔ تو ایک شخص بھی اس کے لئے نہ اٹھا۔ آپ نے تین بار اپنے حکم کو دہرایا پھر بھی سب لوگ خاموش رہے اور کوئی اپنی

جگہ سے نہ اٹھا۔آپ رنج کی حالت میں وہاں سے لوٹ کر اپنے خیمے میں گئے جہاں آپ کی اہلیہ ام سلمہؓ موجود تھیں۔انہوں نے آپ کو غمگین دیکھ کر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ آج وہ ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے مسلمانوں کو حکم دیا مگر ان میں سے کوئی بھی میرے حکم کی تعمیل کے لئے نہ اٹھا۔ام سلمہؓ نے کہا۔اے اللہ کے رسول، اگر آپ کی رائے یہی ہے تو آپ میدان میں تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا قربانی کا جانور ذبح کریں اور سر منڈا لیں۔آپ خیمہ سے باہر نکلے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنی قربانی ذبح کی۔نائی کو بلا کر سر منڈایا۔جب صحابہ نے دیکھا تو سب نے اٹھ کر اپنی اپنی قربانیاں ذبح کر دیں۔اگر چہ ان کے رنج و غم کا عالم یہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو کاٹ ڈالیں گے۔

خدیجہؓ اور ام سلمہؓ کو ان نازک مواقع پر جو قیمتی بات سوجھی وہ اس لئے سوجھی کہ وہ اصل معاملہ سے الگ تھیں اور اس بنا پر اس پوزیشن میں تھیں کہ غیر متاثر ذہن کے تحت اس کے بارے میں رائے قائم کر سکیں۔ اگر وہ خود بھی معاملہ میں براہ راست شریک ہوتیں تو اس قسم کی بے لاگ رائے قائم کرنا ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔

علم اور خاتون::

مشہور حدیث ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (علم کو حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) بظاہر اس حدیث میں صرف مسلم کا لفظ ہے، مسلمہ کا لفظ نہیں ہے۔مگر علم کا حصول مسلم خواتین پر بھی فرض ہے۔محدثین نے صراحت کی ہے کہ اس حدیث میں ''مسلمہ'' کا لفظ تبعاً شامل ہے۔(ابن ماجہ)

رجال اور طبقات کی کتابوں میں مردوں کی طرح عورتوں کی علمی خدمات کے تذکرے موجود ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دور اول میں خواتین کے درمیان علم کا کافی رواج تھا۔ امام بخاری نے چودہ سال کی عمر میں علم کے لئے سفر کیا تو وہ اس

قابل ہو چکے تھے کہ بڑے بڑے اساتذہ سے استفادہ کر سکیں۔ان کے اندر یہ استعداد ان کی والدہ اور ان کی بہن نے پیدا کی تھی۔امام ابن جوزی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو ابتدائی تعلیم اپنی پھوپھی سے ملی۔ ابن ابی اصیبعہ کی بہن اور بیٹی علم طب کی ماہر تھیں اور آجکل کی زبان میں ''لیڈی ڈاکٹر'' تھیں۔امام ابن عسا کر نے فن حدیث کی تعلیم جن اساتذہ سے حاصل کی ان میں ایک سے زیادہ خواتین کا نام بھی آتے ہیں۔

دور اول میں علمی سرگرمی سب سے زیادہ احادیث اور آثار کی روایت کا نام ہوتی تھی۔اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کے ساتھ صحابیات اور مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی کثرت سے احادیث کو محفوظ کرنے اور بیان کرنے کا کام کیا ہے۔حضرت عائشہؓ نے جس طرح رسول اللہ ﷺ سے لئے ہوئے بہت سے علوم امت کو منتقل کئے اسی طرح اس زمانہ میں بہت سی خواتین ہیں جنھوں نے اپنے والدین اور اپنے رشتہ داروں سے روایات بیان کیں ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا یا آپ کے اصحاب سے علم دین کی کوئی بات پائی تھی۔ان خواتین نے اپنے رشتہ کے اہل علم سے اسلامی تعلیمات کو سیکھا اور ان کو دوسروں تک پہنچایا۔

اسلامی حوصلہ::

خنساء(م۲۴ھ) اسلامی دور کی شاعرہ ہے۔اس خاتون کا اصل نام تُماضر بنت عمرو بن الشرید سُلیمہ ہے۔خنساء اس کا لقب تھا۔بعد کو وہ اسی سے مشہور ہوگئی۔

وہ ایک بڑے خاندان میں پیدا ہوئی۔اس کا باپ مضر کے قبیلہ بنو سلیم کا سردار تھا۔اس کے دو بھائی جاہلی جنگ میں مارے گئے۔اس کا اسے بہت صدمہ ہوا۔اپنے بھائیوں کے قتل سے پہلے وہ دو یا تین اشعار سے زیادہ نہ کہتی تھی۔مگر جب وہ مارے گئے تو اس کی آنکھوں سے آنسو اور دل سے اشعار امنڈنے لگے۔اس نے دونوں بھائیوں خصوصاً صخر کے لیے انتہائی دردناک مرثیے لکھے۔وہ برابر مرثیہ کہتی رہی اور

روتی رہی یہاں تک کہ اس کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔

فتح مکہ کے بعد اپنے قبیلہ کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ کو اس نے اپنے کچھ اشعار سنائے تو آپ بہت متاثر ہوئے اور فرمایا۔ اور سناؤ خناس، چنانچہ اس نے مزید اشعار آپ کو سنائے۔

مگر جوانی کی عمر میں جو عورت اپنے بھائی کی موت کو برداشت نہ کر سکی تھی۔ اسلام نے اس کے اندر وہ طاقت پیدا کی کہ بڑھاپے کی عمر میں اس نے خود اپنے لڑکوں کو خدا کی راہ میں نثار کر دیا۔ اس کے چار جوان بیٹے تھے۔ چاروں کو اس جنگ قادسیہ جانے کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ چاروں گئے اور چاروں لڑکے شہید ہو گئے۔ جب اس کو خبر ملی کہ اس کے چاروں بیٹے ختم ہو گئے تو اس نے رونے یا مرثیہ کہنے کے بجائے نہایت صبر و سکون کے ساتھ اس خبر کو سنا اور پھر بولی۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ان کی شہادت سے عزت بخشی، میں امید کرتی ہوں کہ وہ مجھے ان سے ملا دے گا۔

جنت کے لیے صبر::

عمار، یاسر اور سمیہ کے لڑکے تھے جن کو مکہ میں اسلام دشمنوں نے سخت ترین تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ دونوں شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ کہ ابتدائی دور میں ایک بار نبی ﷺ آل یاسر کی طرف سے ایسے وقت میں گزرے جب کہ ان پر تشدد کیا جا رہا تھا۔ یاسر کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔

یا رسول اللہ، الدھیر، ھکذا (اے خدا کے رسول، زمانہ یہی ہے)

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ آلِ یاسر صبر کرو۔ تم سے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ یاسر اور ان کی بیوی سمیہ اسلام میں سے پہلے مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ماں باپ کا روح فرسا انجام دیکھنے کے باوجود عمار کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مزید یقین کے ساتھ اسلام پر جم گئے۔ راویانِ آثار و سیر کا بیان ہے کہ عمار

بن یاسر پہلے مکی مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے گھر میں مسجد بنائی۔ اسبابِ نزول کی روایات کے مطابق ذیل کی آیات انہیں کے بارے میں اتری تھی:

بھلا جو شخص اپنی راتوں کو سجدہ وقیام کی حالت میں گزار رہا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو۔ (وہ اور غافل لوگ یکساں ہیں) کہو کیا علم والے اور بے علم والے برابر ہو سکے ہیں۔ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (زمر)

میدان عمل میں::

اسماء بنت ابوبکر ہجرت سے ۲۷ سل پہلے پیدا ہوئیں۔ مکہ میں جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں کی تعداد سترہ تھی۔ حضرت ابوبکر نے نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے پاس تقریباً چھ ہزار درہم تھے، وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔

حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ جو نابینا ہو گئے تھے۔ بعد کو پوتیوں کے پاس تسلی کے لیے آئے اور کہنے لگے۔ میرا خیال ہے کہ ابوبکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے اپنے دادا سے کہا، وہ تو ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے چھوٹے چھوٹے پتھر جمع کیے۔ اور اس طاق میں بھر دیا جس میں میرے والد کے درہم پڑے رہتے تھے۔ اور ان کے اوپر ایک کپڑا ڈال کر دادا کے ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ درہم سے بھرے ہوئے ہیں۔ کہا خیر یہ ابوبکر نے اچھا کیا۔ اس سے تم لوگوں کے گزارہ کی صورت ہو جائے گی۔ اسماء کہتی ہیں کہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ میں نے صرف دادا کی تسلی کے لیے یہ صورت اختیار کی تھی۔

حضرت اسماء کی شادی حضرت زبیر سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب دونوں ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اس وقت جو حال ہوا وہ صحیح بخاری میں ان کی زبان سے

اس طرح نقل ہوا ہے۔؟

جب میرا نکاح زبیر سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائیدا۔ نہ کوئی خادم کام کرنے والا نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لاد کر لانے کے لیے تھا اور ایک گھوڑا۔ میں ہی اونٹ کے لیے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گھٹلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ میں ہی پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی۔ مجھ ہی کو گھوڑے کی ساری خدمت کرنی ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ گھر کا سارا کام بھی انجام دینا ہوتا۔ ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری میرے لیے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھ کو اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی۔ اس لیے جب روٹی پکانا ہوتا تو میں آٹا گونڈھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی۔ وہ بڑی مخلص عورتیں تھیں۔ میری روٹی بھی پکا دیتیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ پہنچے پر زبیر کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ میں وہاں کام کے لیے جایا کرتی اور وہاں سے اپنی سر پر کھجور کی گھٹلیاں لاد کر لاتی۔

ایک بار میں اس طرح آ رہی تھی اور گٹھری میرے سر پر تھی۔ راستہ میں نبی ﷺ مل گئے۔ وہ اونٹ پر آ رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ نبی ﷺ نے مجھے دیکھ کر اونٹ کو ٹھہرایا۔ اور اس کو بیٹھے کا اشارہ کیا تاکہ میں اس پر بیٹھ جاؤں۔ مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیر کو غیرت بہت زیادہ ہے ان کو ناگوار نہ ہو۔ نبی ﷺ میرے اندازے سمجھ گئے کہ مجھ کو اونٹ پر بیٹھتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ آگے بڑھ گئے۔

میں گھر پر آئی اور زبیر کو پورا قصہ سنایا۔ میں نے کہا کہ مجھے مردوں کے ساتھ اونٹ پر بیٹھتے ہوئے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا بھی خیال آیا۔ زبیر نے کہا۔ خدا کی قسم، تمہارا گھٹلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لیے اس سے بھی زیادہ گراں ہے۔

مدینہ کی زندگی میں عورتوں کے اس طرح کے کثرت سے واقعات ہیں۔اس وقت عورتیں نہ صرف گھر کا بلکہ باہر کا بھی اکثر کام کرتی تھیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ مرد زیادہ تر جہاد اور تبلیغ دین وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔ان کو موقع نہیں ملتا تھا کہ گھر کی ذمہ داریوں کو ادا کریں۔چنانچہ ان کی عورتوں نے گھر کے کاوبار کو سنبھال لیا تھا۔حتی کہ جانوروں کی دیکھ بھال اور زراعت اور باغبانی بھی وہ کرنے لگی تھیں۔

عورت کا مقام::

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔انہیں سخت عذاب کی خوشخبری دے دو۔(توبہ ۳۴) قرآن کی یہ آیت اتری تو نبیﷺ نے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔(برابر سونے کا اور برا ہو چاندی کا) یہ بات جب آپ کے اصحاب کو معلوم ہوئی تو وہ تشویش میں پڑ گئے۔انہوں نے آپس میں کہا۔(اب ہم کونسا مال جمع کریں) حضرت عمرؓ اس وقت وہاں موجود تھے۔انہوں نے کہا۔اگر تم لوگ پسند کروتو میں اس کی بابت رسول اللہﷺ سے سوال کروں۔لوگوں نے کہا۔ہاں چنانچہ وہ آپؐ کے پاس گیے اور کہا کہ آپ کے اصحاب کہہ رہے ہیں کہ کاش ہم جانتے کہ کون سا مال بہتر ہے تو ہم اسی کو جمع کرتے آپ نے فرمایا:(تفسیر ابن کثیر، جلد۲، صفحہ ۳۵۱) تم میں سے ہر ایک یہ کرے کہ یاد کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اپنائے اور ایسی بیوی اختیار کرے جو اس کے ایمان پر اس کی مدد کرے۔

ایک اور روایت میں ایمان کے بجائے آخرت کا لفظ ہے۔

عورت ہر میدان میں::

ا۔حضرت اُم سلمہ ایک بار کسی عورت سے اپنے بال گندھوا رہی تھیں اتنے میں مسجد سے خطبہ کی آواز آئی۔ نبیﷺ فرما رہے تھے۔ایہا الناس (اے لوگو) یہ سنتے ہی فرمایا بس جیسے ہے ویسے ہی باندھ دو، عورت نے کہا اتنی جلدی کیا ہے۔ابھی تو آپ

نے ایھا الناس کہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ خوب، کیا ہمارا شمار آدمیوں میں نہیں۔ یہ کہہ کر خود ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور قریب ہو کر خطبہ سننے لگیں۔ (طبقات ابن سعد) حضرت اُم سلمہ کی مرویات کی تعداد ۳۸۷ ہے۔ وہ فتویٰ بھی دیا کرتی تھیں۔ ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتوے جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ ذہین تھیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ تک شمار کی گئی ہے۔ ان سے تقریباً ایک سو صحابہ اور تابعین نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عباس، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب، عبداللہ بن عامر، مروق بن اجدع، عکرمہ اور علقمہ جیسے لوگ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ حضرت عائشہؓ ایک اعلیٰ درجہ کی فقیہ تھیں۔ جب کوئی حدیث بیان کرتیں تو اس کی علت وحکمت بھی بیان کر دیتیں۔ حضرت ابو سعید اور حضرت عبداللہ بن عمر سے جمعہ کے غسل کے بارے میں صرف اسی قدر مروی ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا چاہیے۔ مگر اسی حدیث کو حضرت عائشہؓ نے بیان کیا تو یہ بھی فرمایا کہ لوگ دور دور ہی آبادیوں سے نماز جمعہ کے لیے مدینہ آتے تھے۔ وہ گرد وغبار سے اٹے ہوتے اور پسینہ سے تر ہوتے اس لیے آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نہالیا کرو۔

۲۔ بنی غفار کی ایک عورت کہتی ہیں کہ میں اپنے قبیلہ کی کچھ عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آپ خیبر کے جہاد کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے خدا کے رسول! ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ چلیں۔ تا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، اور جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے فرمایا: علی برکتہ اللہ (اللہ برکت دے، چلو) انصاری خاتون ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزووں میں شرکت کی ہے۔ میں مجاہدین کے کجاووں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہتی، ان کے لیے کھانا

پکاتی، زخمیوں کا علاج کرتی، اور مصیبت زدوں کی نگرانی کرتی۔ اسماء بنت یزید بن سکن حضرت معاذ بن جبل کے چچا کی بیٹی تھیں۔ ان کی بابت حضرت مہاجر بتاتے ہیں کہ انہوں نے جنگ یرموک میں خیمہ کی لکڑی سے نو رومیوں کو قتل کیا۔

۳۔ مدینہ کے یہودیوں سے جنگ کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ کی چھت پر جمع کر کے حسان بن ثابتؓ کو ان کی دیکھ بھال کے لیے وہاں رکھا گیا تھا۔ صفیہ بنت عبدالمطلب بھی اسی قلعہ کی چھت پر تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے قریب سے ایک یہودی گزرا اور ہمارے قلعہ کا چکر لگانے لگا۔ اس وقت بنی قریظہ نے جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ اس وجہ سے ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راستہ کٹ گیا تھا اور وہاں کوئی نہیں تھا جو یہود کے مقابلے میں ہماری مدافعت کرے۔ رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمان دشمن کے مقابلہ پر تھے، وہ ان کو چھوڑ کر ہماری طرف نہیں آسکتے تھے۔ اتنے میں آنے والا یہودی سامنے سے گزرا۔ میں نے کہا۔ اے حسان! دیکھو یہ یہودی ہمارے قلعہ کا چکر لگا رہا ہے اور میں خدا کی قسم اس سے مامون نہیں۔ کہیں وہ ہماری اس غیر محفوظ حالت کو یہودیوں سے جا کر نہ کہہ دے، اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب جنگ میں مشغول ہیں۔ پس اترو اور اس کو جا کر قتل کر دو۔ حسان بن ثابت نے کہا۔ (خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ میں اس کام کا نہیں۔) وہ کہتی ہیں کہ جب انہوں نے مجھ کو یہ جواب دیا اور میں نے ان کے پاس مارنے کی کوئی چیز نہ دیکھی تو میں نے کمر سے کپڑا کسا اور ایک لکڑی ہاتھ میں لی۔ پھر قلعہ سے اتر کر اس کے پاس پہنچی اور اس لکڑی سے اس کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو ہلاک کر دیا۔ پھر جب میں اس سے فارغ ہو گئی تو میں قلعہ میں واپس آئی اور حسان بن ثابت سے کہا کہ قلعہ سے اتر کر جاؤ اور اس کا سامان لاؤ۔ میں صرف اس لیے اس کا سامان اتارنے سے رک گئی کہ وہ مرد تھا۔ حسان بن ثابت نے کہا۔ اے عبدالمطلب کی بیٹی مجھے اس کے سامان کی ضرورت

نہیں۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۴، صفحہ ۱۰۸)

خدا کی مدد::

ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ کے مقام پر جو دس سالہ معاہدہ کیا گیا۔ اس کی ایک دفعہ یہ تھی:

> ''قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا۔ اس کو آپ واپس کر دیں گے اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اس کو وہ واپس نہ کریں گے۔ اس معاہدے کی تکمیل کے وقت قریش کی نمائندگی سہیل بن عمرو کر رہے تھے معاہدہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو کے لڑکے ابو جندل آ گئے۔ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر مکہ والوں نے ان کو قید کر رکھا تھا۔ مکہ سے حدیبیہ (موجودہ شمیسی) تک ۱۳ میل کا فاصلہ طے کر کے وہ اس طرح آپ کے کیمپ میں پہنچے کہ اب بھی ان کے پیروں میں بڑیاں تھیں اور جسم پر مار پیٹ کے نشانات تھے۔ انہوں نے آپ سے فریاد کی کہ مجھ کو اس قید سے نجات دلائی جائے۔ صحابہ کے لیے بھی اپنے مومن بھائی کی یہ حالت دیکھ کر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ معاہدہ کی تحریر چاہے مکمل نہ ہوئی ہو، شرائط تو ہمارے اور آپ کے درمیان طے ہو چکی ہیں۔ اس لیے ابو جندل کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کرتے ہوئے ابو جندل کو ان کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ روتے ہوئے مکہ واپس گیے۔ اسی طرح ابو بصیرہ اور دوسرے مسلمان جو قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ آئے، ان کو جب معاہدہ قریش کو واپس کیا جاتا رہا۔

مگر اس کے برعکس مسلمان عورتوں کے معاملہ میں اس اصول کی پابندی نہیں کی

گئی۔ قرآن میں آیت اتری:

اے ایمان والو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کی جانچ کر لو، پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ (ممتحنہ ۱۰)

اس سلسلہ میں، مثال کے طور پر واقعہ آتا ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچیں۔ مکہ والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ام کلثوم کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ انہیں واپس لے جانے کے لیے مدینہ آئے۔ اس کے باوجود ان کو واپس نہیں کیا گیا۔

بظاہر یہ معاہدہ کی خلاف ورزی تھی۔ اور قریش کے لیے زبردست موقع تھا کہ وہ آپ کی بدعہدی کا شور مچا کر آپ کو بدنام کریں۔ مگر قریش آپ کے ساتھ انتہائی دشمنی کے باوجود، بالکل خاموش ہو گئے انہوں نے اس کے خلاف احتجاج تک نہ کیا۔ ایسا کیوں کر ہوا۔ سیرت اور تفسیر کی عام کتابوں میں اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ قاضی ابو بکر ابن عربی نے لکھا ہے کہ قریش اس لیے خاموش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس معاملہ میں ان کی زبان بند کر دی تھی۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔ مگر ان معنوں میں نہیں جن معنوں میں لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے۔

معاہدہ کے الفاظ پر غور کر کے اس کی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ دوسری اکثر روایات کی طرح معاہدہ حدیبیہ کی شرائط بھی اکثر راویوں نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر زیر بحث شرط کے متعلق مختلف روایتوں کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

آخری روایت بخاری۔ (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ) کی ہے اور باعتبار سند قوی ہونے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ غالباً معاہدہ کی مذکورہ شرط کے اصل الفاظ یہی تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے تو اس فقرہ میں رجل (مرد) کے لفظ نے مسلمانوں کو موقع دیا کہ وہ مکہ سے آئی ہوئی مسلم خواتین کو اس دفعہ سے مستثنیٰ قرار

دے سکیں۔

معاہدہ کی یہ شرط مسلمانوں کی طرف سے نہ تھی بلکہ مکہ والوں کی طرف سے تھی۔ ان کی جانب سے سہیل بن عمرو نے معاہدہ میں دفعہ کے یہ الفاظ لکھوائے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ دفعہ کے الفاظ لکھواتے وقت سہیل کے ذہن میں کوئی شخص کا مفہوم ہو جس میں عورت اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں مگر اپنے اس ذہنی مفہوم کو لفظ کی شکل دیتے ہوئے اس کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ ''رجل'' تھا جو عربی زبان میں صرف مرد کے لیے بولا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ کے مدینہ پہنچے کے بعد جب ان کے بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بہن کی واپسی کا مطالبہ کیا تو امام زُہری کی روایت کے مطابق آپ نے ان کو واپس دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: (شرط مردوں کی بارہ میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارہ میں) احکام القرآن لابن عربی، تفسیر رازی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تک خود قریش بھی غالباً اس غلط فہمی میں تھے کہ معاہدہ کی یہ دفعہ ہر طرح کے مہاجرین کے بارے میں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت مگر جب آپ نے توجہ دلائی کہ معاہدہ میں رجل (مرد) کا لفظ لکھا ہوا ہے تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لفظ کے ذریعہ مسلم خواتین کو ذلت کی واپسی سے بچالیا۔

گھر کے باہر::

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جب قرآن کی یہ آیت اتری: کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تو وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرے۔ (الحدید ۱۱) اس آیت کو سن کر حضرت ابو الدحداح نے کہا کہ اے خدا کے رسول، کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اے ابو الدحداح۔ انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، مجھے اپنا ہاتھ دکھائیے۔ روای کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے کہا

کہ پھر میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض میں دیدیا۔

ابو الدحداح کا ایک باغ تھا جس میں چھ سو کھجور کے درخت تھے۔ اس وقت ان کی بیوی ام الدحداح اپنے بچوں کے ساتھ اس باغ میں تھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو الدحداح آئے ار آواز دی کہ اے ام الدحداح، انہوں نے کہا ہاں۔ ابو الدحداح نے کہا کہ اس باغ سے نکلو۔ کیوں کہ میں نے اسے اپنے رب کو قرض میں دیدیا۔ ام الدحداح نے کہا کہ اے ابو الدحداح، آپ کا سودا کامیاب رہا۔ اور اپنا سامان اور بچے لے کر وہاں سے چلی آئیں۔ (تفسیر ابن کثیر الجزء الرابع، صفحہ ۳۰۷)

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو الدحداح کی بیوی کھجوروں کے باغ میں کام کرتی تھیں۔ اس طرح کے واقعات کثرت سے دوراوں کی مسلم خواتین کے حالات کے تحت ملتے ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے معیاری دور میں عورتیں گھر کے اندر بند ہو کر پڑی نہیں رہتی تھیں۔ بلکہ وہ گھر کے باہر کے ضروری کام بھی انجام دیتی تھیں۔ تاہم خواتین کی یہ بیرونی سرگرمیاں برائے ضرورت تھیں نہ کہ برائے تفریح۔ وہ ایک صالح خاندان کی تعمیر کے لیے ہوتی تھیں نہ کہ باہر کی دنیا میں مصنوعی مساوات کا مظاہرہ کرنے کے لیے۔

عورت کا مقام::

اسلام نے عورت کو جو باعزت مقام دیا ہے اس کی ایک علامتی مثال وہ ہے جو حضرت ہاجرہ کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ اسلام کی عبادتوں میں ایک عظیم ترین عبادت حج ہے۔ ہر صاحب استطاعت آدمی پر فرض ہے کہ وہ زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور مکہ جا کر حج کے مراسم ادا کرے۔

حج کے دوران جو اعمال کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک خاص عمل وہ ہے جس کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا کہا جاتا ہے۔ ہر آدمی خواہ عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں

پہاڑیوں کے درمیان سات بار دوڑے۔ یہ دوڑنا کیا ہے۔ یہ ایک خاتون کے عمل کی تقلید ہے جس کا نام ہاجرہ تھا۔ وہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سات بار دوڑی تھیں۔ اس لیے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ جب وہاں جائے تو وہ بھی وہاں سات بار دوڑے۔ گویا ایک عورت کی نقشِ قدم پر چلنے کا حکم تمام انسانوں کو دے دیا گیا۔

چار ہزار سال پہلے مکہ بالکل غیر آباد تھا۔ اس وقت حضرت ابراہیم خدا کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور ان کے چھوٹے بچے (اسماعیل) کو لے کر یہاں آئے اور اس بے آب وگیاہ علاقہ میں ان کو بسا دیا۔ تاکہ یہاں کے آزاد ماحول میں ایک زندہ قوم بنے اور بعد کو پیغمبر آخرالزماں کا ساتھ دے کر انقلابی کردار ادا کرے۔

حضرت ابراہیم جب حضرت ہاجرہ کو اس خشک مقام پر چھوڑ کر چلے گئے تو ایک بار پانی کی تلاش میں وہ صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات بار دوڑیں۔ یہی وہ عمل ہے جس کی تقلید میں ہر حاجی آج بھی دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات بار سعی کرتا ہے۔ یہ اللہ کے لیے سرگرم ہونے کا ایک سبق ہے جو تمام مردوں اور عورتوں کو ایک خاتون کے عمل کی پیروی کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

عورت کی عظمت کا شاید اس سے بڑا کوئی مظاہرہ نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ کے لیے تمام مردوں کو ایک عورت کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دے دیا جائے۔

تجربہ کی زبان میں

اسلام میں عورت کی حیثیت کے بارہ میں پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ راقم الحروف کے محض ایک نظری بات نہیں اور نہ وہ صرف ایک تاریخی بات ہے جس کو میں نے قدیم اوراق میں پڑھ لیا ہو۔ اسی کے ساتھ یہ میرا ذاتی تجربہ بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تعلیمات کو میں نے نہ صرف قرآن وحدیث میں اور اسلام کی تاریخ میں پڑھا ہے بلکہ ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے واقعہ بنتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

میرا یہ تجربہ قدرتی طور پر میرے اپنے گھر کی خواتین سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلامی حدود کی بنا پر ایک مسلمان اپنے گھر کی خواتین ہی سے پوری طرح باخبر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے گھر کے تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کی حدود میں رہ کر عورتیں وہ سب کچھ کر سکتی ہیں جن کی زندگی کی تعمیر کے لیے ضرورت ہے یا کبھی ضرورت ہو سکتی ہے۔

ان تجربات کو میں زیادہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اپنی سوانح عمری میں لکھوں گا۔ البتہ ایک تجربہ یہاں تحریر کرتا ہوں جو میری والدہ مرحومہ سے متعلق ہے۔ میری ولدہ کا نام زیب النساء (بنت خدابخش) تھا۔ وہ اعظم گڈھ کے ایک دیہات (سجرپور) میں انیسویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئیں اور ۸ اکتوبر ۱۹۸۵ کو دہلی میں انتقال فرمایا۔ بوقت انتقال ان کی عمر تقریباً ایک سو سال تھی۔

والدہ کی تعلیم بس اتنی ہوئی تھی کہ وہ قرآن کی تلاوت کر سکتی تھیں اور معمولی اردو کی کتاب اٹک اٹک کر پڑھ لیتی تھیں۔ تاہم وہ پوری طرح ایک مذہبی خاتون تھیں۔ نماز روزہ کی سختی سے پابند تھیں۔ حج بھی نہایت ذوق وشوق سے کیا تھا۔ ان کو میں نے کبھی جھوٹ بولتے یا اورکوئی غیر اخلاقی فعل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ساری عمر وہ مکمل طور پر پردہ دار رہیں۔ وہ پورے معنوں میں ایک با اصول اروایک باکردار

خاتون تھیں۔

میرے والد فرید الدین خاں مرحوم کا انتقال ۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ کو ہوا۔ وہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے زمیندار تھے۔ ایک روز وہ حسب معمول قریب کے گاؤں (نوادہ) اپنی چھاؤنی پر گئے ہوئے تھے۔ وہاں ان پر فالج کا دورہ پڑا۔ بے ہوشی کی حالت میں چارپائی پر لٹا کر گھر لائے گیے۔ اس کے بعد وہ کچھ بول نہ سکے۔ بے ہوشی کی حالت میں اگلے دن ان کا انتقال ہو گیا۔ والدہ اچانک بیوہ ہو گئیں۔ اس وقت ہم لوگ پانچ بہن بھائی تھے۔ بڑے بھائی عبدالعزیز خاں کی عمر تقریباً آٹھ سال تھی۔ میری عمر پانچ سال اور چھوٹے بھائی عبدالحفیظ خاں کی عمر صرف ایک سال۔ اسی طرح دونوں بہنیں بھی چھوٹی عمر میں تھیں۔ بہنوں کا انتقال والدہ کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ ہم تینوں بھائی خدا کے فضل سے تادم تحریر زندہ ہیں۔

اس وقت والد کا انتقال ہمارے لیے ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص تاڑ سے اچانک زمین پر گر پڑے۔ اس کی وجہ تمام تر مصنوعی تھی نہ کہ حقیقی۔ مخصوص اسباب کے تحت جو دور زراعت میں اکثر مشترک خاندانوں میں پیش آتے رہے ہیں، والد کے انتقال کے بعد ہمارے گھر کا ماحول ہمارے لیے غیر موافق ہو گیا۔ بعض رشتہ داروں کے زیر اثر ایسا ہوا کہ اکثر افراد کا سلوک ہمارے ساتھ وہ نہ رہا جو کہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ صورت حال اتنی بڑھی کہ ہم گھر کے اندر اجنبی بن گئے۔ حتی کے زمین دار ہوتے ہوئے، کم از کم وقتی طور پر ہمارا یہ حال ہوا جیسے کہ ہم بے زمین ہوں۔ جیسے کہ گھر کی چیزوں میں ہمارا کوئی حصہ ہی نہ ہو۔ ہم لوگ اپنے ماحول میں بے سروسامان بھی ہو گئے اور اسی کے ساتھ حقیر بھی۔

ہمارا آبائی مکان بہت بڑا تھا۔ مگر والد کے انتقال کے بعد ہم نے اپنے آپ کو ایک ایسے گھر میں پایا جو گھوڑے کے اصطبل کے لیے بنایا گیا تھا اور اب کھنڈر ہو جانے کی وجہ سے اصطبل کے طور پر بھی استعمال نہیں ہو رہا تھا۔ مزید یہ کہ گھر میں نہ

کھانے کے لیے سامان تھا اور نہ ضروری چیزوں کی خریداری کے لیے پیسہ۔ اس حالت میں لوگ والدہ کو طرح طرح کے مشورے دینے لگے۔ کسی نے کہا کہ آپ دوسرا نکاح کرلیں۔ کسی نے کہا کے میکے چلی جائیں۔ کسی نے کہا کہ مقدمہ کے ذریعہ اپنی جائیداد حاصل کریں۔ مگر والدہ نے اس قسم کی تمام مشوروں کا ماننے سے انکار کردیا۔ ایک بہادر اسلامی خاتون کی طرح انہوں نے حالات سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ میں ان کا سارا انحصار صرف دو چیزوں پر تھا۔ اللہ سے دعا اور اپنے دست وبازو کی محنت۔

والدہ کے میکے میں بہت بڑی زمینداری تھی۔ مزید یہ کہ ہمارے نانا مرحوم نے اپنی موت سے پہلے تقریباً ۱۲۰ ایکڑ زمین والدہ کے نام لکھدی تھی۔ مگر والدہ نے اس معاملہ میں مکمل استغناء کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اپنے میکہ سے نہ کبھی زمین کا مطالبہ کیا اور نہ اپنی حالت بیان کرکے ان سے مدد کی درخواست کی۔ وہ توکل علی اللہ کا زندہ نمونہ بن گئیں۔

میں نے دیکھا کہ وہ صبح اندھیرے بستر سے اٹھ جاتیں اور فجر کی نماز پڑھ کر سارے دن مسلسل کام کرتی رہتیں۔ رات کو دیر سے عشاء کی نماز پڑھ کر سوتیں۔ وہ کیا کام تھا جس میں وہ پانے گھر کے اندر سارے دن مصروف رہتی تھیں۔ انہوں نے یہ کیا کہ گھر کے اندر مرغیاں پال لیں۔ اسی کے ساتھ ان کے یہاں بہت سی بکریاں پلی ہوئی تھیں۔ یہ ان کا مستقل کاروبار تھا۔ والدہ کے اسی ذوق کی وجہ سے مجھے پیغمبروں کی اس سنت پر عمل کرنے کا موقع ملا کہ میں نے اپنے بچپن میں بکریاں چرائیں۔ اپنے سب بھائیوں میں صرف مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

اسی کے ساتھ والدہ نے سلائی کا کام بھی شروع کردیا۔ اس زمانہ میں سلائی کی مشین عام نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ گاؤں کے لوگوں کے کپڑے وہ ہاتھ سے سیتی تھیں۔ اس سلائی کی کوئی اجرت مقرر نہ تھی۔ وہ رضا کارانہ طور پر کپڑے سیتی تھیں

اور لوگ بھی رضا کارانہ طور پر غلہ وغیرہ ہمارے یہاں پہنچا دیا کرتے تھے۔ بعد کو والدہ نے بھینس بھی پال لی۔ اسی کے ساتھ وسیع کھلے ہوئے صحن میں وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور پپیتے وغیر بو دیتی تھیں جس سے کافی فصل نکلتی تھی۔ والدہ مرحومہ کی اس زندگی سے متاثر ہو کر ایک بار یہ شعر میری زبان پر آ گیا تھا۔

مرغی بکری سبزی پھل

ہے مومن کی معاش کا حل

اس زمانہ میں ایک عورت نے والدہ کی حالت کو دیکھ کر کہا تھا۔ آپ کو بلی کے بچوں کی رکھوالی ملی ہے۔ یہ تبصرہ لفظ بلفظ درست تھا۔ ہم لوگ اس زمانہ میں واقعہ بلی کے بچوں کی مانند تھے۔ والدہ نے اگر غیر معمولی قربانی کے ذریعہ ہماری پرورش نہ کی ہوتی تو شاید ہم لوگوں کا وہی انجام ہوتا جو بلی کے چھوٹے بچوں کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی ماں کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہوں۔

ہم لوگوں کی پرورش اور دیکھ بھال کے سلسلہ میں والدہ نے برسہا برس تک جو کچھ کیا اور جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا، ان کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ کیوں کہ وہ خود ایک مستقبل کتاب ہے۔ اس وقت ہماری جو معاشی حالت تھی۔ اسکا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار مجھے غلیل بنانے کا شوق ہوا۔ غلیل کا ربر اس وقت ایک پیشہ میں ملتا تھا۔ مگر ہمارے گھر میں ایک پیسہ موجود نہ تھا۔ جس کے ذریعہ میں ربر خرید سکوں۔ ایک صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے مجھے ایک پیسہ دیا اور میں نے دکان جا کر غلیل کا ربر خریدا۔ یہ میرا حال اس وقت تھا جب کہ علاقہ کے سب سے بڑے زمیندار خاندان کا ایک فرد تھا۔

والد مرحوم کے انتقال کے بعد ہم معاشی اعتبار سے صفر کے درجہ میں پہنچا دیے گئے تھے۔ ایسی حالت میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ والدہ کو کیا کچھ مشقت اٹھانی پڑی ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے عورت ہوتے ہوئے مردوالا کام کیا۔ گھر میں رہ کر

باہر کی دنیا پر اثر انداز ہوئیں۔ حالات نے انہیں اپنا معمول بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ مگر انہوں نے خود حالات کو اپنا معمول بنا لیا۔ انہوں نے اسلام کے حدود میں رہ کر وہ سب کچھ کیا جس کو کرنے کے لیے غیر ضروری طور پر خواتین کو اسلام کی حدود سے باہر نکالنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

والدہ نے جو کچھ کیا وہ اسلامی جذبہ کے تحت کیا۔ وہ ہمیشہ انسانوں کے بجائے خدا کی طرف دیکھتی تھیں اور دنیا کے اعتبار سے سوچنے کے بجائے آخرت کے اعتبار سے سوچتی تھیں۔ تاہم انہوں نے جو کچھ کہا وہ سادہ طور پر محض روایتی دینی ذہن کے تحت تھا۔ وہ کوئی صاحب علم خاتون نہ تھیں کہ اپنے عمل کے فلسفیانہ پہلوؤں پر غور کر سکیں۔ مگر آج جب میں اپنی ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر سوچتا ہوں تو مجھے ان کے عمل انتہائی عظیم نظر آتا ہے۔ حتی کہ اس کے مقابلہ میں مجھے یہ بات بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہے کہ وہ گھر سے باہر نکل کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتیں اور پھر کسی دفتر کی شاندار کرسی پر بیٹھی ہوئی نظر آتیں۔

والدہ نے اپنی مذکورہ قربانی سے نہ صرف بچپن میں ہماری پرورش کی بلکہ ان کے اسلامی مزاج نے انہیں اس قابل بنایا کہ وہ ہمیں اس سے بھی زیادہ بڑا عطیہ دے سکیں۔ یعنی خدا کی دنیا میں کامیابی اور ترقی کا راز۔ وہ راز تھا مثبت طرز فکر اور حقیقت پسندی کا مزاج جو ہم تینوں بھائیوں کو مشترک طور پر ملا۔ ہمیں یہ عطیہ دینے والی تنہا ہماری والدہ تھیں۔

مجھے یاد ہے کہ والد کے انتقال کے بعد ہمارے رشتہ کے ایک ماموں شیخ عبد الغفور) برابر ہمارے یہاں آنے لگے۔ وہ زبردست مقدمہ باز آدمی تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ والدہ اپنے میکے کی بیس ایکڑ زمین کے لیے عدالت میں مقدمہ کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ صرف دعوے کے کاغذ پر دستخط کر دیجئے۔ باقی سب کام میں خود کروں گا اور یہ ساری زمین آپ کو مل جائے گی۔ غالباً وہ برسوں تک ہمارے یہاں

آتے رہے۔ مگر والدہ کسی قیمت پر مقدمہ کرنے کے لیے راضی نہیں ہوئیں۔

دوسری طرف ہم لوگوں کی اپنی آبائی جائداد کا معاملہ تھا جس سے محرومی ہر آن زندہ اشتعال بن کر ہمارے سامنے کھڑی ہوئی تھی اور یہ دعوت دیتی تھی کہ اپنا حق وصول کرنے لیے لڑو۔ بعد کو بعض لوگوں کے کہنے پر ہمیں کچھ زمینیں دی گئیں مگر وہ عملاً نہ دینے کے برابر تھا۔ کیوں کہ جتنی بے کار اور بنجر زمینیں تھیں وہ چھانٹ کر ہمارے حوالے کر دی گئیں۔ یہ صورت حال فریق ثانی کے خلاف لامتناہی لڑائی چھیڑنے کے لیے بالکل کافی تھی۔ مگر والدہ نے یہاں بھی صبر کے سوا کسی اور چیز کے لیے کبھی نہیں سوچا۔ وہ اکثر ہم لوگوں کو صبر کی تلقین کرتیں اور اس سلسلہ میں ایک دیہاتی شاعر کا یہ شعر ہمیں سناتیں۔

صبر بدلے میں دائم بھشت پائم

اس وقت ہمارے جو خاندانی حالات تھے وہ مکمل طور پر ہم کو منفی سوچ کی طرف لے جانے والے تھے۔ یہی وہ حالات ہیں جن میں کسی خاندان کے افراد مقدمہ بازیوں میں الجھتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی لڑائی جھگڑے برپا ہوتے ہیں۔ قیمتی زندگیاں ہلاک ہوتی ہیں۔ لوگ مستقل طور پر تخریبی کارروائیوں کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ والدہ کو اس وقت ردعمل کا طریقہ اختیار کرتیں تو ان کے بچوں کا جو حال ہوتا وہ یہ کہ وہ منفی ماحول میں پلتے۔ ان کے اندر تخریبی احساسات جنم لیتے۔ ہم میں سے ہر ایک ضد اور انتقام کی نفسیات کا کارخانہ بن کر رہ جاتا۔

مگر والدہ مرحومہ کے یک طرفہ صبر نے ہماری زندگیوں کا رخ بدل دیا۔ والدہ کے زیر سایہ ہم سب بھائیوں کے اندر یہ سوچ ابھرنے لگی کہ ہمیں دوسروں سے نہیں لڑنا ہے۔ ہمیں خود اپنی محنت کے بل پر اپنے آپ کو اوپر اٹھانا ہے جو کچھ ہم سے چھینا گیا تھا اس سے ہماری نظریں ہٹ گئیں۔ ہماری ساری توجہ اس چیز پر لگ گئی جو چھیننے کے بعد بھی ہمارے پاس ابھی تک باقی تھا۔ یعنی خدا کا دیا ہوا انسانی وجود۔

آج تو میں اس حقیقت کو شعوری طور پر جان رہا ہوں۔ مگر اُس وقت یہ مزاج غیر شعوری طور پر صرف والدہ کی تربیت کے نتیجہ میں ہمارے اندر پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ ہم تینوں بھائیوں کا معاملہ یہ ہوا کہ ہم لوگ مقامِ نزاع سے ہٹ گئے۔ ہم میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی غیر نزاعی مقام پر اپنے لیے عمل کا میدان تلاش کرلیا۔ ہم تینوں بھائیوں کی راہ اگرچہ الگ الگ بنی۔ مگر ذہن سب کا ایک تھا۔ یعنی اندرونی بے انصافیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے باہر کی وسیع دنیا میں اپنے لیے راہ عمل تلاش کرنا۔ انسان سے نہ پاکر خدا سے پانے کا طلب گار بننا۔

ہمارے بڑے بھائی عبد العزیز خاں صاحب اپنی زندگی کے اگلے مرحلہ میں تجارت کے راستہ پر لگ گئے۔ ۱۹۴۴ میں وہ ہجرت کرکے شہر اعظم گڈھ گے۔ وہاں انہوں نے تقریباً بے سرمایہ ایک تجارتی کام کا آغاز کیا۔ وہ برابر شدید جدوجہد کرتے رہے۔ ۴۰ برس بعد اب الہ آباد میں ان کا لائٹ اینڈ کمپنی لمیٹڈ کے نام سے بجلی کا سامان بنانے کا کارخانہ ہے اور وہ اس کے چیرمین ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد وہ اپنے خاندان کے سب سے زیادہ حقیر فرد شمار کیے جاتے تھے۔ آج وہ وسیع خاندان کے سب سے زیادہ معزز فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حتی کہ انہوں نے آبائی جائیداد کی نئی تقسیم کرا کر اپنا پورا حق دوبارہ لے لیا جو اس سے پہلے انہیں نہیں دیا گیا تھا۔

میرے چھوٹے بھائی عبد المحیط خاں سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم کی طرف گئے۔ لمبی جدوجہد کے بعد انہوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ انجینئرنگ کی ڈگری لی اور اب وہ حکومت یوپی کی ٹیکنیکل ایجوکیشن کے محکمہ کے ڈپٹی ڈائرکٹر ہیں۔ اپنے انتھک عمل، اپنے بے داغ کردار اور اپنی با اصول زندگی کے نتیجہ میں وہ پورے محکمہ میں ایک ممتاز شخصیت کے مالک بن گئے ہیں۔

راقم الحروف کی توجہ دینی تعلیم کی طرف ہوئی۔ اولاً میں نے عربی درس گاہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد میں نے زبردست کوشش سے انگریزی زبان و علوم کو

پڑھا۔ اب اللہ کی توفیق سے میں جو کام کر رہا ہوں اس سے ان سطروں کے قارئین بخوبی واقف ہیں۔

۱۹۷۶ میں ماہنامہ الرسالہ کے اجراء کے بعد سے جو کام میں کر رہا ہوں۔ اس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ میں مسلمانوں کو یہ سبق دے رہا ہوں کہ وہ منفی سوچ سے اوپر اٹھیں اور مثبت سوچ کا طریقہ اختیار کریں۔ الرسالہ کی یہ تحریک اب خدا کے فضل سے مسلم دنیا کی ایک طاقتور تحریک بن چکی ہے۔ مجھ کو اکثر اہل علم کی طرف سے زبانی یا تحریری طور پر ایسے تبصرے ملتے رہتے ہیں جن میں اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ دور جدید میں الرسالہ کی تحریک پہلی اسلامی تحریک ہے جس نے مسلمانوں کو منفی کارروائیوں سے ہٹا کر مثبت تعمیر کی راہ میں ڈالنے کی کوشش کی۔

ایسے تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اگر یہ واقعہ ہے اس کا کریڈٹ سب سے زیادہ اس مسلم خاتون کو جاتا ہے جس کا نام زیب النساء تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس عالم مادی میں اگر کوئی ہے جس کو الرسالہ کی تعمیری تحریک کا ابتدائی بانی سمجھا جا سکے تو وہ یقیناً میری والدہ زیب النساء ہیں، وہ زیب النساء، جو نام نہاد آزادی نسواں کی تحریک سے نہ صرف بہت دور تھیں بلکہ وہ اس کا نام بھی جانتی تھیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ والدہ محترمہ کے لیے وہ ایک غیر شعوری معاملہ تھا۔ اور میری ذات میں اللہ تعالیٰ نے اس شعوری دریافت تک پہنچایا ہے۔

میں اپنی قریبی رشتہ داروں میں ایک سے زیادہ ایسے افراد کو جانتا ہوں جو کم عمری میں ماں کی سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پوری زندگی بربادی کا نشان بن کر رہ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں کے روپ میں عورت کا رول انسانی زندگی میں بہت زیادہ ہے۔

عبداللہ زبیر کی ماں (اسماء) نے ان کو ایک بڑے اقدام پر ابھارا۔ چنانچہ ایک شخص جو اقدام کا ارادہ چھوڑ چکا تھا، وہ دوبارہ اقدام کے لیے آمادہ ہو گیا۔ شہنشاہ

اکبر کی ماں (مریم مکانی) نے اکبر کو ملا عبدالغنی کے خلاف کاروائی سے روکا۔ چنانچہ اکبر ان کے خلاف سخت کاروائی کرنے سے باز رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔

راقم الحروف اگر بچپن میں ماں سے محروم ہو جاتا۔ یا اگر مجھ کو ایسی ماں ملتی جو مجھ اپنے "دشمنوں" کے خلاف لڑنے جھگڑنے پر اکساتی رہتی تو یقینی طور پر میری زندگی کا رخ بالکل دوسرا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے انجام سے بچایا اور مجھ کو اپنی ایک صداقت کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا۔ تاہم اس عالم اسباب میں جو ہستی اس واقعہ کا ابتدائی ذریعہ بنی وہ یقیناً ایک خاتون تھی اور وہ بھی اسلامی اصول کے مطابق ایک خانہ نشین خاتون۔

باب سوم

زوجین کے حقوق::

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔ یہ الفاظ تمثیل کے انداز میں بتاتے ہیں کہ قرآن کے نزدیک عورت اور مرد ایک دوسرے کے لیے کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے لباس کی مانند ہیں۔ جسم لباس کے بغیر ادھورا ہے اور لباس جسم کے بغیر بے معنی ہے۔ یہی معاملہ مرد اور عورت کا ہے۔ لباس اور جسم کے درمیان جو مادی تعلق ہوتا ہے۔ وہی تعلق زیادہ گہرے نفسیاتی معنی میں عورت اور مرد کے درمیان پایا جاتا ہے۔

ایک چڑیا اپنے پروں کے ساتھ کس قدر خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر چڑیا کے تمام پر اس کے جسم سے جدا کر دیے جائیں تو اس کا پورا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا۔ چڑیا کے لیے اس کے پروں کی جو اہمیت ہے وہی اہمیت انسان کے لیے اس کے لباس کی ہے۔ لباس کے بغیر انسان ویسا ہی ہے جیسے پروں کے بغیر چڑیا۔

لباس کی مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کے لیے کتنی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ عورت اور مرد ایک دوسرے کے سب سے زیادہ قریبی ساتھی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے آخری حد تک جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم اور ملزوم ہیں۔ عورت کے بغیر مرد کا وجود ادھورا ہے اور مرد کے بغیر عورت کا وجود ادھورا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے تقویت ملتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا پردہ ہیں۔ ایک انگریزی مفسر کے الفاظ ہیں، دونوں ایک دوسرے کے لیے اسی طرح موزوں ہیں جس طرح لباس جسم کے اوپر موزوں ہوتا ہے۔

Fitting into each other as a grament fits the body.

مرد اور عورت کے درمیان پیدائشی طور پر صنفی کشش رکھی گئی ہے۔ مرد کے لیے عورت کے اندر کشش ہے اور عورت کے لیے مرد کے اندر کشش ہے یہی وہ بات ہے جو قرآن میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے۔

> اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہاری جنس سے جوڑے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کریں۔

اس فطری تعلق کی بنا پر عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں۔ اب ایک صورت یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان آزادانہ اختلاط ہو۔ مگر یہ طریقہ فطرتِ انسانی کے سراسر خلاف ہے۔ انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ جو چیز اس کی ہے وہ صرف اسی کے لیے خاص رہے۔ اس لیے آزادانہ صنفی تعلق کا طریقہ انسانی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

اکثر غلط طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انسان ایک اخلاقی حیوان ہے۔ انسان اور حیوان میں جسمانی مشابہت ہے۔ مگر اخلاقی اعتبار سے انسان کا معاملہ حیوانات سے یکسر مختلف ہے۔ حیوانات اپنے اندر کوئی اخلاقی احساس نہیں رکھتے۔ مگر انسان کے اندر اخلاقی احساس موجود ہے۔ اس اخلاقی احساس اور دوسرے تمدنی مصالح کا تقاضا ہے کہ مرد اور عورت آزادانہ طور پر جنسی تعلق قائم نہ کریں۔ بلکہ اخلاقی پابندیوں کے دائرہ میں رہ کر اپنے جنسی تقاضے پورے کریں۔ اسی مصلحت کی بنا پر شریعت میں نکاح کا طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ کچھ متعین رشتوں کو حرام قرار دیتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کا رشتہ قائم کر کے خاندانی زندگی گزاریں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

اوران (حرام عورتوں) کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ بشرطیکہ تم اپنے مال کے ذریعہ سے ان کے طالب بنو۔ان کو قید نکاح میں لے کر نہ کہ بدکاری کے طور پر۔

عورت اور مرد کے درمیان فطری طور پر صنفی کشش پائی جاتی ہے۔اس صنفی کشش کی اخلاقی تنظیم کا دوسرا نام نکاح ہے۔انسانی نفسیات، حیاتیاتی حقائق اور تمدنی مصالح سب کا مشترک تقاضا ہے کہ عورت اور مرد کا صنفی تعلق منظم انداز میں ہو۔اور اس تنظیم کے لیے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔نکاح کا طریقہ انسانی طریقہ ہے اور نکاح کے بغیر جنسی تعلق کرنا غیر انسانی طریقہ۔

شریکِ حیات::

مرد اور عورت (یا میاں اور بیوی) کے حقوق و فرائض جس بنیادی اصول کے تحت متعین ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے شریک حیات ہیں۔ یہ بنیادی اصول قرآن کی اس آیت سے نکلتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عورت اور مرد آپس میں ایک دوسرے کا جز ہیں (بعضکم من بعض، آل عمران ۱۹۵) عورت اور مرد کی یہ باہمی حیثیت کہ وہ ایک دوسرے کی زندگی کا حصہ یا ایک دوسرے کے رفیقِ حیات ہیں، یہی وہ بنیادی اصول ہے جس سے یہ متعین ہوتا ہے کہ ایک کے اوپر دوسرے کا حق کیا ہے، اور ایک کو دوسرے کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے۔

اس اعتبار سے جدید تہذیب اور اسلامی شریعت کا فرق ایک لفظ میں یہ ہے کہ جدید تہذیب عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا ہمسر قرار دیتی ہے۔اور اسلامی شریعت کے نزدیک عورت اور مرد ایک دوسرے کے شریک حیات ہیں۔اسی فرق میں دونوں کے معاشرتی نظام کے فرق کو دیکھا جاسکتا ہے۔

دین فطرت ::

اسلام فطرت کا دین ہے۔ اسلام کی تعلیمات فطرت کے سادہ اصولوں پر مبنی ہیں۔عورت اور مرد کے باہمی تعلق کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔اس معاملہ میں اسلام نے چند سادہ اصول مقرر کردیئے ہیں۔ یہ سادہ اصول ہر ایک کے لیے قابل عمل ہیں۔اگر ان کی سنجیدگی کے ساتھ اختیار کرلیا جائے تو ہر خاندان سکون اور عافیت کا گہوارہ بن جائے گا۔

عورت اور مرد کے تعلق کے بارہ میں فقہاء اسلام نے بہت سی تفصیلات وضع کی ہیں۔مگر یہاں ہم کو ان فقہی تفصیلات سے کوئی بحث نہیں ہے۔ہم صرف وہ بنیادی اصول بیان کریں گے جو قرآن وحدیث میں مقرر کیے گئے ہیں۔ اور جو دراصل اسلامی طرز معاشرت کی اساس ہیں۔اس معاملہ کی فقہی اور جزئی تفصیلات پر ہر زبان میں کتابیں موجود ہیں۔دلچسپی رکھنے والے لوگ انہیں ان کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

عورت کے مقابلہ میں مرد کی حیثیت ::

عورت اور مرد جب باہم ازدواجی زندگی میں منسلک ہوتے ہیں تو اس کے بعد لازمی طور پر ایک اجتماعی ادارہ وجود میں آتا ہے جس کا نام خاندان ہے۔ہر اجتماعی ادارہ کی طرح اس اجتماعی ادارہ کی بھی ایک ضرورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس ادارہ کا ناظم اور نگراں کون ہو۔اسلام نے خاندانی ادارہ کے انتظام اور نگرانی کے لیے مرد کا انتخاب کیا ہے۔ (الرجال قوامون علی النساء، النساء ۳۴)

مرد کو قوام بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد عورت سے افضل ہے۔ یہ تقرر انتظامی بنیاد پر ہے نہ کہ افضلیت کی بنیاد پر۔ جمہوری نظام میں ہر آدمی کے لیے یکساں درجہ تسلیم کیا گیا ہے۔اس کے باوجود جب حکومت قائم کی جاتی ہے تو ایک شخص کو حاکم (بالفاظ دیگر قوام) مقرر کیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ

حاکم دوسرے شہروں کے مقابلہ میں افضل یا برتر ہے۔ جمہوری نظام میں صدر یا وزیر اعظم کا ووٹ بھی ایک ہوتا ہے جس طرح عام افراد قوم کا صرف ایک ووٹ ہوتا ہے، اس کے باوجود انتظامی مصلحت کے تحت ایک شخص کو دوسروں کے اوپر حاکمانہ اختیار تفویض کیا جاتا ہے۔

انتظامی تقسیم کے علاوہ درجہ کے اعتبار سے عورت اور مرد دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک عورت اگر ایک مرد کو قتل کرے تو جرم ثابت ہونے کے بعد عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح ایک مرد اگر ایک عورت کو قتل کر دے رتو جرم ثابت ہونے کے بعد مرد سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

ان الرجل یقتل بالمراءۃ (بے شک عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے گا۔

شریعت کی نظر میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی قانونی تفریق نہیں۔ جو قانون مرد کے لیے ہے وہی قانون عورت کے لیے بھی ہے۔ جو چیز ایک کے لیے ہے وہی دوسرے کے لیے ہے، جو چیز ایک کے لیے نہیں وہ دوسرے کیلئے بھی نہیں۔

مہر::

نکاح کے بعد سب سے پہلی ذمہ داری جو مرد کے اوپر اپنی بیوی کے سلسلہ میں عائد ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ مقررہ مہر اسے ادا کرے۔ (واتو النساء صدقاتھن نحلتہ، النساء۴) یہ مہر عورت کے اوپر حقوق زوجیت حاصل کرنے کا معاوضہ نہیں ہے۔ حقوق زوجیت کا معاملہ اس سے زیادہ قیمتی ہے کہ مہر کے مروجہ رقم اس کا معاوضہ بن سکے۔ مہر کہ یہ رقم دراصل ایک علامتی رقم ہے۔ وہ ہونے والی بیوی کے لیے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی ایک مادی علامت ہے جو مرد کو زندگی کے آخری لمحہ تک ادا کرنا ہے۔

یہ ذمہ داری کیا ہے۔ یہ ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تا حیات عورت کا نگراں اور کفیل

رہے گا۔ خاندانی تنظیم میں شریعت نے اصلاً عورت کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ گھر کو سنبھالے ۔وہ اگلی نسل کی پرورش اورتربیت کرے ۔ یہ کام ایک غیر نفع آور کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کی کفالت کو مرد کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اگر عورت کے اوپر بیک وقت دونوں ذمہ داری ڈال دی جائے ۔وہ گھر کے نظام کو بھی سنبھالے اور اسی کے ساتھ وہ اپنی معاش بھی پیدا کرے ۔تو وہ دونوں میں سے کسی کام کو بھی ٹھیک طور پر انجام نہ دے سکے گی ۔اس لیے اس کی معاشی کفالت کو مرد کے ذمہ رکھا گیا ہے تا کہ گھر کے نظام کے اعلیٰ بندوبست کی ضمانت ہو سکے ۔ازدواجی تعلق کا آغاز میں مہر کی صورت میں ایک رقم دے کر مرد علامتی طور پر یہی عہد کرتا ہے ۔

نفقہ::

مہر کے ذریعہ مرد جو علامتی عہد کرتا ہے ۔اس کی متعین مالیاتی صورت کو نفقہ کہا جاتا ہے۔ ہر عہدہ اپنے ساتھ ذمہ داری لاتا ہے۔ مرد کا قوام ہونا ایک عہدہ ہے اور اس عہدی کی ذمہ داری کا نام نفقہ ہے ۔قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

> مرد عورتوں کے اوپر قوام ہیں ۔اس لیے کے اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انھوں نے اپنے مال خرچ کیے۔

گھر کی ریاست میں مرد کو قوام (سربراہ) بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ عورت کے اوپر مرد کی پیدائشی فضیلت ہے ۔تاہم اس مرادمطلق یا کلی فضیلت نہیں ہے ۔ بلکہ اس سے مراد صرف وہ فضیلت یا خصوصیت ہے جو مرد کے لیے قوامیت کا استحقاق ثابت کرتی ہے۔ آیت میں بعض کو بعض پر فضیلت کا لفظ ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی اعتبار سے دوسرے کے اوپر فضیلت حاصل ہے ۔قوامیت کے لیے جو صفات درکار ہیں وہ مرد کے اندر زیادہ ہیں ۔اس لیے مرد کو گھر کا قوام بنایا گیا ہے۔ اس کے برعکس گھر سنبھالنے اور نئی نسل کی پرورش اور تربیت کے لیے جو صفتا

درکار ہیں وہ مقابلۃً عورت کے اندر زیادہ ہیں ۔عورت کی اسی افضلیت کی بنا پر اس کو گھر کے اندرونی امور کا ذمہ دار بنایا گیا ہے ۔

عورت کے لیے نفقہ کا حق مرد کے اوپر اس کا ایک قانونی حق ہے ۔مرد اگر اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو عورت اس کو عدالت کے ذریعہ وصول کر سکتی ہے ۔تاہم اس کی مقدار کا تعین مرد کی استاعت کے لحاظ سے ہوگا ۔استطاعت اگر زیادہ ہو تو اس کی مقدار زیادہ ہو گی ۔اور استطاعت اگر کم ہے تو اس کی مقدار بھی اسی نسبت سے کم ہو جائے گی ۔

حسن سلوک ::

مرد کو ہر حال میں کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے ۔قرآن میں ارشاد ہوا ہے ۔( ) یعنی عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزر کرو ۔اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں تمہارے لیے بڑی بھلائی رکھ دی ہو ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم صرف پسندیدہ حالات میں نہیں ہے بلکہ اس وقت بھی ہے جب کہ بظاہر وہ مرد کے لیے زیادہ پسندیدہ نہ ہوں ۔یہ ایک مطلق حکم ہے ۔اس پر ایک مرد کو اس وقت بھی عمل کرنا ہے جب کہ اس کی بیوی اس کے لیے ایک پسندیدہ عورت ہو ۔اور اس وقت بھی جب کہ کسی وجہ سے وہ اس کی پسند کے مطابقت نہ کرے ۔

عورت کے ساتھ حسن سلوک کا یہ حکم اتنا زیادہ اہم ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی کے لیے اس کو شرائط لازم قرار دیدیا گیا ہے ۔یعنی ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت صرف اس شخص کے لیے جو ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کر سکے ۔جو ہر ایک کے ساتھ کامل عدل کا رویہ اختیار کرے ۔جو شخص عدل کا رویہ اختیار نہ کر سکے اس کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں ۔چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم

کو اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو۔(فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ، النساء۳)

معاشرت بالمعروف کا لفظ ایک عام لفظ ہے۔اس مین وہ تمام مطلوب چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جن کا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے یا جو خاندانی نظام کی درستگی کے لیے عقلاً یا شرعاً ضروری سمجھی جائیں۔یہ معاشرت بالمعروف اسلام میں اتنا زیادہ اہم ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں (خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی)

عورت کی ذمہ داریاں::

عورت کو مرد کے ستھ ایک بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ) کس طرح رہنا چاہیے۔یہ فطرت کی زبان میں ہر عورت کے اندر پیشگی طور پر رکھ دیا گیا ہے۔اگر عورت فی الواقع سنجیدہ ہو تو خود اس کی اندرونی فطرت اس معاملہ میں اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہو جائے گی۔یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ فرماں برادار ہوتی ہیں ارو رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں(النساء۳۴)

مرد کے حقوق میں عورت کی جو ذمہ داریاں قرآن وسنت میں بتائی گئی ہیں،وہ دراصل اسی فطرت نسوانی کا تعین ہیں۔اگر عورت کی فطرت زندہ ہو،اور وہ حقیقت پسند بن کر زندگی گزارنا چاہے تو وہ اسلام کی ان تعلیمات کو اپنے لیے اجنبی نہیں پائے گی بلکہ ان کو خود اپنے دل کی آواز سمجھ کر انہیں قبول کرلے گی۔یہاں ہم ان اسلامی اصولوں کو چند عنوانات کے تحت مختصراً درج کرتے ہیں۔

اطاعت::

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ نیک بخت عورتیں قانتات(النساء۳۴) ہوتی ہیں۔قانتات کی تشریح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے المطیعات لازواجھن کے لفظ سے

کی ہے۔ یعنی نیک بخت عورتیں اللہ کی نظر میں وہ ہیں جو اپنے شوہروں کی فرماں برداں ہوں۔

یہ اس تقسیم کا فطری تقاضا ہے جس کے تحت مرد کو خاندانی نظام میں قوام بنایا گیا ہے۔ ملک کا حکمراں ملک کے نظام کو اسی وقت درست طور پر چلا سکتا ہے جب کہ ملک کے عوام حکمراں کی اطاعت کرنے پر راضی ہوں۔ اگر عوام اطاعت نہ کریں تو بہتر سے بہتر حکمراں بھی ملک کے نظام کو درست کرنے میں ناکام رہے گا۔

یہی معاملہ گھر کے نظام کا بھی ہے۔ گھر کسی قوم کی وسیع تر اجتماعیت کی ابتدائی وحدت ہے چھوٹی چھوٹی وحدتیں جب درست ہوں گی، اسی وقت بڑی اجتماعیت درست ہو سکتی ہے۔ اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ گھر کے اندر اطاعت اور موافقت کی فضا ہو۔ عورت کو بلاشبہ اختلاف اور مشورہ کا حق ہے۔ مگر جب مرد ایک بات کا فیصلہ کر دے تو عورت کے اوپر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ پوری وفاداری کے ساتھ مرد کے فیصلہ کی پابند بن جائے۔

مرد باہر کی دنیا کے تجربات کی بنا پر نسبتاً وسیع ذہن کے ساتھ سوچتا ہے۔ اس کے طرزِ فکر میں حقیقت پسندی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں عورت کی سوچ میں اکثر محدودیت آجاتی ہے۔ وہ جذباتیت کا شکار ہونے لگتی ہے۔ یہ ایک حد تک عورت کے پیدائشی مزاج اور اس کے دائرہ کار کا خاصہ ہے۔ تاہم عورت کے اندر اپنی اس کمی کا احساس ہونا چاہیے۔ وہ مرد کو مشورہ دے سکتی ہے۔ مگر مرد کے مقابلہ میں بے لچک اصرار اس کے لیے درست نہیں۔

گھر کا نظام ایک چھوٹی سی جمہوریت ہے۔ مگر ہر جمہوریت کا ایک لیڈر رہتا ہے۔ اور گھر کی جمہوریت کا لیڈر اسلامی شریعت نے مرد کو بنایا ہے۔

رازکی حفاظت::

عورت کے اوپر مرد کا دوسرا حق ان الفاظ میں بتایا گیا ہے۔( ) یعنی صالح

عورتیں مرد کے رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان کے رازوں کی حفاظت کی ہے۔

عورت مرد کا لباس ہوتی ہے۔ جس طرح لباس آدمی کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اسی طرح عورت آدمی کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ میاں اور بیوی وہ واحد ساتھی ہیں جن کے لیے باہم ایک دوسرے کی شرمگاہوں تک کو بے نقاب کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

اس تعلق اور نزدیکی کی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ عورت آخری حد تک مرد کے رازوں سے واقف ہو جاتی ہے۔ وہ مرد کی انتہائی چھپی ہوئی باتوں تک سے آگاہ ہوتی ہے۔ یہ ایک نہایت نازک صورت حال ہے۔ ہر آدمی کے بہت سے چھپے ہوئے راز ہوتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ دوسرے لوگ ان سے مطلع ہوں، مگر ہر آدمی مجبور ہے کہ اس کی بیوی اس کی تمام چھپی ہوئی باتوں سے مطلع ہو جائے۔ کوئی مرد اپنے رازوں کو اپنی بیوی سے چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔ ایسا کرنا نہ تو مفید ہے اور نہ عملی طور پر ممکن ہے۔

اس کا حل اسلامی شریعت میں یہ نکالا گیا ہے کہ عورت کو خصوصی طور پر پابند کیا گیا ہے کہ وہ مرد کے رازوں کی حفاظت کرے۔ وہ کسی حال میں ان کو دوسروں کے اوپر نہ کھولے۔ اگر وہ مرد کے راز کو دوسروں کے اوپر کھولے گی تو اس کا ڈرنا چاہیے کہ خدا اس کے رازوں کو کھول دے۔ خدا اس کو آخرت میں بے نقاب کر دے۔ اور کون ہے جو اس بے نقابی کا تحمل کر سکتا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب دو آدمی ساتھ مل کر رہتے ہیں تو ان میں اختلاف اور شکایت کے واقعات بھی لازماً پیش آتے ہیں۔ اس حقیقت کو ملحوظ رکھا جائے تو اس ہدایت کا پورا مطلب یہ ہوگا کہ مرد سے شکایت ہو تب بھی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے رازوں کو کھولے، مرد سے اختلاف ہو تب بھی عورت کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ مرد کی چھپی ہوئی باتوں کو دوسرے کے سامنے

بیان کرے۔

عورت مرد کی راز دار ہے۔مزید یہ کہ اسے اس راز داری کو آخر وقت تک نبھانا ہے،مرد سے شکایت کے واقعات پیش آنے کے بعد بھی اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرد کے راز کو کسی تیسرے شخص سے بیان کرنے لگے۔

گھر کا انتظام::

قرآن میں عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ( )مفسرین نے اس کی تشریح الزمن بیوتکن یا امر بالقرانی البیوت کے الفاظ سے کی ہے۔یعنی اپنے گھروں میں ٹھہرو،اپنے گھروں کو اپنا دائرہ عمل بناؤ۔

موجودہ زمانہ میں عورت بیرونی نمائش کا ایک سامان بن کر رہ گئی ہے۔اسلام کا نقشہ اس کے مقابلہ میں یہ ہے کہ عورت گھر کے اندر رہے اور داخلی ذمہ داریوں کو سنبھالے۔ گھر کا انتظام، افراد خاندان کی خانگی ضروریات،امور خانہ داری کا بندوبست،بچوں کی دیکھ بھال، یہ سب عورت کی ذمہ داری ہے۔اور یہ سب وقرن فی بیوتکن میں شامل ہے۔

گھر کو سنبھالنا، چھوٹے پیانہ پر ایک ریاست کو سنبھالنا ہے۔یہ اتنا ہی اہم اور معزز کام ہے جتنا ملکی ریاست کا کام ہوسکتا ہے۔عورت کو چاہیے کہ وہ گھر کے معاملات کا انتظام ایک باعزت ذمہ داری کے طور پر کرے۔گھر کو معیاری گھر بنانے میں وہ اپنی پوری صلاحیت وقف کردے۔وہ گھر کے باغ کی مالی بن جائے۔

یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور وہ اس کی جواب دہ ہے)بخاری، باب قوانفسکم و اہلیکم نارا۔

گھر گرہستی یا امور خانہ داری کی مہارت عورت کا سب سے بڑا زیور ہے۔جو مسلم عورت اس زیور سے مزین ہو وہی کامل عورت ہے۔جو عورت اس امتحان میں پوری

اترے وہی اللہ کے یہاں عزت اور کامیابی کی مستحق قرار دی جائے گی۔جو عورت دنیا میں ایک مکان کو آباد کرے وہی جنت کے زیادہ اعلیٰ مکان میں آباد کاری کیلئے منتخب کی جائے گی۔

بہترین عورت::

ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ عورتوں میں سب سے بہتر عورت کون ہے۔آپ نے فرمایا کہ وہ جو اپنے شوہر کو خوش کر دے جب کہ وہ اسے دیکھے۔اور وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے جب کہ وہ اس کو حکم دے۔اور وہ اپنے نفس اور اس کے مال میں شوہر کے خلاف نہ کرے۔

اس حدیث میں نہایت عمدہ طور پر وہ حقوق بتا دیئے گئے ہیں جو عورت کے اوپر مرد کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔

مرد باہر کی دنیا کی تلخیاں جھیل کر گھر کے اندر داخل ہوتا ہے۔اب بہترین بیوی وہ ہے جو مرد کی تلخیوں کو مسرت میں تبدیل کر دے،وہ اپنے شوہر کے لیے سکون کا گوشہ بن جائے۔اسی طرح مرد مختلف تقاضوں کے تحت اپنی بیوی کو ایک ہدایت دیتا ہے۔اس کے پیچھے بہت سی داخلی اور خارجی مصلحتیں شامل رہتی ہیں۔اب عورت کو چاہیے کہ وہ کامیاب رفیقہ حیات کی طرح اس کی تعمیل میں لگ جائے،وہ گھر کے اندر کوئی مسئلہ کھڑا کیے بغیر مرد کے منصوبہ کو تکمیل تک پہنچائے۔اسی طرح عورت کا اپنا وجود اور گھر کا پورا اثاثہ عورت کے پاس گویا مرد کی امانت ہے۔مرد اپنی بیرونی مصروفیات کی وجہ سے ان چیزوں کی رکھوالی نہیں کر سکتا۔اب عورت کی وفا شعاری کا تقاضا ہے کہ ان امور میں وہ پوری طرح اپنے شوہر کی امین بن جائے۔وہ اپنی ذات کو بھی صرف اپنے شوہر کے لیے محفوظ رکھے اور گھر کے تمام ساز و سامان کو بھی۔

عورت مرد کے لیے سامانِ سکون ہے۔اسی کے ساتھ وہ گھر کے اندر مرد کی نائب کی حیثیت رکھتی ہے۔بہترین عورت وہ ہے جوان دونوں قسم کی ذمہ داریوں میں پوری اترے۔یہی وہ عورت ہے جس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ: ( ) ابن ماجہ، کتاب النکاح) دنیا کے سامانوں میں کوئی چیز صالح بیوی سے زیادہ بہتر نہیں۔

ظاہر سے زیادہ باطن کو دیکھنا::

> قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھے طریقہ سے رہو۔اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اس نے بہت بڑی بھلائی رکھ دی۔(النساء ۱۹)

یہی بات حدیث میں ان الفاظ میں بتائی گئی ہے کہ کوئی مومن کسی مومنہ سے نفرت نہ کرے۔اگر اس کی ایک خصلت مرد کو پسند نہ آئے تو اسکی دوسری خصلت اس کی پسند کے مطابق ہوگی۔ (مسلم)

اس تعلیم کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ کسی ظاہری ناپسندیدگی کو دیکھ کر اس سے بیزار ہو جاؤ۔کیوں کہ خدا نے کسی کو ہر اعتبار سے ناقص نہیں بنایا۔ہر عورت یا مرد کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ایک اعتبار سے اس کے اندر کمی ہے تو کسی اور اعتبار سے اس میں زیادتی بھی ضرور موجود ہوگی۔

ایک شخص نے شادی کی۔اس کی بیوی آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ نازک اندام نہیں ہے بلکہ مضبوط ہاتھ پاؤں والی ہے اور دیکھنے میں نیم مرد معلوم ہوتی ہے۔وہ نازک اندام بیوی چاہتا تھا۔اس لیے بھاری بھرکم قسم کی بیوی کو دیکھ کر اس سے بیزار رہنے لگا۔مگر جلد ہی حالات بدلے۔مرد کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے وہ زیادہ کام کرنے کے قابل نہ رہا۔اب بیوی نے طے کیا کہ وہ اپنے شوہر کا سہارا بنے گی۔اس نے بھرپور محنت کر کے روزی کمانا شروع کیا۔وہ چونکہ طاقتور اور مضبوط ہاتھ پاؤں والی تھی۔اپنے کام میں کامیاب رہی۔اس کی وجہ سے گھر میں معقول

پیسے آنے لگے۔شوہر کا روزگار چھوٹنے کا کوئی اثر گھر کے مالیاتی نظام پر نہیں پڑا۔ اب شوہر کو معلوم ہوا کہ وہ بیوی جس کو اس نے اپنے لیے زحمت سمجھ لیا تھا، وہ اس کے لیے عظیم رحمت تھی۔اس کی بیوی کے اندر اگر چہ نازک اندامی کی صفت نہ تھی۔مگر اس کے اندر ایک اور نہایت قیمتی صفت تھی۔یعنی شوہر کی معذوری کے وقت اس کا معاشی سہارا بننا۔

زندگی کی یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح ہوں ان کا نکاح کر دو۔اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

یہی بات ایک حدیث میں ان الفاظ میں آئی ہے:

تین شخص ہیں کہ ان کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔وہ نکاح کرنے والا جو طالب عفت ہو اور وہ مکاتب جو مال ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہو اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا۔

متوازن تعلیم::

کسی معاملہ میں جب دو فریق ہوں تو سوچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی طرف دیکھیں۔اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں دوسرے کی طرف دیکھیں۔ پہلے طریقہ میں آدمی کی نگاہ اپنی ذمہ داریوں پر ہوتی ہے اور دوسرے طریقہ میں آدمی کی نگاہ اپنے حقوق پر پہلا طریقہ اصلاح کی طرف لے جاتا ہے اور دوسرا طریقہ فساد کی طرف۔

جب آدمی کی نظر اپنے حقوق پر ہو تو اس کی تمام تر توجہ معاملہ کے دوسرے فریق کی طرف چلی جاتی ہے۔وہ ہر چیز کا ذمہ دار فریق ثانی کو ٹھہرانے لگتا ہے۔اس کے نتیجہ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر ضد اور انتقام کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔وہ اپنے

حصہ کا کام انجام نہیں دیتا۔ وہ چاہنے لگتا ہے کہ سب کچھ صرف فریق ثانی کرے۔ خود اسے کچھ نہ کرنا ہو۔

اس کے برعکس جب آدمی کی نظر اپنی ذمہ داریوں پر ہو تو اس کی ساری توجہ خود اپنے آپ پر لگ جاتی ہے۔ وہ اپنے حصے کی کوتاہیوں کو تلاش کرنے لگتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس کے اندر سنجیدگی اور خود احتسابی کی نفسیات جاگتی ہے۔ وہ اپنی طاقتوں کو تخریب کے بجائے تعمیر پر لگانے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ عمل دوسرے فریق کو بھی سنجیدہ بنا دیتا ہے۔ وہ اپنے حصہ کی ذمہ داریوں کو ادا کر کے دوسرے فریق کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ ابھی اپنے حصہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرے۔

یہی دوسرا طریقہ اسلام کا طریقہ ہے۔ اسلام اگر دیکھتا ہے کہ کسی معاملہ میں ایک فریق نسبتاً کمزور ہے تو اس کو صبر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور دوسرا فریق اگر کسی وجہ سے طاقتور حیثیت کا مالک ہے تو اس کو وہ عدل اور انصاف کی تاکید کرتا ہے۔

شوہر اور بیوی کے تعلقات کے بارہ میں اسلام کی جو ہدایات ہیں، وہ بعض پہلوؤں سے اسی اصول پر مبنی ہیں۔ صنفی بناوٹ کے اعتبار سے عورت کمزور فریق ہے اور مرد طاقتور فریق۔ اس لیے اسلام نے اپنی ہدایات میں دونوں کے اس فریق کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ دونوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی اور موافقت کی فضا پیدا ہو اور کسی رکاوٹ کے بغیر گھر کی تعمیر ممکن ہو سکے۔

عورتوں کے بارہ میں اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر انقیاد کا مزاج پیدا کریں۔ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کرنے والی بنیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ (صالح عورتیں اپنے شوہروں کی فرماں بردار ہیں) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: (اپنے شوہروں کی اطاعت کرنے والی عورتیں) تفسیر ابن کثیر الجزء الاول، صفحہ ۴۹۱

عورت کو اپنے شوہر کا اطاعت گزار بنانے کا مطلب دراصل اس کے اندر سے

اس صالح مزاج کو پرورش کرنا ہے جس کے بعد وہ اپنے شوہر کی سچی رفیق بن سکے۔ جس کے نتیجہ میں اس کے گھر کے اندر تعمیری فضا پیدا ہو نہ کہ لڑائی جھگڑے کی فضا۔ اطاعت گزار بیوی اپنے شوہر کے دل کو جیت کر گھر کی مالک بن جاتی ہے۔ وہ گھر کے اندر سب سے اونچی جگہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس کے برعکس غیر اطاعت گزار بیوی کے حصہ میں صرف یہ آتا ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر اپنے شوہر سے لڑتی رہے اور اس کا نتیجہ اس کو یہ ملے کہ اس کی زندگی ہمیشہ کے لیے تلخ ہو کر رہ جائے۔

دوسری طرف اسلام مرد کے اندر یہ مزاج بنانا چاہتا ہے کہ وہ کسی حال میں عدل سے نہ ہٹے۔ گھر کے اندر اپنے قوامیت کو استعمال کرتے ہوئے یہ نہ بھولے کہ موت کے بعد اس کا معاملہ سب سے بڑے قوام اور سب سے بڑے حاکم کے سامنے پیش آنے والا ہے۔ وہاں اس آدمی کا معاملہ سخت ہوگا۔ جو دنیا میں اپنے زیر دستوں کے ساتھ سختی کرے۔ اور وہاں اس کا معاملہ نرم ہوگا جو دنیا میں اپنے زیر دستوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے۔

> حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہت ہوں۔

اس حدیث کے مطابق آدمی کا گھر اس کا مقام حکومت نہیں بلکہ اس کا مقام تربیت ہے۔ جو شخص گھر کے نظام میں بہتر ثابت ہو وہ پورے سماج اور قوم کے لیے بھی ایک برا انسان ہوگا۔ پہلا آدمی وسیع تو انسانیت کے لیے رحمت ہے اور دوسرا آدمی وسیع تر انسانیت کے لیے عذاب۔

عورت اور مرد کے حقوق کا معاملہ، باعتبار حقیقت، کسی فقہی فہرست کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ حسنِ معاشرت کا معاملہ ہے۔ اس سلسلہ میں جو ''فہرست'' بتائی گئی ہے وہ اسی حسنِ معاشرت کے علامتی پہلو ہیں نہ کہ بذات خود کوئی مکمل فہرست۔ حقیقت

یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں کبھی کوئی مکمل فہرست نہیں بنائی جا سکتی۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ دونوں فریق فطری حقیقتوں کا اعتراف کریں۔ دونوں فریق حقوق سے زیادہ ذمہ داریوں پر نگاہ رکھیں۔ دونوں فریق اپنی ذات سے زیادہ مشترک مقصد (خاندانی نظام کی برقراری) کو اصل اہمیت کی چیز بنائیں اور اس مقصد کی خاطر ہر ذاتی قربانی کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔

اچھا گھر اچھا مزاج رکھنے والے لوگوں کے ذریعہ بنتا ہے۔ ایک اچھے خاندان کی تعمیر وہ مرد اور عورت کرتے ہیں جو اس سے پہلے خود اپنے شعور کی تعمیر کر چکے ہوں۔ شادی شدہ زندگی کی کامیابی کا راز ''فہرست احکام'' سے زیادہ اس پر منحصر ہے کہ عورت اور مرد ''حقائق حیات'' سے واقف ہوں۔ جو لوگ زندگی کی حقیقتوں کو جانیں وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔ اور جو لوگ زندگی کی حقیقتوں کو نہ جانیں، ان کے لیے اس دنیا میں کامیاب ہونا بھی مقدر نہیں۔

نکاح وطلاق

ایک مرد اور ایک عورت جب اپنے آپ کو نکاح کے رشتہ میں وابستہ کرتے ہیں تو ہمیشہ اسی جذبہ کے تحت وابستہ کرتے ہیں کہ دونوں ساری عمر ایک ساتھ رہیں گے اور ایک ساتھ زندگی گزاریں گے۔ اس کے بعد جب قدرت ان کے درمیان ایک بچہ پیدا کرتی ہے تو یہ گویا ایک قسم کی زنجیر ہوتی ہے جو اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ دونوں زیادہ گہرائی اور پائیداری کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو چکے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) میں مغربی ملکوں کے اعداد و شمار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ بے اولا جوڑوں میں طلاق کا رجحان اس سے زیادہ پایا گیا جتنا کہ ان جوڑوں میں جو صاحب اولاد ہیں:

(Childless couples tend to have a higher divorce rate than couples with children (7/163-64).

ایک مغربی جج نے اپنے فیصلہ میں اس فطری حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ ہر چھوٹا بچہ جو ایک جوڑے کے یہاں پیدا ہو وہ ایک مزید ضمانت ہے کہ ان کی شادی کسی طلاق کی عدالت میں کبھی ختم نہ ہوگی۔

Every little youngster born to a couple is an added assurance that their marriage will never be dissolved in a divorce court.

تاہم اس قسم کی تمام فطری اور نفسیاتی بندھنوں کے باوجود کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرد یا عورت یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ قدیم زمانہ میں یہ صورت حال بہت کم پیش آتی تھی۔ مگر موجودہ زمانہ میں خاص طور پر مغربی ملکوں، طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

طلاق زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ مگر طلاق کی کثرت بلاشبہ ایک نئی چیز ہے جو

موجودہ زمانہ میں مختلف اسباب کے تحت پیدا ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک سبب عورتوں کے لیے روزگار کی آسانی بھی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ صنعتی دور نے عورتوں کے لیے یہ بات زیادہ آسان کر دی کہ وہ اپنی معاش خود حاصل کر سکیں۔ خواہ وہ تنہا ہوں یا شادی شدہ ہوں یا مطلقہ ہوں یا بیوہ ہوں۔ اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی کے ساتھ نوٹ کرنے کی ہے کہ ۱۹۳۰ کے بعد کے زمانہ میں پیدا ہونے والی عظیم کساد بازاری نے امریکہ میں طلاقوں کے اضافہ کی تعداد کو ایک عرصہ کے لیے روک دیا تھا۔

> Industrialization has made it easier for women to support themselves, where they are single, married, divorced, or sidowed. In thsi connection, it is interesting to note that the Great Depression of the 1930s stopped the rise in the number of divorces in the United States for a time (7/163).

طلاق کا حکم::

نکاح کا مسئلہ زندگی کا اصل مسئلہ ہے جب کہ طلاق کا مسئلہ صرف ایک استثناء ہے۔ تاہم چوں کہ ایسا استثناء بار بار پیش آتا ہے اس لیے الٰہی قانون اور وضعی قانون دونوں میں اس کی بابت احکام مقرر کیے گئے ہیں۔

الٰہی شریعت کی صحیح اور کامل نمائندگی اب صرف وہ ہے جو قرآن کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ قرآن ایک محفوظ کتاب ہے قرآن میں اور اسی طرح اس کی مستند شرع کے طور پر سنت میں، طلاق کی بابت بہت سے احکام دیئے گئے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ۔۔۔۔ طلاق انتہائی ناگزیر حالات میں دی جائے۔ چنانچہ حدیث میں اس کو ابغض المباحات (سب سے زیادہ ناپسندیدہ حلال) کہا گیا ہے۔ اور دوسری چیز یہ کہ جب طلاق کا معاملہ کیا جائے تو اس طرح کیا جائے کہ دونوں عزت اور شرافت کے ساتھ علیحدہ ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک یا

دوسرے کے اندر ضد کی نفسیات پیدا ہو جائے اور وہ قرآن کو بے عزت یا بے سہارا کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

قرآن میں طلاق کے حکم کے ذیل میں ارشاد ہو ہے۔ وسرحوھن سراحاجمیلا (الاحزاب ۴۹) یعنی جب انہیں طلاق دے کر رخصت کرو تو بھلے طریقہ سے اور شریفانہ انداز سے رخصت کرو۔

طلاق کی دو صورتیں::

عملی اعتبار سے طلاق کی دو صورتیں ہیں۔ایک وقتی جذبہ کے تحت طلاق، دوسری مستقل فیصلہ کے تحت طلاق۔دونوں کی نوعیت ایک دوسرے سے الگ ہے۔

خاندانی زندگی میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ تلخیاں اور ناخوش گواریاں پیش آتی ہیں۔ یہ تلخیاں اور ناخوش گواریاں اجتماعی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ان کو کسی حال میں بھی اجتماعی زندگی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔یہ ناخوش گواریاں جب سامنے آتی ہیں تو سمجھ دار آدمی صبر اور اعراض کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔یا سخت الفاظ بول کر اپنے دل کے طوفان کے لیے نکاس (Qutlet) کا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔اس طرح خاندانی زندگی میں کوئی واقعی پیچیدگی پیدا ہونے نہیں پاتی۔

مگر نادان یا جھوٹے پندار میں مبتلا ہونے والے لوگ نہ صبر کر پاتے اور نہ سخت الفاظ بول کر ان کے دل کو تسکین ہوتی ہے۔وہ اپنے غصہ کے مکمل اظہار یا فریق ثانی کو آخری سزا دینے کے لیے فوراً کہہ کر بیٹھتے ہیں کہ تم کو طلاق، طلاق، طلاق، اس قسم کی طلاق درحقیقت غیظ وغضب کے اظہر کی انتہائی صورت ہے جو ان لوگوں کے اندر ظاہر ہوتی ہے جو اپنے جذبات کو تھامنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔مسٹر قریشی نادرہ بیگم کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لینے کا ارادہ ظاہر نہ کرتے۔(ٹامس آف انڈیا یکم مئی ۱۹۸۶)

اسلام کو مقرر کردہ طریقِ طلاق اس برائی کو روکنے کی انتہائی کامیاب فطری تدبیر

ہے۔اسلام کا یہ طریقہ قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

طلاق دو بار ہے۔پھر یا تو معروف کے مطابق عورت کو روک لینا ہے یا اچھے طریقے سے اس کو رخصت کر دینا ہے۔

ایک شخص رسول اللہﷺ کے پاس آیا۔اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول، اللہ نے طلاق کی آیت میں دو بار کا ذکر کیا ہے۔پھر تیسری بار کہاں ہے۔آپ نے فرمایا کہ احسان کے ساتھ رخصت کرنا یہی تیسرا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے دل میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا خیال آئے تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ایک ہی بار آخری طلاق دے کر رخصت کر دے۔بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ طلاق دینے کے عمل کو تین مہینے کی مدت میں مکمل کرے۔طلاق دینے والے کو چاہیے کہ وہ الگ الگ دو طہر (پاکی میں دومرتبہ طلاق دے۔اور پھر تیسرے طُہر میں یا تو رجوع کر لے اور اگر وہ رجوع کرنا نہیں چاہتا تو تیسری بار طلاق دے کر اسے رخصت کر دے۔

اگر آدمی کے دل میں طلاق دینے کا خیال اس وقت آیا ہو جب کہ عورت حیض کے ایام سے گزر رہی ہو تو اس وقت طلاق دینا درست نہیں۔مرد کو انتظار کرنا چاہیے کہ عورت حیض سے فارغ ہو کر معتدل حالت میں آجائے جس کو پاکی کا دور یا طہر کہا جاتا ہے۔اس وقت آدمی اپنی عورت سے کہے کہ میں تم کو ایک طلاق دیتا ہوں۔اس کے بعد بھی عورت اس کے گھر میں رہے گی اور مرد دوسرے طُہر کا انتظار کرے گا۔اگلے مہینہ جب دوسرے طہر کا زمانہ آئے تو اس وقت مرد کہے کہ میں تم کو دوسری بار طلاق دیتا ہوں۔اب پھر مرد اگلے مہینے کے زمانہ طُہر کا انتظار کرے۔تیسرے مہینے میں جب طُہر کا زمانہ آجائے اس وقت مرد یا تو اپنے سابقہ طلاق کو واپس لے اور عورت کو دوبارہ اپنی بیوی بنالے تیسرے بار طلاق دے کر اسے عزت کے ساتھ

رخصت کردے۔

طلاق بذات خود اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض حلال طلاق ہے (ابغض الحلال الی اللہ الطلاق، ابو داؤد) اس کے بعد اگر آدمی ایسا کرے کہ وہ ایک ہی وقت میں تین طلاق دیدے تو یہ حد درجہ سرکشی کی بات ہے۔ شریعت میں اس کو بے حد برا قرار دیا گاے ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ جب ان کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی عورت کو بیک وقت تین طلاق دی ہو تو اس کے پیٹھ پر کوڑا مارتے تھے۔

جو شخص نکاح و طلاق کے معاملہ میں اسلام کے اصول پر چلنا چاہیے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مذکورہ اصول کی پابندی کرے۔

تین طہر میں طلاق دینے کا طریقہ حد درجہ فطری اور مناسب ہے۔ اس طریقہ میں وہ تمام طلاق اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں جو وقتی جذبہ کے تحت پیدا ہوئے ہوں۔ غصہ اور جوش میں اگر آدمی کے اندر طلاق کا ارادہ پیدا ہو گیا ہو تو وہ ایک مہینہ یا دو مہینہ میں اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ ذہن میں اعتدال آتے ہی آدمی اپنے پچھلے جذبہ پر پچھتائے گا۔ اور اس سے رجوع کر کے اپنی بیوی سے دوبارہ تعلقات درست کرے گا۔

البتہ اگر طلاق کا سبب بہت زیادہ بنیادی ہو اور آدمی نے سوچ سمجھ کر علاحدگی کا فیصلہ کیا ہو تو وہ دو مہینہ گزرنے کے بعد بھی اپنے فیصلہ پر باقی رہے گا۔ اس کے بعد جب تیسرے مہینہ وہ آخری بار جدائی کا اعلان کرے گا تو وہ حقیقی جدائی ہو گی۔ وہ مصنوعی جدائی نہ ہو گی جس پر آدمی ساری عمر افسوس کرتا رہے۔

ایک واقعہ::

دہلی کے ایک مسلمان وکیل نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا۔ ان کے یہاں ایک مسلمان آئے انہوں نے بتایا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ آپ طلاق

نامہ کا مضمون بنا دیجئے۔ مذکور مسلمان اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینا چاہتے تھے۔

وکیل صاحب اسلام کے قانون کو جانتے تھے۔ انہوں نے مذکورہ مسلمان سے کہا کہ ایک وقت میں تین طلاق دینا اسلام میں سخت برا ہے۔ آپ کو اگر طلاق دینا ہے تو اسلام کے مقررہ طریقہ کے مطابق تین طہر میں اس کی تکمیل کیجیے۔ وہ راضی ہو گئے۔ واپس جا کر انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم کو ایک طلاق دیتا ہوں۔ مگر جب اگلا مہینہ آیا تو ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے سابقہ فیصلہ سے رجوع کر لیا اور اپنی بیوی سے دوبارہ تعلقات قائم کر لیے۔ وہ وکیل صاحب سے دوبارہ ملے اور کہا کہ آپ نے میرے ساتھ بہت احسان کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں نے جوش کی حالت میں اپنی بیوی کو اس وقت آخری طلاق دیدیا ہوتا تو میرا گھر برباد ہو جاتا۔

متاع کا مطلب::

طلاق کے احکام میں سے ایک حکم وہ ہے جس کے لیے قرآن مین متاع، کا لفظ آیا ہے اس سلسلہ میں سورۃ البقرہ کی دو آیتیں حسب ذیل ہیں۔

تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دو کہ ان کو تم نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور ان کے لیے کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو۔ اور ان کو کچھ دو، وسعت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق ہے، دستور کے مطابق، لازم ہے نیکی کرنے والوں پر۔۔۔۔ اور طلاق دی ہوئے عورتوں کو فائدہ دینا ہے دستور کے موافق۔ لازم ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

فقہی تفصیلات سے قطعِ نظر، پہلی آیت (۲۳۶) کا سادہ مطلب یہ ہے کہ نکاح کے وقت اگر مہر نہیں ٹھہرایا گیا تھا اور نہ مرد نے عورت کو ہاتھ لگایا تھا۔ اور اس سے پہلے مرد نے طلاق دیدیا تو مرد پر لازم ہے کہ عورت کو رخصت کرتے ہوئے اسے

کچھ دے۔ یہ دینا اپنی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ ایسی صورت میں مہر دینا لازم نہیں۔

دوسری آیت (۲۴۱) میں یہی حکم عمومی انداز میں طلاق کے تمام واقعات کے لیے ہے۔ جب بھی کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو آخری علحدگی کے وقت اس کو چاہیے کہ حسنِ جدائی کی علامت کے طور پر عورت کو کچھ دے۔ مثلاً کپڑا یا اور کوئی چیز۔ بعض فقہا کے نزدیک پہلی صورت میں متاع، دینا ضروری ہے۔ جب کہ دوسری صورت میں متاع دینا صرف مستحب ہے۔

مزاجِ شریعت::

اس آیت کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ضمنی اختلافات ہیں، تاہم یہ بات تمام فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے کہ اس کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ طلاق واقع ہونے کے بعد وقتی طور پر سابق بیوی سے کیا سلوک کیا جائے۔ اس مسئلے سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ طلاق اور علیحدگی کی تکمیل کے باوجود مطلقہ عورت کو مرد کی طرف سے مستقل گذارہ (Maintenance) دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دوسرا تصور تمام تر جدید تہذیب کی پیداوار ہے۔ یہ تصور کبھی بھی الٰہی شریعت میں نہیں پایا گیا ہے۔ نہ اسلام میں اور نہ اسلام سے پہلے کی آسمانی شریعتوں میں۔ مسلم فقہاء کے درمیان آیت کے عملی انطباق کے سلسلہ میں بہت کچھ جزئی اختلافات ہیں۔ مگر فقہا میں سے کسی کی بھی یہ رائے نہیں ہے کہ اس آیت کے تحت مرد کے اوپر لازم ہے کہ وہ باقاعدہ طلاق واقع ہونے کے بعد بھی مستقل طور پر اپنی سابقہ بیوی کو گذارہ دیتا رہے۔ ایک شخص بطور خود اس قسم کا خیال ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر قرآن یا حدیث کے اندر اس کے حق میں کوئی دلیل یا ماخذ موجود نہیں۔ اور نہ اسلامی فقہاء میں سے کسی بھی فقہیہ کی یہ رائے ہے۔

اسلامی فقہیہ کی یہ رائے ہے۔

اسلامی فقہ میں اس لیے اس متعہ طلاق کہتے ہیں کہ نہ کہ متعیہ حیات، یعنی وہ متعہ

(کچھ مال) جو طلاق دے کر رخصت کرتے وقت عورت کو دیا جائے۔

قرآن ہر مسئلہ کو فطری انداز میں حل کرنا چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات سراسر قرآنی روح کے خلاف ہے کہ جس مرد سے نباہ نہ ہونے کی بنا پر عورت کی جدائی ہوئی ہے اسی مرد سے اس عورت کا نفقہ دلوایا جائے۔ یہ چیز سماج میں منفی ذہنیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ چنانچہ قرآن میں نکاح و طلاق کے احکام کے ذیل میں ارشاد ہوا ہے۔

اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا حکمت والا ہے۔

اللہ کی وسعت سے مراد وہ وسیع فطری نظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کے لیے مہیا کر رکھا ہے۔ عورت کو جب طلاق ہو جائے تو اس کے تمام خونی رشتوں میں فطری طور پر اس سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کسی دباؤ کے بغیر اس کی مدد اور سرپرستی کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ خود عورت کے اندرئی قوت ارادی ابھرتی ہے اور وہ اپنے مسئلہ کے حل کے لئے اکثر ایسے کام کر ڈالتی ہے جو اس نے اس سے پہلے سوچا بھی نہیں تھا۔ سابقہ تجربات اس کو زیادہ سمجھ دار اور محتاط بنا دیتے ہیں اور اس طرح وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ اگر وہ دوبارہ کسی سے رشتہ نکاح میں منسلک ہو تو زیادہ کامیابی کے ساتھ رشتہ کو نباہ سکے۔ وغیرہ۔

طلاق کے بعد::

اس سلسلہ میں دوسرا سوال یہ ہے کہ طلاق کے بعد ایک عورت کے لیے اپنے ضروری اخراجات پورا کرنے کی صورت کیا ہے۔ اس کا ایک جواب اسلام کا قانونِ وارثت ہے۔ اسلام نے خاندانی جائداد میں عورتوں کا جو حصہ مقرر کیا ہے۔ اگر اس پر باقاعدہ عمل درآمد ہو تو عورت کیلئے بے سہارا ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ خاندانی جائداد میں عورت کا مستقل حصہ مقرر کرنا ایک اعتبار سے اسی لیے ہے کہ عورت

ہنگامی حالات میں اپنی کفالت آپ کر سکے۔

تاہم اسلام نے عورت کے معاشی مسئلہ کو تمام تر وراثت پر منحصر نہیں رکھا۔ کیوں کہ وراثت کا معاملہ ہمیشہ یقینی نہیں ہوتا۔ اس کا مزید انتظام اسلام کے قانون نفقات مین موجود ہے۔ اس سوال کی اہمیت مسلم ہے۔ مگر اس کا تعلق قانونِ خلاق سے نہیں ہے بلکہ قانون نفقات سے ہے۔ آدمی کو اس کا جواب اسلام کے قانون نفقات میں تلاش کرنا چاہیے نہ کہ اسلام کے قانونِ طلاق میں۔ یہاں ہم مختصراً چند پہلوؤں کا ذکر کریں گے۔

ا۔ مطلقہ عورت اگر بے اولاد ہے یا اولاد کمانے کے قابل نہیں ہے تو اسلامی شریعت کے مطابق اس کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے والد پر ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہی صورت دوبارہ لوٹ آئے گی جو شادی سے پہلے تھی۔ شادی سے پہلے باپ پانی لڑکی کا کفیل تھا۔ طلاق کے بعد دوبارہ وہ اپنی لڑکی کا کفیل ہو جائے گا۔

باپ پر اس کی لڑکیوں کا نفقہ اس وقت تک ہے جب تک وہ شادہ نہ کریں جب کہ لڑکیوں کے پاس مال نہ ہو۔ اور باپ کو حق نہیں کہ وہ انہیں کسی عمل یا خدمت پر لگائے۔ اگر چہ انکے اندر اس کی قدرت کیوں نہ ہو۔ اور جب لڑکی کو طلاق ہو جائے اور اس کی عدت پوری ہو جائے تو اس کا نفقہ دوبارہ باپ پر لوٹ آئے گا۔

۲۔ مطلقہ عورت اگر ماں ہے۔ یعنی وہ ایسی اولاد رکھتی ہے جو صاحب معاش ہے تو ایسی صورت میں اس کے اخراجات کی پوری ذمہ داری اس کی اولاد پر ہوگی:

وہ سب جو بیوی کے لیے واجب ہے وہ سب باپ اور ماں کے لیے لڑکے پر واجب ہوگا۔

یعنی کھانا، پینا، کپڑا، مکان، یہاں تک کہ خادم بھی۔

۳۔ اگر مطلقہ عورت کا باپ نہ ہو یا اس کی اولاد اس کی کفالت کرنے کے قابل نہ

ہو تو دوسرے قریبی اور محرم اعزہ اس کی معاشی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے۔ مثلاً چچا، بھائی وغیرہ۔ اگر یہ تیسری صورت بھی موجود نہ ہو تو اسلامی شریعت کی رو سے ریاست کا بیت المال اس کے اخراجات کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ مطلقہ عورت کو قانونی طور پر یہ حق ہوگا کہ وہ ریاست سے اسکو وصول کرے۔

شریعت کے اسی اہتمام وانتظام کی وجہ سے اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ آج ایسا ہے کہ مسلمان عورتیں طلاق پا کر بے سہارا پڑی ہوئی ہوں اور کوئی ان کی کفالت اور سرپرستی کرنے والا موجود نہ ہو۔

تہذیب جدید کا مسئلہ::

موجودہ زمانہ میں مغربی تہذیب نے بہت سے مسئلے پیدا کیے ہیں۔ یہ مسئلے حقیقی سے زیادہ مصنوعی ہیں۔ مغربی تہذیب نے بہت سے معاملات میں غیر فطری انداز اختیار کیا۔ اس کا نتیجہ میں غیر فطری مسائل پیدا ہوئے۔ اس کے بعد مزید غلطی ہوئی کہ انہوں نے غیر فطری طور پر ان کو حل کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح مسائل میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

انہیں میں سے ایک طلاق کا مسئلہ بھی ہے۔ مغرب میں آزادی نسواں کے نام پر جو تحریک شروع ہوئی وہ اپنے ابتدائی جذبہ کے اعتبار سے بالکل غلط نہ تھی۔ مگر اس کے علم بردار اس کی حد کو نہ جانتے تھے۔ چنانچہ آزاد سماج بنانے کی کوشش بالآخر اباحیت پسند سماج (Permissive society) تک جا پہنچی۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان لامحدود اختلاط شروع ہو گیا۔ اس نے نکاح کے بندھن کو کمزور کر دیا۔ مرد اور عورت میاں اور بیوی نہ رہے بلکہ حدیث کے الفاظ میں ذواقین اور ذواقات بن گئے اس کو مزید تقویت صنعتی دور کی اس آسانی سے حاصل ہوئی کہ عورت فوراً ہی اپنے لیے آزاد معاش حاصل کر سکتی تھی۔ جدید صنعتی معاشرہ میں ایک عورت جتنی آسانی سے اپنے لیے ذریعہ معاش حاصل کر لیتی ہے وہ اس سے پہلے کبھی عورت

کے لیے ممکن نہ تھا۔اس کی وجہ سے مرد کی قوامیت متاثر ہوئی اورعورتیں مرد کے زیر اثر رہنے پر راضی نہ ہوسکیں اور معاشرتی زندگی میں وہ مسائل پیدا ہوئے جنھوں نے طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھادی۔

طلاق کو روکنے کے لیے مغربی حکماء نے یہ تدبیر کی کہ مرد پر قانونی پابندی لگادی کہ طلاق کے بعد بھی اس پر لازم ہوگا کہ وہ عورت کو گزارہ دیتا رہے۔یہ گزارہ مغربی معیار کے مطابق مقرر ہوا۔چنانچہ اکثر حالات میں طلاق کے معنی مرد کے لیے یہ ہو گئے کہ وہ اپنے سرمایہ کا بڑا حصہ اپنی مطلقہ بیوی کو دیدے اور مزید زندگی بھر کی کما کراس کا حصہ اسے ادا کرتا رہے۔

اس غیر فطری صورت حال کی ایک مثال لارڈ برٹرینڈ رسل ہے۔

برٹرینڈ رسل (۱۹۷۰-۱۸۷۲) ایک نہایت ذہین اور تعلیم یافتہ انگریز تھا۔اس کو ایک ایسی صورت درکار تھی جو اس کی ذہنی سطح کے مطابق اس کی رفیق حیات بن سکے۔اس نے شادی کی مگر تجربہ کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اسکی بیوی اس کی پسند کے مطابق نہیں ہے۔ناموافقت ظاہر ہونے کے بعد اس نے فوراً اس سے علیحدگی اختیار نہیں کی۔سخت ذہنی اذیت کے باوجود اس کے بعد بھی وہ تقریباً دس سال تک اس کے ساتھ نباہ کرتا رہا۔آخر کار اس نے اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کی۔ دوسری عورت سے بھی نباہ نہ ہوسکا اور پھر اس کو چھوڑ کر برٹرنیڈ رسل کو تیسری شادی کرنی پڑی۔

یہ طلاق برٹرنیڈ رسل کو بہت مہنگا پڑا۔ طلاق کے بعد اس کو ازروئے قانون اپنی بیویوں کو جو رقم ادا کرنی پڑی اس نے برٹرینڈ رسل کی معاشیات کو برباد کردیا۔چنانچہ وہ اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے:

Teh financial burden was heavy and rather disturbing: I had given 10,000 of my Noble Prze cheque for a little more than 11,000 to my third wife, and I was now paying alimony to

her and to my second wife as well as paying for the eudcation of my younger son. Added to this. There were heavy expenses in connection with my elder son's illness; and the income taxes which for many years he had neglected to pay now felt to me to pay.

Bertrand Russel, Autobiography, Unwin Paperbacks, 1978.p.563-64

مالیاتی بوجھ میرے اوپر بہت بھاری اور پریشان کن تھا۔ مجھ کو اپنے نوبل انعام کے گیارہ ہزار پاؤنڈ میں سے دس ہزار پاؤنڈ اپنی تیسری بیوی کو دے دینا پڑا۔ اور اب میں اس کو اپنی دوسری بیوی کو نان نفقہ کی رقم بھی ادا کر رہا تھا۔ اور اسی کے ساتھ اپنے چھوٹے بچے کی تعلیم کی ادائیگی بھی میرے ذمہ تھی۔ مزید اضافہ یہ کہ میرے بڑے لڑکے کی بیماری کے سلسلہ میں بھی بھاری اخراجات تھے۔ اور اس لڑکے کا کئی سال کا انکم ٹیکس جو وہ ادا نہیں کرسکا تھا وہ بھی مجھ کو ہی ادا کرنا پڑا۔

مغرب کا یہ قانون بظاہر عائلی زندگی میں اصلاح کے لیے بنایا گیا تھا۔ مگر وہ مغربی ممالک کے لیے الٹا پڑا۔ برٹرینڈ رسل کے مذکورہ تجربہ جیسے تجربات بے شمار لوگوں کو پیش آئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ بیوی کو طلاق دینے کی صورت میں انہیں اس کی بتہ بڑی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ لوگوں کو نکاح کا طریقہ بے حد مہنگا معلوم ہوا۔ حتی کی ان کے اندر نکاح کیخلاف رجحان پیدا ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت اور مرد نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنے لگے۔ چنانچہ آج مغرب کی نئی نسل تقریباً ۵۰ فی صد وہ لوگ ہیں جو غیر منکوحہ بیویوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ جدید مغربی عورت کے بارے میں ایک رپورٹ کا خلاصہ اخبارات میں حسب ذیل الفاظ میں شائع ہوا ہے۔

فرانس میں ایسے مردوں اور عورتوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے جو نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہتے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ فرانس سے ۱۲ ملین شادی

شدہ جوڑے ہیں اور ایک ملین سے زیادہ غیر شادہ شہد جوڑے۔۱۹۷۲ سے روایتی نکاح کی تعداد میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔امریکہ کے بارے میں اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ امریکی عورتوں میں نکاح کی شرح تیزی سے کم ہو رہی ہے کچھ ماہرین کا کہنا ہے کہ نکاح کی تعداد میں کمی کی وجہ یہ ہے کہ امریکی عورتیں شادی اور روزگار میں ٹکراؤ محسوس کرتی ہیں۔شادی شدہ زندگی کے ساتھ کام کران انہیں مشکل معلوم ہوتا ہے۔اس لیے بہت سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ رہنا شروع کر دیا ہے بغیر اس کے کہ انہوں نے با قاعدہ نکاح کیا ہو۔

عملی شادی، ایک مرد ایک عورت کا ایک ساتھ رہنا بغیر اس کے کہ انہوں نے نکاح کیا ہو، نہ صرف یہ کہ ہیم برگ میں تیزی سے بڑھ رہا ہے بلکہ وہ ایک خاص جرمن انداز بنتا جا رہا ہے۔ اب یہ رجحان پیدا ہو رہا ہے کہ غیر شادی شدہ جوڑوں کے درمیان قانون دانوں کے ذریعہ زیادہ مفصل قسم کے معاہدے کیے جائیں۔ پچھلے دس برسوں میں ایسے غیر شادی شدہ جوڑوں کی تعداد چار گنا بڑھ گیے جو ایک ساتھ (میاں بیوی کی طرح) رہتے ہیں۔یہ بات ایک حالیہ جائزہ میں بتائی گئی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ پچھلے دس برس کے دوران ۱۸ سال اور ۲۵ سال کے درمیان عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں میں دس گنا حد تک عملی شادیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔اس طرح مغربی جرمنی میں ان جوڑوں کی تعداد

Togetherness Without Marriage

De Fecto marriage..... a man and a woman living together without being legally marred is not on the increase in Hamburg. but has taken a special German twist with a trend to engage lawyers for elaborate contracts between the non-spouses.

In the last ten yeras, the number of unmarried couples lining together has quadrupled

according to a poll by Emnid, a market research agency. Among people in the 18-25 age bracket, there are actually ten times as many defacto marriges as ten years ago. that adds up to one million West German couples who wake up every morning with one another. but have never tied the knot. (UNI-DPA)

The Times of India, (New Delhi) November 17, 1985.

Sociologists in France are puzzled why more and more men and women there perfer living together without marriage as "cohabiting couples" rather than as married couples. Though unmarried couples have no legal existence in France and there is insecurity over issues like custody adn inheritance, the practice has caught on in a big way. Official statistics published in Le Monde reveal that against 12 million married couples in France, there are now over a million "cohabiting couples". Since 1972, the number of traditional marriages has been declining and hit its all time low in 1985. "What is happening to the institution fo marriage?" ask sociologists.

Curiously, the cohabiting couples enjoy greater tax benefits than married couples. The tax deduction and allowance doubles up because of seperate assessments and municipalities certify that a couple is cohabitiing giving it the same welfare and public transport benefits as married couples. Socio-logists including Pierrealain Audirac attribute the trend to four major cause.

Spread of contraceptives has made marriage long-term commitments; working women enjoy greater independence and can stay unmarried or get divorced more easily and pervaisve unemployment has changed attitudes.

According to the United States National centrre for Health Statistics, the marriage rate for American women is at an all time low, its latest survey reveals that fo rth first time since 1940, the marriage rate for single women in the 15-44 age group has dropped below the magic figure of 100 per 1000. this has naturally reflected in the number of marrages, While in 1982. over 2.5 million marriages were performed, a year later this numbe came down to 2,445,604.

some sociologists have suggested that for good or bad, American women, expecially those belonging to the middle and upper middle class. see a conflict between marriage and their pursuit of a career. Indeed, despite the resurgence of traditionalism, women are forgoing the marriage option because of an increasing acceptance of men adn women living together without tying the matrimonial knot. Furthermore, there is even less disapproval of unmarried women having children.

The Times of India, (New Delhi) May, 17, 1986.

بڑھ کر ایک ملین تک پہنچ جاتی ہے جو ہر صبح کو ایک ساتھ اٹھتے ہیں۔ حالاں کہ انہوں نے اپنے آپ کو نکاح کے بندھن میں نہیں باندھا۔

ہندوستان کا تجربہ::

طلاق کو مشکل بنانے کا دوسرا تجربہ وہ ہے جو ہندوستان میں پیش آیا۔ ہندوستان کے قدیم مصلحین نے بظاہر عورت کے تحفظ کیلئے مذہبی طور پر طلاق کو ممنوع قرار دے دیا۔ مزید یہ کہ عورت کے اندر طلاق کا رجحان روکنے کیلئے انہوں نے یہ کیا کہ طلاق کے بعد عورت کیلئے نکاح ثانی کا راستہ تمام بند کر دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو قوانین بنائے اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک بار جب شادی ہو جائے تو اس کے

بعد نہ مرد اسے طلاق دے سکتا ہے اور نہ عورت کے لیے ممکن ہے کہ وہ پہلے شوہر سے جدائی کے بعد دوسرا نکاح کر سکے۔

مگر یہ اصطلاح گیر فطری تھی چنانچہ ہندو سماج کو اس کی بہت مہنگی قیمت دینی پڑی۔ عورت اور مرد اگر نکاح کے بعد ایک دوسرے کو مطمئن نہ کر سکے تو ان کی ساری زندگی بدترین تلخی میں گزرتی تھی۔ کیوں کہ نہ مرد کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور نہ عورت کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے پہلے شوہر سے جدا ہو کر اپنا دوسرا نکاح کر سکے۔ اس کے لیے صرف یہ ممکن تھا کہ ساری عمر ایک غیر مطلوب مرد کے ساتھ پُر اذیت زندگی گزارتی رہے اور اگر اس کا شوہر درمیان میں مر جائے تو اپنے آپ کو جلا کرستی ہو جائے۔

موجودہ زمانہ میں اس مسئلہ نے نئی شکل اختیار کی ہے۔ قانونی طور پر اگرچہ علیحدگی یا نکاح ثانی کو جائز کر دیا گیا ہے مگر ہندو سماج عملاً آج بھی انہیں روایات پر چل رہا ہے جو ہزاروں برس سے اس کے درمیان بنی ہیں۔ چنانچہ ہندو عورتوں کے بارہ میں کثرت سے اطلاعات مل رہی ہیں کہ وہ شوہر سے ناموافق کی بناپر خودکشی کر لیتی ہیں۔ اس کا سبب مذکورہ بالا مسئلہ ہے۔ یہ عورتیں جانتی ہیں کہ اولاً شوہروں سے علیحدگی مشکل ہے اور اگر کسی طرح علیحدگی ہو جائے تو دوسرا نکاح اس سے بھی زیادہ مشکل۔

جہیز کے بارہ میں

شادی میں جہیز دینے کی رسم ہندوستانی مسلمانوں میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ رسم ہندوستان اور پاکستان کے سوا دوسرے مسلم ملکوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ برصغیر ہند کے مسلمانوں میں یہ رسم یقینی طور پر ہندوؤں سے آئی ہے۔ ہندو لوگ، اپنے قدیم قانون کے مطابق، بیٹی کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ اس کی تلافی کے لیے ان کے یہاں یہ رواج پڑ گیا کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو زیادہ دیا جائے۔ چنانچہ وہ جہیز کے نام پر بیٹی کو اپنی دولت کا ایک حصہ دینے کی کوشش کرنے لگے۔

اسی ہندو طریقہ کی تقلید ہندوستن کے مسلمان بھی کر رہے ہیں۔ اسلام میں اگرچہ لڑکی کو وراثت میں باقاعدہ حصہ دار بنایا گیا ہے۔ مگر مسلمانوں نے عملی طور پر لڑکیوں کو اس شرعی حق سے محروم کر رکھا ہے۔ اس کی تلافی کے لیے انہوں نے اس ہندو طریقہ کو اختیار کر لیا ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو کافی سامان دے کر اسے خوش کر دیا جائے۔ جہیز حقیقتہً اسلام کے قانون وراثت سے فرار کی تلافی ہے جس کو پڑوسی قوم سے لے کر اختیار کر لیا گیا ہے۔

کچھ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ جہیز رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا تو ان کو اپنے پاس سے جہیز بھی عطا کیا۔ اس قسم کی بات دراصل غلطی پر سرکشی کا اضافہ ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیا اس کو کسی طرح بھی جہیز نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر اس کو جہیز کہا جائے تو ساری دنیا میں غالباً کوئی ایک مسلمان بھی نہیں جو اپنی لڑکی کو یہ پیغمبرانہ جہیز دینے کے لیے تیار ہو۔

فاطمہ ؓ کا جہیز ::

وہ ''جہیز'' کیا تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ کو دیا۔

اس کی تفصیل روایات میں آئی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معروف معنوں میں کوئی جہیز نہ تھا بلکہ انتہائی معمولی قسم کا چند ضروری سامان تھا۔یہاں ہم اس سلسلہ کی چند روایات نقل کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو جہیز میں ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک چمڑے کا تکیہ دیا جس میں اذخر گھاس کا بھراؤ تھا حضرت عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کے نکاح کے بعد ان کو حضرت علیؓ کے یہاں بھیجا تو ان کے ساتھ ایک خُمیل تھا۔عطا روانی نے پوچھا کہ خیل کیا ہے۔حضرت عبد اللہ نے کہا کہ چادر۔اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو چمڑے کا ایک تکیہ دیا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال اور اذخر تھا اور ایک مشکیزہ۔ وہ دونوں اس چادر کا آدھا حصہ بچھاتے اور آدھا اوڑھ لیتے۔

حضرت اسماء بنت عُمیس کہتی ہیں کہ فاطمہ جب رخصت کر کے علیؓ کے یہاں بھیجی گئیں تو ہم نے ان کے گھر میں اس کے سوا کچھ نہ پایا کہ وہاں ریت بچھی ہوئی تھی اور ایک تکیہ تھا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال تھا۔اور ایک گھڑا تھا اور ایک پانی پینے کا پیالہ۔

چند ضروری سامان::

واضح ہو کہ اوپر کی حدیث میں جھز کا لفظ آج کل کا معروف جہیز دینے کے لیے استعمال نہیں ہوا ہے۔تجہیز کے معنی عربی زبان میں سادہ طور پر سامان تیار کرنے کے ہیں جیسا کہ قرآن میں آیا ہے ملما جھزھم بجھازھم (یوسف ۷۰)یعنی جب انہوں نے ان کا سامان سفر درست کیا مذکورہ حدیث میں جھزؔ کا لفظ اسی سادہ مفہوم میں ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت کیا تو چند ضروری چیزوں کا انتظام کر کے ان کے ساتھ کر دیا۔یہ

ضروری چیزیں وہی تھیں جن کا ذکر اوپر کی روایات میں موجود ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ شادی کے وقت لڑکی کو کافی سامان بطور جہیز دینا چاہیے۔ تا کہ وہ آپ کے ساتھ اپنا نیا گھر بنا سکے۔مگر یہ سراسر جاہلی تصور ہے۔اسلام کے تصور نکاح سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔اگر یہ کوئی اسلامی چیز ہوتی تو یقیناً رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کا نمود پایا جاتا۔

کیوں کہ آپ دنیا میں اسی لیے آئے کہ دنیا و آخرت کے تمام معاملات میں خدا پرستانہ زندگی کا سچا نمونہ قائم کردیں۔

اصل عطیہ::

بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ وہ بظاہر سادہ شادی کرتے ہیں۔وہ نکاح کے مخصوص دن اپنی لڑکی کو زیادہ سامان نہیں دیتے۔مگر بعد کو وہ سب کچھ مزید اضافہ کے ساتھ اس کو دیدیتے ہیں جو ایک دنیا دار آدمی نکاح کے وقت نمائش کر کے اپنی لڑکی کو دیتا ہے۔

مگر یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہیں۔حضرت فاطمہؓ رسول اللہ کی محبوب صاحبزادی تھیں۔مگر آپ نے ان کو نہ نکاح کے دن گھر بنانے کے لیے سازو سامان کا ڈھیر دیا اور نہ آپ نے ایسا کیا کہ اولاً سادہ انداز میں نکاح کردیں اور اس کے بعد خاموشی کے ساتھ ہر چیز صاحبزادی کے گھر پہنچادیں۔حتیٰ کہ حضرت فاطمہ نے درخواست کی تب بھی آپ نے دینی نصیحت کے سوا ان کے لیے اور کچھ نہ کیا۔

حضرت فاطمہ کو گھر کا سارا کام خود کرنا پڑتا تھا۔وہ اس سے بہت پریشان تھیں۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے۔حضرت علیؓ نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ تمہارے والد کے پاس گرفتار شدہ غلام آئے ہیں۔تم آپ کے پاس جاؤ اور اپنی خدمت کے لیے ایک غلام مانگ لو۔

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔آپ نے کہا کہ میری بیٹی، تم کس

ضرورت سے آئی ہو۔انہوں نے کہا کہ آپ کو سلام کرنے کے لیے۔حضرت فاطمہؓ شرم وحیا کی وجہ سے آپ سے سوال نہ کرسکیں۔اورسلام کرکے واپس آ گئیں۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خود ان کے گھر پر آئے۔اس کے بعد جو گفتگو ہوئی اس کے الفاظ ایک روایت کے مطابق یہ تھے:

حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ اے خدا کے رسول، میرے دونوں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔کبھی چکی پیستی ہوں اور کبھی گوندھتی ہوں (اس لیے مجھے ایک غلام دے دیجئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق مقدر کیا ہوگا وہ تمہارے پاس آ جائے گا۔اور میں تم کو اس سے بہتر چیز بتاتا ہوں۔تم جب سونے کے لیے جاؤ تو ۳۳ بار اللہ کی تسبیح کرو۔اور ۳۳ بار اللہ کی تکبیر کرو اور ۳۴ بار اللہ کی حمد کرو۔یہ کل سو ہوئے۔یہ عمل تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

جو لوگ اپنی لڑکیوں کو بڑے بڑے جہیز دینے کے لیے حضرت فاطمہؓ کے نکاح کی مثال پیش کرتے ہیں کیا ان میں کوئی ہے جو ایسا کرسکے کہ اس کی لڑکی اس کو اپنے ہاتھ کے چھالے دکھائے اور وہ اس کو ذکر اور تسبیح کی تلقین کرے۔لڑکی ساس کو اپنی مصیبتیں بتائے اور باپ یہ کہے کہ بیٹی تم اللہ سے دعا کرلیا کرو۔

سنتِ رسول نہیں ::

رسول اللہ ﷺ کے یہاں حضرت فاطمہؓ کے علاوہ تین اور صاحبزادیاں تھیں جو بڑی ہوئیں اور پھر بیاہی گئیں۔ مگر مذکورہ ''جہیز'' بھی آپ نے صرف حضرت فاطمہ کو دیا۔بقیہ صاحبزادیوں کو اس قسم کا کوئی جہیز نہیں دیا۔اگر جہیز فی الواقع آپ کے مستقل سنت ہوتی تو آپ نے بقیہ صاحبزادیوں کو بھی ضرور جہیز دیا ہوتا۔مگر تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں نہیں ملتا کہ آپ نے بقیہ صاحبزادیوں کو بھی جہیز دیا

ہو۔

یہ فرق خود ثابت کرتا ہے کہ مذکورہ جہیز، اگر اس کو جہیز کہا جا سکے بر بندے ضرورت تھا نہ کہ بر بناء رسم۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی جب چھوٹے تھے اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کے والد (ابو طالب) سے یہ کہہ ک ان کو اپنی سر پرستی میں لے لیا تھا۔ حضرت علی بچپن سے آپ کے زیر کفالت تھے۔ گویا حجرت علیؓ ایک اعتبار سے آپ کے چچا زاد بھائی تھے اور دوسرے اعتبار سے آپ کے بیٹے کے برابر تھے۔ بچپن سے آپ کے تمام اخراجات کی فراہمی آپ کے ذمہ تھی۔ اس لیے بالکل قدرتی بات تھی کہ نکاح کے بعد نیا گھر بسانے کے لیے آپ انہیں بطور سر پرست کچھ ضروری سامان دے دیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسلام ایک ناقص دین ہے، اس میں زندگی کے تمام معاملات کے بارہ میں احکام موجود نہیں۔ تو مسلمان ایسے شخص سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ مگر عملاً مسلمان اسی بات کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ اسلام ایک ناقص دین ہے، یا کم از کم یہ کہ اس کی ہدایات کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کے طریقے زیادہ بہتر اور زیادہ قابلِ عمل ہیں۔

جہیز کے بارہ میں مسلمانوں نے واضح طور پر ہندو طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کی دوسری رسوم جو مسلمانوں میں رائج ہیں وہ اسلام سے زیادہ دوسری قوموں کے طور طریقوں سے ماخوذ ہیں۔ اگر مسلمانوں کا یہ خیال ہو کہ اسلام کے کامل دین ہونے پر فخر کرنا ہی خدا کے یہاں ان کی مقبولیت کے لیے کافی ہے تو اس سے بڑی غلط فہمی اور کوئی نہیں۔ کیوں کہ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر فخر کرتے تھے اس کے باوجود وہ خدا کیلئے یہاں ملعون قرار دیدے گئے۔

مہر کا مسئلہ

معاشرتی زندگی میں اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان ایک متوازن تقسیم قائم کی ہے۔ یہ تقسیم عمل کے اعتبار سے ہے۔ اسلام نے دونوں صنفوں کے درمیان ایک واضح تقسیم عمل کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام کے مطابق گھر کو سنبھالنے کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت کے اوپر ہے اور مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے اوپر۔ تقسیم کار کا یہ اصول جن نصوص سے نکلتا ہے ان میں سے ایک قرآن کی یہ آیت ہے:

> مرد عورتوں کے اوپر قوام ہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بنا پر کہ مرد نے اپنے مال سے خرچ کیا۔ پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرماں برداری کرنے والی، پیٹھ پیچھے نگہبانی کرنے والی ہیں اللہ کی حفاظت سے۔

ہر گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس ریاست کا ایک مسئلہ اس کا اندرونی انتظام ہے۔ اور اس کا دوسرا مسئلہ اس کی مالیات (بالفاظ دیگر، خارجی اسباب حیات کی فراہمی) ہے۔ عورت اپنی پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے پہلے کام کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اور مرد اپنی پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے دوسرے کام کی زیادہ بہتر صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسلام کی معاشرتی اور انتظامی تقسیم میں یہ کیا گیا ہے کہ گھر کے داخلہ امور کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت پر ڈالی گئی ہے۔ اور گھر کے خارجی امور اور مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے اوپر ہے۔

نکاح کے وقت ایک مرد مہر کے نام سے جو رقم اپنی بیوی کے حوالے کرتا ہے اس کا تعلق اسی خاص پہلو سے ہے۔ اسلام کے مطابق چوں کہ مرد اصولی طور پر عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے جب وہ ایک عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ عورت کے تمام ضروری اخراجات

کی کفالت کرے گا۔مہر اسی کے لیے ایک علامت ہے۔مرد اپنی بیوی کو مہر کے طور پر ایک علامتی رقم ادا کرے کے عمل کی زبان میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی مالیاتی کفالت کی ذمہ داری لے رہا ہے۔مہر کی اصل حیثیت یہی ہے۔

مہر معجّل::

مہر اصطلاحی طور پر اس رقم (یا کسی متعین چیز) کا نام ہے جو ایک مرد نکاح کے وقت اپنی بیوی کو ادا کرتا ہے۔اس مہر کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کو نکاح کے وقت فوراً ادا کر دیا جائے۔مہر کی اس قسم کو مہر معجّل کہتے ہیں۔معجّل کا لفظ عجلت سے بنا ہے۔یعنی جلد یا بلا تاخیر ادا کی جانے والی مہر۔

> رسول اللہﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں عام رواج مہر معجّل ہی کا تھا۔ وہ لوگ مختصر مہر باندھتے اور نکاح کے وقت ہی اس کو ادا کر دیتے۔ رسول اللہﷺ نے اپنی صاجزادی فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے کیا۔اس سلسلہ میں مختلف تفصیلات حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں۔اس کا ایک جز مہر کے بارہ میں ہے۔نکاح کی بات طے ہونے کے بعد رسول اللہﷺ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا حصہ یہ ہے:

رسول اللہﷺ نے کہا۔کیا تمہارے پاس کوئی چیز (بطور مہر) ہے جس کے ذریعہ تم فاطمہؓ کو اپنے لیے جائز کرو۔میں نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم اے خدا کے رسول۔ آپ نے کہا کہ وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے تم کو دی تھی۔(حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں علی کی جان ہے۔وہ زرہ ٹوٹ چکی تھی۔اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔پس میں نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔آپ نے کہا کہ میں نے تمہارا نکاح فاطمہؓ سے کر دیا تو اس زرہ کو فاطمہؓ کے پاس بھیج دو اور اس کے ذریعہ فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرو۔تو یہ تھا فاطمہ بنت رسول اللہﷺ کا مہر۔

حضرت ربیعہ اسلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ربیعہ تم نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ یہ سوال و جواب کئی بار ہوا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کے فلاں قبیلہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو بھیجا ہے اور کہا ہے کہ تم فلاں عورت سے میرا نکاح کر دو۔ چنانچہ میں نے جا کر کہا اور انہوں نے میرا نکاح کر دیا۔ مگر مجھے یہ غم تھا کہ میرے پاس مہر دینے کے لیے کچھ نہیں۔ میں نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا:

> رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اسلم کے سردار بریدہ اسلمی سے کہا کہ اے بریدہ، تم لوگ اس کے لیے ایک گٹھلی کے ہم وزن سونا جمع کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے میرے لیے ایک گٹھلی کے ہم وزن سونا جمع کیا پھر میں نے جو کچھ انہوں نے جمع کیا تھا لیا اور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو لے کر ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ یہ اس کا مہر ہے۔ پھر میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ یہ اس کا مہر ہے انہوں نے قبول کیا اور وہ راضی ہو گئے انہوں نے کہا کہ بہت ہے۔ اچھا ہے۔

مہر موجل ::

مہر کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرد یہ وعدہ کرے کہ وہ اتنی مدت میں اس کو ادا کر دے گا۔ اس دوسری قسم کی مہر کا شرعی نام مہر موجل ہے۔ موجل کا لفظ اجل (مدت) سے بنا ہے۔ مہر موجل کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہر جس کی ادائیگی کے لیے ایک وقت اور ایک مدت مقرر کر دی جائے۔ اگر بوقت نکاح فوراً مہر ادا نہ کیا جا رہا ہو تو اسی وقت اس کی ادائیگی کی مدت کے تعین ضروری ہے۔

مہر موجل کی ایک مثال حضرت موسیٰ کے نکاح میں ملتی ہے۔ قرآن میں بتایا گیا

ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکل کر مدین پہنچے تو وہاں انہوں نے حضرت شعیب کی صاحبزادی (صفورا) سے نکاح کیا۔ یہ نکاح مہر موجل پر ہوا تھا۔ نکاح کی مہر طرفین کی رضامندی سے یہ قرار پائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بوڑھے خسر حضرت شعیب کی بکریاں چرائیں۔ اس گلہ بانی کی اجل (مدت) کم سے کم آٹھ سال یا زیادہ سے زیادہ دس سال تھی۔ اس کے مطابق حضرت موسیٰ کا نکاح ہوا اور پھر انہوں نے دس سال تک حضرت شعیب کے گھر پر خدمت کی۔ اس طرح مہر موجل کو پورا کر کے وہ دوبارہ مدین سے مصر کے لیے روانہ ہو گیے۔ (القصص)

مہر کا اصل شرعی طریقہ یہ ہے کہ اس کو نکاح کے وقت فوراً ادا کر دیا جائے۔ اسی پر اکثر صحابہ کا عمل رہا ہے۔ گویا اصل مہر وہی ہے جو مہر معجّل ہو۔ مہر کی دوسری قسم (مہر موجل) دوسرا برابر درجہ کا طریقہ نہیں۔ یہ صرف رخصت کا طریقہ ہے۔ اصلاً مہر کی ایک ہی قسم ہے، اور وہ فوراً ادا کر دینا ہے۔ تاہم بطور رخصت یہ دوسرا طریقہ بھی رکھا گیا ہے تا کہ آدمی حسب ضرورت نکاح کے بعد بھی مقررہ مدت پر اس کو ادا کر کے بری الذمہ ہو سکے۔

مہر کے بارہ میں تفصیل ابواب فقہ کی کتابوں میں آئے ہیں۔ عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع میں مہر (مباحث الصداق) پر ۸۵ صفحات ہیں۔ مہر کے موجل یا معجّل (تاجیل الصداق و تعجیلہ) کے مسائل چار صفحات میں بیان ہوئے ہیں۔ اس بارہ میں اگرچہ فقہاء کے درمیان بعض اختلافات ہیں مگر وہ تمام تر جزئی ہیں۔ ان جزئی اختلافات سے قطع نظر مختلف فقہاء کے اقوال کا خلاصہ صاحب کتاب کے الفاظ میں یہ ہے:

حنفیہ کا کہنا ہے کہ مہر کی تاخیر جائز ہے۔ اس کا کل یا جزء فوری طور پر دیا جا سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مدت غیر متعین نہ ہو۔

مالکیہ کا قول ہے کہ مہر جب غیر معین ہو تو اس کا کل یا جزء جائز ہے اس شرط پر کہ مدت مجہول (غیر متعین) نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ مہر کا کل یا جزء موخر کیا جائے اس شرط پر کہ مدت مجہول نہ ہو۔

شافعیہ کا کہنا ہے کہ مہر کی تاخیر جائز ہے اس شرط پر کہ مدت مجہول نہ ہو۔ خواہ مہر کا کل حصہ موجل ہو یا اسکا جزئی حصہ۔

زیادہ مہر نہیں::

مہر رقم میں بھی دی جا سکتی ہے اور کسی چیز کی صورت میں بھی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسکی مقدار حسب استعداد مقرر کی جائے۔ وہ اتنی ہو کہ آدمی سہولت کے ساتھ اس کو اسی وقت ادا کر سکے۔ مہر کی کم سے کم حد کے بارہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ تاہم ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ وہ اتنی ہو کہ اس کے ذریعے سے ضرورت کی کوئی چیز خریدی جا سکے۔ ہر وہ رقم مہر بن سکتی ہے جو کسی چیز کی قیمت ہو۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷۔

احادیث میں کوئی بھی ایسی حدیث نہیں جس میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی ہمت افزائی کی گئی ہو۔ اس کے برعکس بہت سے روایتیں ہیں جن میں کم مہر مقرر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اسلام کا طریقہ ہمیشہ تلقین کا ہوتا ہے نہ کہ تحریم کا۔ چنانچہ زیادہ مہر کو اگرچہ بالکل ممنوع قرار نہیں دیا گیا ہے۔ مگر تمام روایتیں اس کے حق میں ہیں کہ مہر زیادہ نہ باندھی جائے۔ چند روایتیں یہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی برکت میں سے یہ ہے کہ اس کا معاملہ سہل ہو اور اس کا مہر کم ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ برکت والی عورت

وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہﷺ کی بیویوں کا مہر کتنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہﷺ کا مہر اپنی بیویوں کے لیے بارہ اورقیہ اور ایک نش تھا۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ نش کیا ہے ۔راوی نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نصف اوقیہ۔ یہ تقریباً پانچ سو درہم ہوا یہی رسول اللہﷺ کا مہر اپنی بیویوں کے لیے تھا۔ لیکن ام حبیبہ کا مہر چار ہزار درہم تھا اور اس کو شاہ نجاشی نے (غائبانہ نکاح) میں رسول اللہﷺ کی طرف سے خود مقرر کیا تھا۔

غیر افضل طریقہ::

روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مہر میں کس نے چار سو درہم پر اضافہ کیا۔ رسول اللہﷺ اور آپ کے اصحاب کا مہر آپس میں چار سو درہم یا اس کے کم ہوتا تھا۔ اور اگر مہر میں زیادتی تقوی اور عزت کی بات ہوتی تو تم مہر کے بارے میں ان سے آگے نہیں جاسکتے تھے۔

دوسری روایت ہے کہ خلیفہ دوم نے فرمایا کہ اے لوگو، تم عورتوں کے مہر زیادہ نہ باندھو، اور مجھے جس شخص کے بارے میں بھی یہ اطلاع ملے گی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے یا کسی کو اس سے زیادہ مہر دیا گیا ہے تو میں زیادہ مقدار کو لے کر اس کو بیت المال میں جمع کردوں گا۔

یہ کہہ کر آپ منبر سے اترے تو قریش کی ایک عورت سامنے آئی ۔اس نے کہا اے امیر المومنین، اللہ کی کتاب زیادہ پیروی کے قابل ہے یا آپ کا قول ۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ کی کتاب۔عورت نے کہا کہ ابھی آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کریں اور اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ۔۔۔۔

اور اگر تم نے کسی عورت کو زیادہ مال دیا ہے تو (طلاق کے بعد) اس میں سے کچھ نہ لو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: ہر ایک عمر سے زیادہ جانتا ہے۔ (کل احد افقہ من عمر) آپ نے یہ فقرہ تین بار کہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ دوبارہ منبر پر آئے اور لوگوں سے کہا۔

میں نے تم کو عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے روکا تھا۔ اب ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال میں جا چاہے کرے۔ آپ نے مزید فرمایا) مہر اگر آخرت میں بلندی اور عظمت کی چیز ہوتی تو یقیناً رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اس کی زیادہ مستحق تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں زیادہ مہر باندھنا اگر چہ خالص قانونی اعتبار سے بالکل ممنوع چیز نہیں مگر وہ یقینی طور پر غیر افضل چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مہر کم تھے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے اپنا یا اپنی بیٹیوں کا مہر زیادہ مقرر کیا ہو۔

صحابہ کی شادی::

دور اول میں شادی کوئی دھوم کی چیز نہ تھی۔ وہ ایک ایسی چیز تھی کہ جس کو بس سادہ طور پر انجام دے دیا جائے۔ اس کے رسول اور اس کی اخراجات اتنے مختصر ہوں کہ وہ طرفین کے لیے کسی بھی اعتبار سے بوجھ نہ بنے۔ صحابہ کے یہاں شادی کی تقریب ہر قسم کی تکلیف اور نمائش سے بالکل خالی ہوتی تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم بوجھ ہو۔ (اعظم النکاح برکتہ الیسرہ مونتہ ہمسند احمد) اور کم بوجھ والا نکاح یقیناً وہ ہے جو اپنے موجودہ وسائل کے ذریعے آسانی کے ساتھ ہو جائے۔ نہ کہ وہ جس کا تحمل اس کے وسائل نہ کر سکتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا معاملہ آیا جس کا نکاح ایک خاتون سے

طے ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کیا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ آپ نے دوبارہ پوچھا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اسکے بعد آپ نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم جا کر کسی سے قرض لاؤ اور پھر اس کے ذریعہ سے نکاح کرو۔ بلکہ اگلا سوال آپ نے یہ کیا کہ کیا کہ تمہارے پاس کچھ قرآن ہے۔ (قرآن کا کچھ حصہ تم کو یاد ہے) اس نے کہا کہ ہاں آپ نے فرمایا جاؤ میں نے قرآن کے اسی محفوظ حصہ کو مہر قرار دے کر اس خاتون کے ساتھ نکاح کر دیا۔ (زوجتك بمعامعك من القران، کتاب الفقه عی المذاهب الاربعه، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷)۔

مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مدینہ میں شادی کی۔ اس وقت مدینہ میں رسول اللہ ﷺ موجود تھے۔ مگر انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ رسول اللہ ﷺ یا دوسرے بڑے صحابہ کو اس موقع پر بلائیں۔ انہوں نے بس خاموشی سے ایک خاتون کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس سلسلہ میں امام احمدؒ نے مفصل روایت نقل کی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ان کے اوپر زعفران کی خوشبو کا اثر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کتنا مہر دیا۔ انہوں نے کہا کہ کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا۔

غلط رواج::

موجودہ زمانہ میں نکاح کی اصل اسلامی روح تقریباً ختم ہوگئی ہے۔ مسلمانوں میں آج نکاح کا جو طریقہ عام طور پر نظر آتا ہے وہ اسلامی نکاح سے زیادہ رواجی نکاح ہے۔ اسکا ایک نمونہ مہر ہے۔ لڑکی والے عام طور پر مہر زیادہ باندھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا مقصد مرد کے مقابلہ میں عورت کے مفاد کی حفاظت ہے۔

ڈکشنری آف اسلام میں اس سلسلہ میں حسب ذیل الفاظ درج ہیں:

The custom of fixing heavy dowere, generally beyond hte husbands's means, especially in India. Seems to be based upon the intention of checking the husband form ill-treating his wife, and above all, from his marrying another woman, as also from wrongfully or causelessly divorcing the former. For in the case of divorce the woman can demand the full payment of the dower.

The Dictionary of Islam
by Thomas Patrick Hughes, (1979) p. 91.

بہت زیادہ مہر باندھنے کا رواج جو شوہر کے ذرائع سے زیادہ ہو، خاص طور پر ہندوستان میں، بظاہر اس مقصد سے ہے کہ شوہر کو اس سے روکا جائے کہ وہ بیوی کے ساتھ برا سلوک کرے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ دوسری شادی نہ کر سکے۔ اور مزید یہ کہ وہ غلط طور پر یا بلا سبب اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ کیوں کہ طلاق کی صورت میں عورت پوری مہر کی ادائیگی کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

مذکورہ مقصد کے تحت مہر زیادہ باندھنا اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ نکاح کے موقع پر مہر تو مقرر کرنا ہے مگر اس کو ادا نہیں کرنا ہے۔ اگر نکاح کے ساتھ فوراً مہر ادا کر دیا جائے تو مانع طلاق یا اور کسی مانع کی حیثیت سے اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ جب مہر خود باقی نہیں رہا تو اس کے مانع ہونے کی حیثیت کیسے باقی رہے گی۔

مگر یہ مفروضہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اسلام میں مہر کی جائز صورتیں صرف دو ہیں۔ ایک مہر معجّل، یعنی وہ مہر جو نکاح ہونے کے بعد اسی وقت ادا کر دیا جائے۔ دوسرے مہر موجل، یعنی وہ مہر جس کو فوراً ادا نہ کیا جائے بلکہ اس کی ادائیگی بعد کو ہو۔ مگر یہ ”بعد“ لازمی طور پر متعین ہونا چاہیے۔ یعنی مرد اس کی ادائیگی کی ایک اجل (مدت) مقرر کرے اور اس مدت پر لازماً اس کو ادا کر دے۔ تیسرے مروجہ شکل (نکاح کے وقت ادائیگی مہر کی مدت مقرر نہ کرنا)

ایک غیر شرعی طریقہ ہے۔ اس کی بنیاد پر جو کچھ کیا جائے وہ بھی یقیناً غیر شرعی ہوگا۔

اب غور کیجئے کہ جب مہر کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ یا تو اس کو فوراً بوقت نکاح ادا کر دیا جائے یا نکاح کے وقت ایک متعین مدت مقرر کی جائے اور اس متعین مدت پر اس کو ضرور ادا کر دیا جائے۔ تو ایسی صورت میں طلاق کو روکنے کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا بالکل بے معنی ہے۔ صرف وہی مہر مانع کا کام کر سکتی ہے جو بلا تعین مدت مقرر کی جائے۔ مگر یہ خود اسلامی طریقہ کے مطابق نہیں۔ مہر کے لیے ادائیگی مدت کی تعین اپنے آپ اس کو اس اعتبار سے بے اثر کر دیتی ہے کہ وہ مرد کے لیے مانع طلاق کا کام دے۔

پردہ کا حکم

از علامہ ناصرا دلین الالبانی

اس باکے تحت ایک مشہور عرب عالماور محدث محمد ناصر الدین الالبانی (۱۹۱۴) کی عربی کتاب کا خلاصہ درج کے اجا رہا ہے۔ راقم لاحروف ک ایہ ترجمہ اور خلاصہ ابتداءً سہ ماہی محلّہ اسلام اور عصر جدید (دہلی) کے شمارہ جنوری ۱۹۷۳ میں شائع ہوا تھا۔

تالیف: محمد ناصر الالبانی (شامی)

صفحات: ۱۲۲، ناشر: المکتب الاسلامی، بیروت (لبنان)

ہمارے پیش نظر اس عربی کتاب کا تیسرا اڈیشن (۱۳۸۹) ہے جو ابتدائی اڈیشنوں کے مقابلے میں مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس میں مصنف کے بیان کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں پردے کے مسئلے کی تحقیق کی گئی ہے۔

مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عورت کا چہرہ لازماً پردے میں شامل نہیں ہے۔() اگرچہ انہیں یہ بھی اعتراف ہے کہ اس کا چھپانا، زیادہ بہتر ہے۔ (استرھو افضل) وہ ان لوگوں سے متفق نہیں ہیں جو چہرے کو اگرچہ لازمی طور پر ستر شامل نہیں سمجھتے۔ مگر فسادِ زمانہ کے بنا پر اسباب فتنہ کی روک تھام کے لیے (سدالذریعہ) اس کو چھپانا ضروری قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں انہوں نے جن روایات سے استدلال کیا ہے، ان میں سے ایک یہہے:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: مسلم خواتین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز میں شریک ہوتی تھیں، چادر لپیٹی ہوئی، پھر نماز کے بعد اپنے گھروں کو واپس ہوتی تھیں اور اس وقت اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا چہرہ کھلا ہوتا تھا۔ کیوں کہ اگر چہرہ کھلا ہوا نہ ہوتو ان کو پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ یہ جملہ اس وقت بامعنی ہے جب کہ ان کا چہرہ، جس سے آدمی حقیقۃً پہچانا جاتا ہے۔ کھلا ہوا ہو۔

اسی طرح عورتوں کے ہاتھ کے شامِ ستر نہ ہونے کے سلسلے میں انہوں نے ابن عباسؓ کو مشہور روایت نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضورﷺ نے عورتوں کے سامنے تقریر فرمائی اور انہیں صدقے کی تلقین کی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلایا تو عورتیں اپنے چھلے اور انگوٹھی نکال نکال کر اس میں ڈالنے لگیں۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد، صاحب کتاب ابن حزم کا قول نقل کرتے ہیں:

> ابن عباسؓ نے آنحضرتﷺ کی موجودگی میں عورتوں کے ہاتھ اور چہرہ دونوں چھپانے والی چیزیں نہیں ہیں۔ البتہ ان کے سوا جسم کے جو حصے ہیں، ان کا چھپانا ضروری ہے۔

آج کل کی عورتیں زیب و زینت میں جن بے ہودہ طریقوں تک پہنچ گئی ہیں ان کو دیکھ کر میرا دل پھٹ جاتا ہے۔ مگر اس کا علاج یہ نہیں کہ وہ چیز جس کو اللہ نے مباح رکھا ہو۔ اس کو ہم حرام ٹھہرائیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآنی آیات، سنت محمدی اور آثار سلف کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے پورے بدن کو چھپائے اور اپنی زینت کو کوئی حصہ ظاہر نہ ہونے دے۔ ماسوا وجہ اور کفین (چہرہ اور دونوں ہاتھوں) کے۔

ان کے تحقیق کے مطابق شرائط حجاب حسب ذیل ہیں:

۱۔ پورے بدن کو چھپانا الا وہ جو مستثنیٰ کیا گیا ہو۔

۲۔ ایسا حجاب نہ اختیار کیا جائے جو بذات خود زینت بن جائے۔

۳۔ لباس باریک کپڑے کا نہ ہو جس سے بدن جھلکے۔

۴۔ کشادہ لباس ہو، تنگ نہ ہو۔

۵۔خوشبو میں بسا ہوا نہ ہو۔

۶۔مرد کے مشابہ نہ ہو۔

۷۔کافر عورتوں کے مشابہ نہ ہو۔

۸۔ شہرت کا لباس نہ ہو۔

حجاب کی پہلی شرط کا ماخذ، مصنف کے نزدیک سورہ نور کی آیت ۳۱، اور سورہ احزاب کی آیت ۵۹ ہے۔یہ دونوں آیتیں حسب ذیل ہیں:

> اور کہدو مومن عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔سوا اس کے جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوا اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پراے اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا جو طفیلی کے طور پر جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں اور اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔اور مسلمانو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

> اے نبی کہدو اپنی بیویوں سے اور اپنی لڑکیوں سے اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہ لٹکا لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادریں۔اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی اور ایذا نہ دی جائے گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورہ نور کی آیت کے سلسلے میں احادیث سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے

اس قول کو ترجیح دی ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں الا ماظھر منھا سے وجہ اور کفین (چہرہ اور ہاتھوں) کا استثنا مراد ہے۔

سورہء احزاب کی آیت کے سلسلے میں، مختلف احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

جو شواہد ہم نے درج کیے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا برقع یا اور کسی چیز سے اپنے چہرے کو چھپانا مشروع اور پسندیدہ ہے۔ اگر چہ وہ اس پر لازم نہیں۔ اس طریقے پر عمل کران احسن ہے مگر جو عمل نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

۲۔ حجاب کی دوسری شرط، مصنف کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ وہ بذات خود زینت نہ ہو۔ قرآن میں اس کو تبرج کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہء جاہلیت کے مطابق مت پھرو اور تم نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح پاک صاف کرے۔

مصنف کے نزدیک، اس حکم کا منشا یہ ہے کہ عورت اپنی زینت اور محاسن کو اس طرح ظاہر نہ کرے کہ اس سے دیکھنے والوں میں میلان اور شہوت پیدا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

جلباب لٹکانے کا حکم اس لیے ہے کہ عورت کی زینت کو چھپایا جائے۔ اس لیے نا قابلِ تصور ہے کہ جلباب خود بھی ایک زینت بن جائے۔

مصنف لکھتے ہیں کہ تبرج سے بچنے کی اسلام میں اتنی زیادہ اہمتے ہے کہ اس کو شرک اور زنا اور سرقہ جیسی حرام چیزوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے متعلق حدیثیں جمع کر دی ہیں۔

۳۔ مصنف کی تقسیم کے مطابق حجاب کی تیسری شرط یہ ہے کہ کپڑا باریک نہ ہو:

کیوں کہ اس کی موجودگی میں پردہ پردہ نہیں ہوسکتا اور باریک کپڑا، جس سے بدن جھلکے، عورت کے زینت اور فتنہ میں اضافہ کرتا ہے۔

اس سلسلے میں انہوں نے مختلف حدیثیں نقل کی ہیں۔ مثلاً:

میری امت کے آخری دور میں ایسی عورتیں ہوں گی جو پہن کر بھی ننگی دکھائی دیں گی۔

۴۔ حجاب کی چوتھی شرط، مصنف کے نزدیک یہ ہے کہ کپڑا ڈھیلا ڈھالا ہو۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی تائید میں مختلف حدیثیں نقل کی ہیں۔ آخر میں انہوں نے حضرت فاطمہؑ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ مرنے کے بعد عورت کو ایسے کپڑے میں لپیٹا جائے جس سے اس کا عورت ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

نقلِ روایت کے بعد وہ لکھتے ہیں:

پس دیکھو کہ نبی ﷺ کی جگر گوشہ فاطمہؓ نے مردہ عورت تک کو ایسے کپڑے میں رکھنا قبیح قرار دیا جس میں اس کے نسوانی اعضا ظاہر ہوتے ہوں پھر زندہ عورت کا ایسے لباس میں ہونا تو اور زیادہ بُرا ہوگا۔

۵۔ حجاب کی پانچویں شرط یہ ہے کہ کپڑا خوشبو میں بسا ہوا نہ ہو۔

بہت سے احادیث ہیں جو عورت کو اس سے روکتی ہیں کہ وہ خوشبو لگا کر باہر نکلے۔

پھر چار روایتیں نقل کرنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں:

ابن دقیق نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں مسجد میں جانے والی عورت کے لیے خوشبو لگا کر نکلنے کو حرام قرار دیا گیا ہے کیوں کہ اس میں مردوں کے لیے شہوت کا محرک پایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں جب یہ مسجد میں جانے والی عورت کے لیے حرام ہے تو وہ عورتیں جو بازار اور راستوں اور سڑکوں پر جاتی ہیں۔ یقیناً ان کی حرمت اور ان کا گناہ شدید تر ہوگا اور ہیثمی نے لکھا ہے کہ عورت کا معطر اور مزین ہو کر گھر سے نکلنا گناہِ کبیرہ ہے۔ خواہ اس کے شوہر نے اس کی اجازت دی ہو۔

۶۔حجاب کی چھٹی شرط یہ ہے کہ لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو۔اس سلسلے میں انہوں نے مختلف روایتیں نقل کی ہیں۔مثلاً:

رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کے مشابہ بنیں، اور ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کے مشابہ بنیں۔

ایسا لباس عورتوں کے لیے ممنوع ہے جس کا غالب حصہ مردوں جیسا ہو، اگر چہ وہ ساتر ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔حجاب کی ساتویں شرط یہ ہے کہ لباس کافر عورتوں کے مشابہ نہ ہو۔وہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی شریعت کا ایک عظیم اصول ہے کہ کفار سے تشبیہ نہ اختیار کیا جائے۔نہ عبادت میں، نہ تہواروں میں، نہ پوشش میں، (صفحہ ۷۸) قرآن میں اس کا مجمل حکم ہے۔مگر سنت میں اس کی تفصیل موجود ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے جن آیات سے استدلال کیا ہے۔ان میں سے ایک لا یکونو کالذین اوتوا الکتاب (حدید) ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ابن تیمیہ اور ابن کثیر کے اقوال نقل کیے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس میں کفار سے تشبہ اختیار کرنے کی نہی نکلتی ہے۔(صفحہ ۸۰)

اس کے بعد انہوں نے وہ روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ، روزہ، حج، ذبائح، طعام، لباس، آداب و عادات اور مختلف چیزوں میں کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے۔

۸۔حجاب کی آٹھویں شرط یہ ہے کہ عورت کا لباسِ شہرت نہ ہو۔اس سلسلے کی ایک حدیث یہ ہے:

جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے، اللہ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔

کتاب کے آخر میں مصنف نے اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

عورت کا لباس اس کے پورے بدن کو ڈھکنے والا ہونا چاہیے۔سوا چہروں اور

دونوں ہاتھوں کے اور ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا لباس بذات خود زینت بن جائے اور وہ نہ باریک ہو اور نہ تنگ ہو کہ بدن کے اعضا ظاہر ہوں۔ وہ نہ خوشبو لگا ہوا ہو اور نہ وہ مردوں اور کفار کے مشابہ ہو اور نہ وہ لباسِ شہرت ہو۔

اضافہ مترجم

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نبی، ایمان والے مردوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ طریقہ ان کے لے پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور وہ اپنی زینت کو نہ کھولیں مگر وہ جو ظاہر ہو جائے۔()

اس آیت کے سلسلے میں یہ سوال ہے کہ الا ما ظھر منھا سے کس چیز کا استثنا مراد ہے۔ یعنی وہ کیا چیز ہے جس کو عورت کھلا رکھ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں فقہا اور مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ یہ دو رائیں اس واقعہ پر مبنی ہیں کہ زینت دو قسم کی ہوتی ہیں۔ زینت خلقیہ اور زینت مکتبہ، چناچہ ایک گروہ نے اس سے دونوں قسم کی زینتیں مراد لی ہیں اور دوسرے گروہ نے اس سے صرف زینت مکتبہ مراد لیا ہے۔

ابنِ مسعود، حسن، ابنِ سیرین، ابوالجوزاء، ابراہیم وغیرہ نے اس سے صرف زینت مکتبہ مراد لیا ہے۔ یعنی وہ آرائش و زیبائش جو عورت خود اپنے جسم پر ڈالتی ہے۔ مثلاً کپڑا وغیرہ ان حضرات کے نزدیک عورت کو باہر نکلنے کی صورت میں اپنی اس قسم کی زیبائش کو خود سے کھلا نہیں رکھنا چاہیے البتہ اگر اس کا کوئی جزء آپ سے ظاہر ہو جائے تو اس میں کوئی حرف نہیں مثلاً جسم کے اوپر کی چادر کا ہوا سے اڑنا اور اس کی وجہ سے وقتی طور پر کسی زیبائش کا کھل جانا۔

دوسری رائے وہ ہے جو عبداللہ بن عباس، عبداللہ عمر، عطا، عکرمہ، سعید، ضحاک، ابراہیم وغیرہ سے منقل ہے۔ یہ حضرات الا ان ظھر منہا سے وجہ اور کفین

(چہرہ اور دونوں ہاتھ) کا استثناء مراد لیتے ہیں۔ یہ دوسری تفسیر اس روایت پر مبنی ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔حضرت عائشہؓ کہتی کہ اسما بنت ابی بکرا آئیں اور ان کے جسم پر باریک کپڑا تھا۔ آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔آپ نے فرمایا: اے اسماء عورت جب حیض کو پہنچ جائے تو اس کے لئے درست نہیں کہ وہ اس کے سوا اپنے جسم کا کوئی اور حصہ کھولے اور آپ نے اپنی چہرہ اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس بناء پر اس معامہ میں فقہاء کے دو گروہ ہو گئے ہیں احناف اور مالکیہ کا کہنا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہتھلیاں چھپانے والی چیزوں میں شامل نہیں

شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ وجہ اور کفین عورت ہیں یعنی چھپانے کی چیزیں ہیں ان کے نزدیک زینت خلقی اور زینت کسی دونوں مطلق طور پر چھپانے کی چیزیں ہیں ان کا کھولنا عورت کے لئے حرام ہے اور الا ماظہر سے جو چیز مستثنیٰ کی گئی ہے وہ صرف وہ چیز ہے جو قصد وارادہ کے بغیر اپنے آپ کھل جائے اس پر ان سے مواخذہ نہیں۔ چناچہ چہرہ اور ہتھلی عورت کی وہ زینت ہیں جن کا کھولنا ضرورت کے بغیر حرام ہے۔

مولانا شبیر عثمانی سورہ النور کی مزکورہ آیے کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

احقر کے نزدیک یہاں زینت کا ترجمہ زیبائش زیادہ جامع اور مناسب ہے زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسی زینت کو شامل ہے۔خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے۔خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی بھی قسم کی خلقی یا کسی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے کسی کے سامنت جائز نہیں ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کے ظہور کو بسعدم وقدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتے اس کے بہ مجبوری یا بہ ضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو)

حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین (ہتھلیاں) میں داخل ہیں کیوں کہ بہت سی ضروریات دینی و دینوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔آگے فقہانے قدمیں کو بھی ان ہی اعضا پر قیاس کیا ہے لیکن واضح رہے کہ الا ماظہر ہے صرف عسرتوں کو بہ ضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ یہ اعضاء کا نظارہ کریں

تجرباتی تصدیق::

جدید ترقی یافتہ ملکوں کے معاشرتی مسائل میں جو مسئلہ سرفہرست ہے وہ طلاق کا ہے ان ملکوں میں اکثر شادیاں طلاق پر ختم ہو جاتی ہیں طلاقوں کی اس کثرت نے خاندانی اندگی کے نظام کو بالکل درہم برہم کر دیا ہے بچے اپنے والدین کی موجودگی میں بڑوں کی سرپرستی سے محروم ہو جاتے ہیں وہ خودرو پودے کی طرح پرورش پاتے ہیں اور بالاخر مجرمین میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں یہ بات عام طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ جدید نوجوان میں انا کی کا رجحان زیادہ تر انہیں اجڑے ہوئے گھروں کی پیداوار ہے۔

قدیم امانہ میں طلاقوں کی کثرت کا یہ مسئلہ نہ تھا پھر موجودہ زمانہ ہی میں یہ مسئلہ اتنے بڑے پیانے پر کیوں پیدا ہوا ہے اس کا ساحد سب سے بڑا مسئلہ وہ چیز ہے جس کو آج کل کی زبان میں مخلوط سماج اور رمذہبی زبان میں بے پردہ معاشرے کہا جا تا ہے اس بے قید طرز معاشرت نے اس نات کو ممکن بنا دیا ہے کہ عورت اور مرد کسی بھی قسم کی رکاوٹ یا حد بندی کے بغیر سمندر کی مچھلیوں کی طرح ایک دوسرے کے درمیان رہیں اس طرز معاشرے میں جنسی وفاداریوں کو بار بار تبکیل ہونت لازمی ہے۔باپردہ معاشرے میں عمومی طور پر آدمی صرف اپنی بیوی کو دیکھتا ہے اس لئے وہ انتشار وفاداری کے فتنہ سے بچا رہتا ہے اس دے برعکس بے پردہ معاشرت مین بار

باردوسرے چہرے اس کے سامنے آتے ہیں اب اس کو نظر آتا ہے کہ نیا چہرہ قدیم چہرہ سے زیادہ اچھا ہے یہ تقابلی مشاہدہ اس کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے اور پرانے جوڑنے سے اکتا کر نئے جوڑے کی طرف دوڑ پڑتا ہے چنانچہ مغربی کہانیوں میں اچپ یہ بتایا جاتہ ہے کہ مرد اور عورت شادی کر کے کچھ دن ایک ساتھ رہے اس کے بعد ان کے سامنے کوئی اور چہرہ آیا اور وہ ان دہ پسند آ گیا۔ انہوں نے سابقہ تعلق کو ختم کر کے نیا تعلق قائم کر لیا۔

انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں مغربی ملکوں میں طلاق کی برھتی ہوئی شرح پر کلام کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کے گیا ہے چنانچہ مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ فلم ایگو مصنفین اور دوسرے گروہ کے لوگ جو کہ جنس مخال سے زیادہ روابط رکھتہ ہیں ان میں طلاق کا زیادہ رجحان پایا جاتا ہے۔

Actors authors and other groups that have many contafcts with the opposite six tend to have a divorce frequency

اس مغربی رپورٹ میں طلاقوں کی کثرت کو روابط (Contacts) کی کثرت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ یہ بہت اہم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مخلوط معاشرت یا بے پردہ معاشرت کا بہت گہرا رشتہ ازدواجی زندگی کی عدم استواری سے ہے۔ باپردہ معاشرت کا ماحول ازدواجی زندگی میں استواری پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس بے پردہ معاشرت کا ماحول ازدواجی زندگی میں عدم استواری کا موجب بنتا ہے۔ اور اس طرح طلاق کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

بے پردہ معاشرت کا یہ انجام باپردہ معاشرہ کے درست ہونے کی ایک تجرباتی تصدیق ہے۔ باپردہ معاشرت طلاق کے خلاف گویا ایک مانع عامل (Deterrrent factor) کی حیثیت رکھتی ہے۔ بالفاظِ دیگر، بے پردہ معاشرت خاندانی نظام کو غیر مستحکم کر کے طرح طرح کی سماجی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ اس کے

مقابلہ میں باپردہ معاشرت خاندانی نظام کو مستحکم بناتی ہے جو کہ نسل انسانی کے لیے مختلف قسم کے عظیم فوائد کی ضامن ہے۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

کامیاب ازدواجی زندگی

قال عبد اللّٰہ بن جعفر یوصی ابنته عند زواجها: یابنیة، ایاك والغیرة فانها مفتاح الطلاق۔ وایاك والمعاتبة فانها تورث الضغینة۔

حضرت عبداللہ بن جعفر نے نکاح کے وقت اپنی لڑکی کو نصیحت کی انہوں نے کہا کہ اے میری بیٹی، تم غیرت اور نخوت سے بچو، کیونکہ وہ طلاق کا دروازہ کھولنے والی چیز ہے۔ اور تم غصہ اور ناراضگی سے بچو۔ کیوں کہ اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ بہترین نصیحت ہے۔ جو ایک باپ اپنی بیٹی کو شادی کے وقت کرسکتا ہے۔ شادی کے بعد لڑکی ایک غیر شخص کے گھر جاتی ہے۔ اس سے پہلے وہ خونی رشتہ داروں کے درمیان رہ رہی تھی۔ اب وہ ایسے لوگوں کے درمیان جاتی ہے جن سے اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں خونی رشتہ دار (باپ، ماں، بھائی، بہن) لڑکی کی ہر بات کو برداشت کرتے ہیں۔ وہ اپنے میکے میں نخوت دکھا کر بھی بے قدر نہیں ہوتی۔ وہ غصہ دکھائے تب بھی لوگ اس سے بیزار نہیں ہوتے۔ مگر سسرال کا معاملہ اس سے سراسر مختلف ہوتا ہے۔

سسرال میں لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے وہ پیدائشی نرمی نہیں ہوتی جو میکے کے لوگوں میں ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سسرال میں اس کا ہر عمل ایک ردعمل پیدا کرتا ہے۔ میکہ میں لوگ اس کی نخوت کو نظر انداز کردیتے تھے مگر سسرال میں اس کی نخوت کو لوگ اپنی یادوں میں رکھ لیتے ہیں۔ میکہ میں لوگ اس کے غصہ کو بھلا دیتے تھے، مگر سسرال میں کوئی شخص اس کے غصہ کو بھلانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

ایسی حالت میں سسرال میں نباہ کی واحد شرط یہ ہے کہ لڑکی اپنے مزاج کو نئے ماحول کے مطابق بنا کر رہے۔ وہ ایسے عمل سے بچے جو نا موافق ردعمل پیدا کرنے والا ہو۔ کوئی بات اپنی پسند کے خلاف ہو تو اس کو گوارا کرے۔ کسی بات سے اس کے

دل کو رنج پہنچے تو اس کو دل ہی دل میں ختم کر دے۔ کسی سے امید کے خلاف سلوک کا تجربہ ہو تو اس کی اچھی توجیہ کر کے اس کو دماغ سے نکال دے۔ ایک لڑکی کے لیے سسرال میں کامیاب زندگی بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے۔ اس کے سوا سسرال کے مسئلہ کا کوئی دوسرا حل نہیں۔ نادان باپ اپنی بیٹی کو یہ سبق دیتا ہے کہ سسرال میں اکڑ کر رہنا ورنہ لوگ تم کو دبا لیں گے۔ اس کے برعکس سمجھدار باپ کی نصیحت اپنی بیٹی کے لیے یہ ہوتی ہے کہ سسرال میں دب کر رہنا ورنہ لوگ تم سے اکڑیں گے۔ انہیں دو فقروں میں کامیاب ازدواجی زندگی اور ناکام ازدواجی زندگی کے فرق کی پوری کہانی چھپی ہوئی ہے۔

دو مثالیں ::

مجھے دو عورتوں کا قصہ معلوم ہے۔ ایک خاتون اپنے والدین کی منظور نظر تھیں۔ وہ اپنے میکہ میں کوئی کام نہیں کرتی تھیں۔ سارا دن بے کاری میں گزارتی تھی۔ شادی ہو کر جب وہ اپنی سسرال میں پہنچی تو وہاں بھی انہوں نے اسی طرح کام سے غیر متعلق ہو کر رہنا چاہا جس طرح وہ اپنے والدین کے گھر میں کام سے غیر متعلق ہو کر رہتی تھی۔ مگر نئے ماحول میں یہ ناممکن تھا۔ چنانچہ سسرال والوں سے ان کے اختلافات شروع ہو گئے۔ ان کی بے فکر زندگی پریشانیوں کی زندگی میں تبدیل ہو گئی۔

انہوں نے کبھی اپنے آپ پر غور نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ سسرال والوں ہی کو الزام دیتی رہی۔ یہاں تک کہ لڑ جھگڑ کر ایک روز وہ اپنے والدین کے پاس چلی آئی۔ یہاں انہوں نے اپنے والدین کے سامنے صرف آدھی کہانی بیان کی۔ یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں کس طرح وہاں رہی۔ وہ صرف یہ بتاتی رہی کہ دوسروں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ صرف اس لیے تھا کہ انھوں نے سسرال کے کام کاج سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ سسرال کو انھوں نے اپنا گھر نہیں

سمجھا۔ شادی کے بعد سسرال ان کا گھر بن چکا تھا مگر وہ بدستور میکہ کو اپنا گھر کہتی اور سمجھتی رہیں۔ تاہم انھوں نے اپنے والدین کو یہ بات نہیں بتائی۔ وہ صرف اس سلوک کو بتاتی رہیں جو کہ ان کے سسرال والوں نے جوابی طور پر (نہ کہ یک طرفہ) ان کے ساتھ کیا تھا۔

ان کے والدین نے وہی نادانی کی جو ایسے مواقع پر عام طور پر لڑکیوں کے والدین کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی لڑکی کی بات کو جوں کا توں مان لیا اور سسرال والوں کو یک طرفہ طور پر ظالم قرار دے کر ان کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ یہ سلسلہ لامتناہی طور پر جاری رہا۔ یہاں تک کہ لڑکی ذہنی کوفت میں مبتلا ہو کر ٹی بی کی مریض ہو گئی۔ وہ برسہا برس تک اسی حال میں پڑی رہی۔ اور آخر کار طویل دکھ بھری زندگی گزار کر دنیا سے چلی گئی۔

دوسرا قصہ ایک دانش مند خاتون کا ہے۔ نکاح کے بعد جب وہ رخصت ہو کر اپنے سسرال میں پہونچی تو وہاں کی عورتوں نے اس کو بے قدر کر دیا۔ اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے وہ زیادہ جاذب نہ تھی۔ ابتداء اس کے پسِ پشت اس پر تبصرے ہوتے تھے۔ جلد ہی بعد خود اس کے سامنے اس کی 'بدصورتی' پر تبصرے کیے جانے لگے۔ وہ اپنی سسرال کی ایک بے عزت فرد بن کر رہ گئی۔

خاتون کے لیے یہ بات بے حد سخت تھی۔ مگر اس نے طے کیا کہ اس معاملہ میں وہ اپنے والدین سے ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔ اس نے خاموشی کے ساتھ ایک فیصلہ کیا۔ یہ کہ وہ لوگوں کی باتوں سے بالکل بے پروا ہو کر لوگوں کی خدمت کرے گی۔ اس نے گھر کا پورا کام رضا کارانہ طور پر سنبھال لیا۔ وہ گھر کے ہر فرد کی ضرورت کا خیال کرنے لگی۔ اس نے اپنی پوری توجہ اس میں لگا دی کہ گھر کے ہر فرد کو اس سے آرام پہونچے، کسی کو بھی اس سے کسی تکلیف کا تجربہ نہ ہو۔

یہ ایک طویل اور صبر آزما منصوبہ تھا۔ اس کے پورا ہونے میں مہینوں نہیں بلکہ

سالوں بیت گئے۔ آخر کار دھیرے دھیرے حالات بدلنا شروع ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ گھر کی سب سے زیادہ باعزت فرد بن گئی۔ ہر شخص اس کو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ جس گھر میں اس سے پہلے وہ گھر کی خادمہ بنادیگئی تھی اسی گھر میں اس نے دوبارہ گھر کی مالکہ کی حیثیت حاصل کرلی۔

کامیاب ازدواجی زندگی کا راز صرف ایک لفظ میں چھپا ہوا ہے اور وہ وفاداری ہے۔ میکہ میں ایک لڑکی کی وفاداری، ماں باپ اور بھائی بہن کے درمیان، پیدائشی طور پر مسلم ہوتی ہے۔ وہاں پیشگی طور پر ہر ایک کو اس کی وفاداری کا یقین ہوتا ہے۔ خون کا تعلق اس کو اپنے میکہ والوں کے لیے ایسا وفادار بنادیتا ہے جو کسی حال میں بھی ختم ہونے والا نہیں۔

مگر سسرال کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یاں اس کی وفاداری پہلے سے موجود نہیں ہوتی۔ وہ قائم کرنے سے قائم ہوتی ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ عورت اپنا گھر تبدیل کرنے کے ساتھ اپنی وفاداری بھی تبدیل کردے۔ وہ پیدائشی وفاداری کو شعوری وفاداری بنائے۔ اب اس کے یہاں ''اپنا گھر'' کے معنی اس کی سسرال ہو۔ اب اس کی توجہات کا مرکز اس کے شوہر کا خاندان بن جائے۔ وہ اپنے میکہ کی طرف دیکھنا چھوڑ دے۔ وہ ہر معاملہ میں اپنی سسرال کی طرف دیکھے۔ وہ دل سے سسرال والوں کی خیر خواہ بن جائے۔ یہی بطور واقعہ بھی درست ہے اور یہی عورت کے لیے اپنی شادی شدہ زندگی کو کامیاب بنانے کا راز بھی۔

یقینی حل ::

حقیقت یہ ہے کہ خوش گوار ازدواجی زندگی کا معاملہ سب سے زیادہ شعور سے متعلق ہے۔ شعور کسی خاتون کی شادی شدہ زندگی کو کامیاب بناتا ہے۔ اور بے شعوری اس کی شادی شدہ زندگی کو تلخ اور ناکام بنا کر رکھ دیتی ہے۔

گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو وہ چیز جس کو ''سسرال کا جھگڑا'' کہا جاتا ہے۔ وہ

ایک مصنوعی مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ حقیقت سے زیادہ فرضی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ معاشرہ ایک بے خبر معاشرہ ہے۔ معاشرہ مختلف صورتوں میں اس بے خبری کی قیمت ادا کر رہا ہے۔ اسی میں سے ایک قیمت وہ ہے جس کو ''سسرال کا جھگڑا'' کہا جاتا ہے۔

بعض تاریخی اسباب کی بنا پر ہمارے معاسرہ کے افراد زیادہ تر خوش خیالیوں میں جی رہے ہیں۔ انہیں زندگی کی حقیقتوں کی خبر نہیں۔ اس بے شعوری کی قیمت ہمارے افراد زندگی کے ہر شعبہ میں ادا کر رہے ہیں۔ اور اسی کا ایک جزءوہ ہے جو سسرالی شکایتوں اور خاندانی جھگڑوں کی صورت میں ان کے حصہ میں آیا ہے۔

میکہ اور سسرال کا فرق ایک لفظ میں یہ ہے کہ۔ میکہ وہ گھر ہے جہاں ایک لڑکی اپنے ماں باپ کی محبت کی وجہ سے مقام حاصل کرتی ہے اور سسرال وہ گھر ہے جہاں لڑکی خود اپنے عمل کی بنیاد پر اپنا مقام بناتی ہے۔ انہیں دو فقروں کے ذریعہ میکہ اور سسرال کے پورے معاملہ کو سمجھا جاسکتا ہے۔

لڑکی اپنے ماں باپ کا گوشت اور خون ہوتی ہے۔ وہ اس سے ہر حال میں محبت کرتے ہیں۔ خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ خواہ کام والی ہو یا بے کام والی۔ اس کے والدین کو اس سے آرام ملے تب بھی وہ اس سے قدر محبت کا معاملہ کرتے ہیں اور تکلیف ملے تب بھی۔

مگر سسرال کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ایک لڑکی کا سسرال میں جانا اپنے غیر خونی رشتہ داروں میں جانا ہے۔ خونی رشتہ داروں میں اگر وہ ''محبت برائے محبت'' کے ماحول میں رہ رہی تھی تو غیر خونی رشتہ داروں کے درمیان اس کو ''محبت برائے کردار'' کے ماحول میں رہنا پڑتا ہے۔ پہلی جگہ اس کو یک طرفہ بنیاد پر محبت ملتی ہے اور دوسری جگہ دوطرفہ بنیاد پر۔

جب ایک لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہ اسی نازک امتحان میں داخل ہوتی ہے۔

شادی ایک لڑکی کے لیے ایسا ہی ہے جیسے ایک مچھلی جو پانی میں رہنے کی عادی ہو۔ اس کو اچانک خشکی کا عادی بننے کے لیے پانی سے باہر ڈال دیا جائے۔ اگر لڑکی کو خوش قسمتی سے ایسے والدین ملے ہوں جو مذکورہ راز کو جانتے ہیں اور انہوں نے اپنی لڑکی کو پیشگی طور پر اس سے آگاہ کر دیا ہو تو وہ لڑکی کا ذہن نئی صورت حال سے نپٹنے کے لیے تار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی باشعور ہے تو وہ خود اس راز کو سمجھ لیتی ہے اور اپنے آپ کو نئے ماحول کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔

لیکن اگر ایسا ہو کہ نہ والدین زندگی کی اس حقیقت کو جانتے ہوں اور نہ لڑکی خود اتنی باشعور ہو کہ وہ اس کو جان کر اپنے آپ کو اس کے مطابق بنائے تو اس کے بعد وہ چیز وجود میں آتی ہے جو کو "سسرال کا جھگڑا" کہا جاتا ہے۔ لڑکی سسرال کو اپنا گھر نہیں سمجھتی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سسرال والے بھی اس کو اپنا فرد نہیں بنا پاتے۔ اس کی قیمت لڑکی کو یہ بھگتنی پڑتی ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر سسرال میں کڑھتی رہے۔ وہ غیر واقعی طور پر اپنے آپ کو نفسیاتی عذاب میں مبتلا کیے ہوئے ہو۔ سسرال کا جھگڑا خود اپنے بے شعوری کی قیمت ہے جس کو نادان لڑکیاں سسرال کی طرف منسوب کر دیتی ہیں۔

بعض نادان لڑکیاں اس سے آگے تک جاتی ہیں۔ وہ اپنے میکہ جا کر وہاں اپنے والدین سے سسرال کی شکایتیں بیان کرتی ہیں۔ یہ شکایتیں اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے سراسر فرضی ہوتی ہیں۔ مگر کسی کا قول یہاں صادق آتا ہے کہ "ہر باپ اپنی اولاد کے حق میں بیوقوف ہوتا ہے" چنانچہ نادان والدین ان جھوٹی شکایتوں کو سچ سمجھ کر سسرال کے خلاف کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ چھیڑ دیتے ہیں۔ مزید لطف یہ کہ اس جھوٹی جنگ کا بدترین انجام ہمیشہ ان لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ جنہوں نے یہ جنگ چھیڑی تھی۔ یعنی لڑکی اور اس کے والدین۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ لڑکی مقابلۃً "عضو ضعیف" ہے اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جب قوی اور

ضعیف میں ٹکراؤ ہو تو اس کا نقصان ہمیشہ ضعیف کو اٹھانا پڑے گا۔

سسرال کے بارہ میں لڑکیوں کی شکایتیں جھوٹی شکایت کیوں ہوتی ہے۔ یہ جھوٹی شکایت اس لیے ہے کہ وہ ہمیشہ دوطرفہ سبب پیدا ہوتی ہے مگر لڑکیا ہمیشہ اس کو یک طرفہ بنا کر پیش کرتی ہیں۔ ایک ایسا مسئلہ کو جھوٹا بنا دیتا ہے۔ گاہک نے اگر قیمت ادا نہ کی ہو تو اس کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ دوکاندار نے سودا نہیں دیا۔ لڑکی اگر غیر جانبدارانہ انداز سے سوچ سکے تو وہ نہایت آسانی سے جان لے گی کہ سارے معاملہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ۔۔۔ لڑکی نے سسرال والوں کو وہ چیز نہیں دی جو سسرال والے اس سے چاہتے تھے۔ اس لیے سسرال والوں سے بھی اس کو وہ چیز نہیں ملتی جو وہ ان سے پانا چاہتی تھی اور یقیناً پا سکتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ سسرال زندگی کی معلم ہے۔ ایک لڑکی کا سسرال میں جانا گویا ایک ایسی درس گاہ میں جانا ہے جہاں وہ زندگی کی حقیقتیں سیکھے۔ جہاں وہ ان رازوں کو جانے جو وہ میکہ کے مصنوعی ماحول میں نہیں جان سکی تھی۔ میکہ ایک لڑکی کے لیے مصنوعی دنیا ہے اور سسرال اس کے لیے حقیقی دنیا ہے۔ جو لڑکی اس راز کو نہ جانے وہ ہمیشہ اپنی زندگی میں ناکام رہے گی اور جو لڑکی اس راز کو جان لے وہ ہمیشہ اپنی زندگی میں کامیاب ہوگی۔ کوئی بھی چیز اس کی کامیابی کو روکنے والی نہیں۔

غیر مشترک نظام::

موجودہ زمانہ کی لڑکیوں نے مشترک خاندانی نظام کو اپنے لیے مصیبت سمجھ کر اس کا بدل یہ تلاش کیا ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ الگ رہیں۔ خاص طور پر تعلیم یافتہ لڑکیاں شادی کے بعد پہلی کوشش یہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کو اس پر راضی کریں کہ وہ اپنے ماں باپ سے جدا ہو جائے اور بیوی کو لے کر علیحدہ زندگی گزارے۔

یہ خیال بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر ابتدائی کچھ دنوں کے بعد وہ عورت کے

لیے ایک ایسا بوجھ ثابت ہوتا ہے جو مشترک زندگی سے بھی زیادہ مسائل اپنے ساتھ لیے ہوئے ہو۔ میں نے بہت سی لڑکیوں کو دیکھا ہے جنہوں نے ابتدائی جوش کے تحت اپنے شوہر کو اس کے والدین سے جدا کیا اور اس کو "فتح" کر کے علیحدہ رہنے لگیں۔ مگر آخر کار ان کے لیے زندگی ایک ایسا بوجھ ثابت ہوئی جس میں ان کا سارا وجود پس کر رہ گیا۔ مشترک زندگی میں ایک عورت صرف نفسیات کی قربانی دیتی ہے۔ مگر غیر مشترک زندگی میں اس کو اپنے پورے وجود کی قربانی دینی پڑی ہے اور پہلی قربانی کے مقابلہ میں دوسری قربانی بلاشبہ زیادہ سخت ہے۔

آرنلڈ ٹوائن بی نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس نے جدید مغربی معاشرہ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا کہ درمیانی درجہ کی خاتون نے تعلیم حاصل کی اور اپنے آپ کو روزگار کے قابل بنایا۔ مگر عین اسی وقت اس نے "جدید صنعتی نظام کے نتیجہ میں" اپنے گھریلو ملازموں کو کھو دیا۔ رشتہ داروں کی بلا تنخواہ مدد جو مشترک جو مشترک خاندانی نظام میں اس کو مل رہی تھی اس سے بھی وہ (غیر مشترک زندگی کی وجہ سے) محرورم ہوگئی۔ اس کے لیے صرف دو امکان باقی رہا۔ یا تو وہ بالکل گھریلو خادمہ بن کر رہ جائے یا بیک وقت دو کام کا نا قابل برداشت بوجھ اٹھائے:۔

> Middle-class woman acquired education and a chance at a career at the very time she lost her domestic servants and the unpaid household help of relatives living in the old. Larg family; she had to become iether a household drudge or carry the intolerably heavy load of two simultaneous fulltime jobs. Tim , March 20,1972

مشترک خاندانی زندگی میں بعض ناخوش گوار پہلوؤں کو دیکھ کر لڑکیاں گھبرا اٹھتی ہیں اور غیر مشترک خاندانی زندگی کی طرف دوڑ پڑتی ہیں۔ مگر اکثر اوقات یہ محض ایک جذباتی فیصلہ ہوتا ہے۔ غیر مشترک زندگی میں گھر سنبھالنے کے لیے لڑکیاں

جتنی محنت پیش کرتی ہیں اس کی نصف محنت اور قربانی اگر وہ مشترک زندگی میں پیش کریں تو وہ کہیں زیادہ سکھ اور چین کے ساتھ رہ سکتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی مشکلوں کو گھٹا سکتے ہیں دوسروں کے ساتھ مل کر رہنے میں بلاشبہ بعض مشکلات ہیں مگر وہ الگ رہنے کے مقابلہ میں یقینی طور پر کم ہیں اور ہر عقل مند اور عورت کو چاہیے کہ وہ زیادہ مشکل کے مقابلہ میں کم مشکل کو ترجیح دے۔

ذہنی مسائل::

گھریلو مسائل میں سے ایک مسئلہ وہ ہے جو سوتیلی اولاد کی نسبت سے پیدا ہوتا ہے ایک عورت کسی شخص کی دوسری بیوی بن کر ایک گھر میں داخل ہوا اور وہاں پچھلی بیوی سے ہونے والی اولاد موجود ہو تو عام طور پر گھر کے اندر نازک مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جو بعض اوقات گھر کی بربادی کا سبب بنتے ہیں

ہر عورت کو فطری طور پر اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے جب تک دوسری بیوی کے یہاں اولاد نہ ہو اس وقت تک اس کی یہ کمزوری چھپی رہتی ہے مگر جیسے ہی دوسری بیول کے یہاں اولاد پیدا ہوئی اس کی دلچسپیاں اور توجہات اپنی اولاد کی طرف مائل ہو جاتی ہیں بس یہیں سے بگاڑ کا آغاز ہو جاتا ہے پچھلی بیوی کی اولاد اپنے آپ کو گھر کے اندر بے جگہ محسوس کرنے لگتی ہے اب کش مکش شروع ہو جاتی ہے جو بعض اوقات ایسے نتائج تک پہنچ جاتی ہے جو دونوں میں سے کسی کے حق میں بھی مفید نہیں ہوتی۔

اس صورت حال کا حل نہایت آسان ہے اور وہ ایک لفظ میں وضع داری ہے جب بھی گھر کے اندر ایسی صورت حال پیش آئے تو عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے دلی جزبات پر وضع داری کا پردہ ڈال لے اس کے انشاءاللہ کوئی نزاکت پیدا نہ ہوگی۔

دوسری بیوی کو جاننا چاہیے کہ اگر وہ معاملات میں اپنی سگی اولاد کا بظاہر کم لحاظ کرے تو اس کی اولاد کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا کیوں کہ اولاد کے لیے سب سے بڑی چیز ماں ہوتی ہے اور زندہ حالت میں پوری طرح اسے حاصل ہے مگر پہلی

بیوی کی اولاد اپنی ماں کی وفات وجہ سے احساس محرومی میں مبتلا رہتی ہے اس لیے ظاہری معاملات میں اگر اس کا کچھ کم لحاظ کیا جائے تو اس کا احساس ہوگا اس کی یہ نفسیاتی حالت اس کو ذلت کے احساس میں مبتلا کردے گی اور اجتماعی زندگی میں کسی شخص کا احساس ذلت میں مبتلا ہونا ہمیشہ فساد پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

یہاں میں ایک عملی مثال دیتا ہوں مولانہ سید سلیمان ندوی کی اہلیہ سلیمہ خاتون (۱۹۸۷۔۵۔۹۱) مولانہ مرحوم کی دوسری بیوی تھیں ۱۹۲۳ میں جب وہ شادی کے بعد مولانہ مرحوم کے یہاں آئیں تو پچھلی بیوی سے ان کے یہاں ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ابو سہیل تھا سلیمہ خاتون جب کسی کو خط لکھتیں تو قدیم روایت کے مطابق اپنا نام نہ لکھتیں بلکہ ''والدہ ابو سہیل'' لکھتیں۔

یہاں تک کہ خودان کے یہاں اولاد ہوئی۔ وہ چار لڑکیوں اور ایک لڑکے کی ماں بن گئیں مگر ان کی سابقہ وضع میں فرق نہیں آیا۔ وہ اپنی تحریروں میں بدستور ''والدہ ابو سہیل'' لکھتی رہیں۔ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سلمان ندوی بذات خود ایک مشہور شخصیت ہیں مگر سلیمہ خاتون صاحبہ نے کبھی اپنے آپ کو ''والدہ سلمان'' نہیں لکھا۔ بلکہ ہمیشہ ''والدہ ابو سہیل'' لکھا۔ مرحومہ ایک دین دار خاتون تھیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد وہ دنیا میں ۳۴ سال تک رہیں مگر ان کی اس وضع دار میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔

سلیمہ خاتون کا مرحومہ کا وضع داری کا یہی رویہ گھر کی عام زندگی میں تھا۔ ہر ماں کی طرح انہیں بھی قلبی طور پر اپنی سگر اولاد سے زیادہ محبت ہوگی۔ مگر عام رویہ میں انہوں نے کبھی اپنی اس قلبی حالت کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو سہیل صاحب اپنے سوتیلے بہن بھائی کے ساتھ بالکل سگے بھائی کی طرح رہے اور گھر کے اندر کبھی کوئی نزاکت پیدا نہیں ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام مسائل جن کو گھریلو مسائل کہا جاتا ہے۔ وہ ۹۹ فی صد

محض نفسیاتی ہوتے ہیں۔ وہ ایک نفسیات کے تحت پیدا ہوتے ہیں اور دوسری نفسیات کے تحت انہیں ختمکیا جاسکتا ہے۔ ان کا حقیقی کی بجائے نفسیاتی ہونا نہایت آسانی کے ساتھ اس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ایک ساس کو جب اپنی بہو سے کوئی شکایت پیدا ہوتو وہ سوچے کہ یہی کام اگر اس کی بیٹی کرتی۔ کیا تب بھی اس کو اس پر شکایت ہوتی۔ اسی طرح جب ایک بہوکو اپنی ساس سے کسی معاملہ میں شکایت ہوتو وہ سوچے کہ یہی معاملہ اگر ماں کی طرف سے پیش آیا ہوتا، کیا تب بھی وہ اس پر رنجیدہ ہوکر بیٹھ جاتی۔

ساس اور بہو اگر اس اعتبار سے غور کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ ان کی شکایت سراسر بے بنیاد تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے تمام مسائل ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور ذہن میں ہی انہیں ختم کیا جاسکتا ہے۔ ذہن سے باہر نہ ان کا کہیں وجود ہے اور نہ ذہن سے باہر کہیں ان کو حل کرنے کی ضرورت۔

تعددِ ازواج

قرآن میں اجتماعی زندگی کے بارہ میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک حکم وہ ہے جو تعدد ازواج (چار عورتوں تک نکاح کرنے) کے بارہ میں ہے۔ اس سلسلہ میں آیت کے الفاظ یہ ہیں:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع فن خفتم الا تعدلوا فواحدۃ (النساء ۳)

اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچوں کے معاملہ میں انصاف نہ کر سکو گے تو (بیوہ) عورتوں میں جو تم کو پسند ہوں ان سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

یہ آیت غزوہ احد (شوال ۳ھ) کے بعد اتری۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ اس جنگ میں ۷۰ مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ سے مدینہ کی بستی میں اچانک ۷۰ گھر مردوں سے خالی ہو گئے۔ نتیجہ یہ صورت حال پیش آئی کہ وہاں بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اس معاشرتی مسئلہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ اس وقت قرآن میں مذکورہ آیت اتری اور کہا گیا کہ جو لوگ استطاعت رکھتے ہوں وہ بیوہ عورتوں سے نکاح کر کے یتیم بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیں۔

اپنے الفاظ اور اپنے شانِ نزول کے اعتبار سے بظاہر یہ ایک وقتی حکم نظر آتا ہے۔ یعنی اس کا تعلق اس صورت حال سے ہے۔ جب کہ جنگ کے نتیجہ میں آبادی کے اندر عورتوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اور مردوں کی تعداد کم۔ مگر قرآن اپنے نزول کے اعتبار سے زمانی ہونے کے باوجود، اپنے اطلاق کے اعتبار سے ایک ابدی کتا

ہے۔ قرآن کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ زمانی زبان میں ابدی حقیقت بیان کرتا ہے اس کا یہ حکم بھی اس کی اسی صفتِ خاص کا مظہر ہے۔

زیادہ شادی کا معاملہ صرف مرد کی مرضی پر منحصر نہیں۔ اس کی لازمی شرف (Inescapable condition) یہ ہے کہ معاشرہ میں زیادہ عورتیں بھی موجود ہوں۔ اگر زمین پر ایک ہزار ملین انسان بستے ہوں اور ان میں ۵۰۰ ملین مرد ہوں اور ۵۰۰ ملین عورتیں، تو ایسی حالت میں مردوں کے لیے ممکن ہی نہ ہوگا کہ وہ ایک سے زیادہ نکاح کریں۔ ایسی حالت میں ایک سے زیادہ نکاح صرف جبراً کیا جا سکتا ہے۔ اور جبری نکاح اسلام میں جائز نہیں۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے لیے عورت کی رضامندی ہر حال میں ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس طرح عملی طور پر دیکھیے تو قرآن کے مذکورہ حکم کی تعمیل صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ سماج میں وہ مخصوص صورت حال پائی جائے جو احد کی جنگ کے بعد مدینہ میں پائی جا رہی تھی۔ یعنی مردوں اور عورتوں کی تعداد میں نابرابری۔ اگر یہ صورتِ حال نہ پائی جا رہی ہو تو قرآن کا حکم عملاً ناقابلِ نفاذ ہوگا۔ مگر انسانی سماج اور انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قدیم مدینہ کی صورت حال محض وقتی صورت حال نہ تھی۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی جو اکثر حالات میں زمین پر موجود رہتی ہے۔ مذکورہ ہنگامی حالت ہی ہماری دنیا کی عمومی حالت ہے۔ یہ قرآن کے مصنف کے عالم الغیب ہونے کا ثبوت ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں ایک ایسا حکم دیا جو بظاہر ایک ہنگامی حکم تھا۔ مگر وہ ہماری دنیا کے لیے ایک ابدی حکم بن گیا۔

تعداد کی نابرابری::

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ باعتبار پیدائش عورت اور مرد کی تعداد تقریباً یکساں ہوتی ہے۔ یعنی جتنے بچے، تقریباً اتنی ہی بچیاں، مگر شرح اموات (Mortality) کے جائزہ سے معلوم ہوا ہے کہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے

درمیان موت کی شرح زیادہ ہے۔ یہ فرق بچپن سے لے کر آخر عمر تک جاری رہتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) کے مطابق، عمومی طور پر، موت کا خطرہ عمر کے ہر مرحلہ میں، عورتوں کے لیے کم پایا گیا ہے اور مردوں کے لیے زیادہ:

In general , the risk of death at any given age is lessfor fermales than for males (VIII/37)

اکثر حالات میں سماج کے اندر عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا اور مردوں کی تعداد کا کم ہونا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ مثلا جب جنگ ہوتی ہے تو اس میں زیادہ تر صرف مرد مارے جاتے ہیں۔ پہلی عالمی جنگ (۱۸۔۱۹۱۴) میں آٹھ ملین سے زیادہ فوجی مارے گئے۔ شہری لوگ جو اس جنگ میں ہلاک ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ زیادہ تر مرد تھے۔ دوسری عالمی جنگ (۴۵۔۱۹۳۹) میں ساڑھے چھ کروڑ آدمی ہلاک ہوئے یا جسمانی طور پر ناکارہ ہو گئے۔ یہ سارے لوگ زیادہ تر مرد تھے۔ عراق، ایران جنگ (۱۹۸۸۔۱۹۷۹) میں ایران کی ۸۲ ہزار عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ عراق میں ایسی عورتوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے جن کے شوہر اس دس سالہ جنگ میں ہلاک ہوئے۔

اسی طرح مثال کے طور جیل اور قید کی وجہ سے بھی سماج میں مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ امریکہ کو موجودہ زمانہ میں دنیا کی مہذب ترین سوسائٹی کی حیثیت حاصل ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکہ میں ہر روز تقریباً ۱۳ لاکھ (۱،۳۰۰،۰۰۰) آدمی کسی نہ کسی جرم میں پکڑے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تعداد وہ ہے جو لمبی مدت تک کے لیے جیل میں ڈال دی جاتی ہے۔ ان سزا یافتہ قیدیوں میں دوبارہ ۹۷ فیصد مرد ہی ہوتے ہیں۔ (EB.14/1102)

اسی طرح جدید صنعتی نظام نے حادثات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں حادثاتی موتیں روزمرہ کا معمول بن گئی ہیں۔ سڑک کے حادثے، ہوائی حادثے، کارخانوں کے حادثے دوسرے مشینی حادثے ہر ملک میں اور ہر روز

ہوتے رہتے ہیں۔ جدید صنعتی دور میں یہ حادثات اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ اب سیفٹی انجینئرنگ (Safety engineering) کے نام سے ایک مستقل فن وجود میں آ گیا ہے۔ ۱۹۶۷ کے اعداد وشمار کے مطابق اس ایک سال میں پچاس ملکوں کے اندر مجموعی طور پر ۵۰۰۰ ۷ حادثاتی موتیں واقع ہوئیں۔ (EB-16/137) یہ سب زیادہ تر مرد تھے۔

صنعتی حادثات کی موتوں میں سیفٹی انجینئرنگ کے باوجود، پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر، ہوائی حادثات جتنے ۱۹۸۸ ہوئے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح تمام صنعتی ملکوں میں مستقل طور پر اسلحہ سازی کے تجربات ہورہے ہیں۔ ان میں برابر لوگ ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔ ان ہلاک شدگان کی تعداد کبھی نہیں بتائی جاتی۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ ان میں بھی تمام تر صرف مرد ہی ہیں جو ناگہانی موت کا شکار ہوتے ہیں۔

اس طرح کے مختلف اسباب کی بنا پر عملی صورت حال اکثر یہی ہوتی ہے کہ سماج میں عورتوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہو۔ اور مردوں کی تعداد نسبتاً کم ہوجائے۔ امریکہ کی سوسائٹی نہایت ترقی یافتہ سوسائٹی سمجھی جاتی ہے۔ مگر وہاں بھی یہ فرق پوری طرح پایا جاتا ہے۔ ۱۹۸۷ کے اعداد وشمار کے مطابق، امریکہ کی آبادی میں مردوں کے مقابلہ میں تقریباً ۷۸ لاکھ (7.8 million) عورتیں زیادہ تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امریکہ کا ہر مرد شادی شدہ ہوجائے تو اس کے بعد بھی امریکہ میں تقریباً ۷۸ لاکھ عورتیں ایسی باقی رہیں گی۔ جن کے لیے ملک میں غیر شادی شدہ مرد موجود نہ ہوں گے جن سے وہ نکاح کرسکیں۔

دنیا کی آبادی میں مرد اور عورت کی تعداد کے فرق کو بتانے کے لیے یہاں کچھ مغربی ملکوں کے اعداد وشمار دیئے جارہے ہیں۔ یہ اعداد وشمار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے لیے گئے ہیں۔

FEMALE	MALE	COUNTRY
52.93%	47.07%	Austria
51.19	48.81	Burma
51.89	48.02	Germany
51.01	48.99	France
51.11	48.89	Italy
51.39	48.61	Poland
51.06	48.94	Spain
51.33	48.67	Switzerland
53.03	48.59	Soviet Union
51.42	48.58	United States

عورت کی رضامندی::

ایک سے زیادہ نکاح کے لیےصرف یہی کافی نہیں ہے کہ آبادی کے اندر عورتیں زیادہ تعداد میں موجود ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنا مطلوب ہے وہ خود بھی آزادانہ مرضی سے اس قسم کے نکاح کے لیے پوری راضی ہو اسلام کی رضامندی مسلمہ طور پر نکاح کے لیے شرط ہے کسی عورت سے زبردستی نکاح کرنا جائز نہیں اسلام کی نمائندہ تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں ہے جب کہ کسی مرد کو یہ اجازت دی گئی ہو کہ وہ کسی عورت کو جبراً اپنے نکاح میں لے آئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ لے لی جائے (لاتنکح البکر حتی تستاذن متفق علیہ) حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دیا ہے۔ آپ نے اس کو اختیار دیا کے چاہے تو نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو اس کو توڑ دے۔

(عن ابن عباسؓ قال انّ جارية بكراً اتت رسول اللهؐ ﷺ فذكرت انّ اباها زوجها وہی كارہة فخيرها النبی ﷺ، رواه ابو دائود)

عن ابی عباس قال كان زوج بريرته عبداً اسودَ يقال له مغيث كانی انظرُ اليه يطوف خلفهافی سِككِ المدينته يبكی ودموعُه تسيلُ علی لحيتِه۔ فقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم للعباس۔ يا عباسُ، الا تعجبُ مِن حبِّ مغيثٍ بريرتَه مغيثا۔ فقال النبی صلی اللّه عليه وسلم لوراجعته۔ فقالت يارسول اللّه اتامرنی۔ قال انّما اشفعُ۔ قالتُ لا حاجتَه لی فيه۔ (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس کا نام مغیث تھا۔ گویا کہ میں مغیث کو دیکھ رہا ہوں وہ مدنیہ کے راستوں میں بریرہ کے پیچھے چل رہا ہے وہ رو رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی داڑھی تک بہہ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بریرہ کے سے کہا کہ کاش تم اس کی طرف رجوع کرلو۔ بریرہ نے کہا کہ کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف سفارش کر رہا ہوں۔ بریرہ نے کہا: مجھے اس کی احاجت نہیں

تعدد ازواج کا ایک واقعہ وہ ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیش آیا۔ ایک بیوہ خاتون ام ابان بن عتبہ کو چار مسلمانوں کی طرف سے نکاح کا

پیغام ملا جو سب کے سب شادی شدہ تھے ان چار حضرات کے نام ہی ہیں۔ عمر ابن الخطاب، علی بن ابی طالب، زبیر اور طلحہؓ ام ابان نے طلحہ کا پیغام قبول کر لیا اور بقیہ تینوں کے لیے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ام ابان کا نکاح طلحہ سے کر دیا گیا۔

یہ واقعہ مدینہ (اسلامی دارالسلطنت) میں ہوا۔ جن لوگوں کے پیغام کو رد کیا گیا۔ ان میں وقت کے امیر المومنین کا نام بھی شامل تھا۔ مگر اس پر کسی نے تعجب یا بیزاری کا اظہار نہیں کیا۔ اور نہ اس بنا پر وہاں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام میں عورت کو اپنے بارہ میں فیصلہ کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ یہ عورت کا ایک ایسا حق ہے جس کو کوئی بھی اس سے چھین نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ وقت کا حکمراں بھی نہیں۔

ان احکامات اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں چار کی حد تک نکاح کرنے کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مرد چار عورتوں کو پکڑ کر اپنے گھر میں بند کر لے۔ یہ دو طرفہ رضامندی کا معاملہ ہے۔ وہی عورت کسی شادی شدہ مرد کے نکاح میں لائی جاسکتی ہے جو خود اس کی دوسری یا تیسری بیوی بننے پر بلا اکراہ راضی ہو۔ اور جب یہ معاملہ تمام تر عورت کی رضامندی سے انجام پاتا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق۔ موجودہ زمانہ میں آزادی انتخاب (Freedom of choice) کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلامی قانون میں یہ قدر پوری طرح موجود ہے۔ البتہ "مساواتِ نسواں" کے علم بردار آزادی انتخاب کے ہم معنی بنا دینا چاہتے ہیں۔

مسئلہ کا حل نہ کہ حکم ::

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت اور مرد کی تعداد میں نابرابری ہماری دنیا کا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ وہ جنگ کی حالت میں بھی پایا جاتا ہے اور جنگ نہ ہونے کی حالت میں بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب دونوں صنفوں کی تعداد میں نابرابری ہے تو اس نابرابری کے مسئلہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ ایک

زدجگی کے اصول پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جن بیوہ یا غیر بیوہ عورتوں کو شوہر نہ ملیں اور وہ اپنی فطرت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے کیا کریں۔ وہ سماج میں کس طرح اپنے لیے ایک باعزت زندگی حاصل کریں۔

ایک طریقہ وہ ہے جو ہندوستان کی روایات میں بتایا گیا ہے۔ یعنی ایسی (بیوہ) عورتیں اپنے آپ کو جلا کر اپنے وجود کو ختم کرلیں۔ تاکہ نہ ان کا وجود رہے اور ان کے مسائل۔ یا پھر ایسی عورتیں گھر سے محروم ہو کر سڑکوں کی بے زندگی گزارنے پر راضی ہو جائیں۔ اس اصول پر عمل کرنے کی بنا پر ہندو سماج کا کیا حال ہوا ہے۔ اس کی تفصیل جاننا ہو تو انڈیا کی ٹوڈے (۱۵ نومبر ۱۹۸۷ء) کی ۸ صفحات کی باتصویر رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔ جو اس بامعنی عنوان کے تحت شائع ہوئی ہے کہ بیوائیں، انسانیت کا برباد شدہ ملبہ:

Widows: Wrecks of humanity

اس حل کے بارہ میں یہاں کسی مزید گفتگو کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ مجھے یہ امید نہیں کہ موجودہ زمانہ میں کوئی باہوش آدمی اس طریقہ کی وکالت کرسکتا ہے۔ یا کسی بھی درجہ میں وہ اس کو مذکورہ مسئلہ کا حل سمجھ سکتا ہے۔

دوسری صورت وہ ہے جو مغربی ملکوں کی ''مہذب سوسائٹی'' میں رائج ہے۔ یعنی کسی ایک مرد کی دوسری منکوحہ بیوی بننے پر راضی نہ ہونا۔ البتہ بہت سے مردوں کی غیر منکوحہ بیوی بن جانا۔

دوسری عالمی جنگ میں یورپ کے کئی ملک لڑائی میں شریک تھے۔ مثلاً جرمنی، فرانس، انگلینڈ وغیرہ، ان میں مرد بڑی تعداد میں مارے گئے۔ چنانچہ جنگ کے بعد مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد بہت ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں میں جنسی بے راہ روی عام ہوگئی۔ یہاں تک کہ بہت سی بے شوہر عورتوں کے گھروں کے سامنے اس قسم کے بورڈ لکھے ہوئے نظر آنے لگے کہ رات گزارنے کے لیے ایک مہمان چاہیے:

Wanted an evening guest

یہ صورت حال مغرب میں جنگ کے بعد بھی مختلف صورتوں میں بدستور باقی ہے۔اب اس کو باقی رکھنے کا سبب زیادہ تر صنعتی اور مشینی حادثات ہیں جس کی تفصیل اوپر درج کی گئی ہے۔

غیر قانونی تعدد ازواج::

جن قوموں میں تعدد ازواج کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ان کو اس کی یہ قیمت دینی پڑی کہ ان کے یہاں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ایک چیز رائج ہو گئی جس کو مسٹریس (Mistress) کہا جاتا ہے۔ان قوموں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس فطری عمل کو روک سکیں۔جس کے نتیجہ میں اکثر معاشرہ میں عورتوں کی تعداد زیادہ اور مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ایک طرف آبادی کے تناسب میں یہ فرق اور دوسری طرف تعدد ازواج پر پابندی، اس دوطرفہ مسئلہ نے ان کے یہاں مسٹریس کی برائی (بالفاظ دیگر،غیر قانونی تعدد ازواج) کو پیدا کر دیا۔

مسٹریس (Mistress) کی تعریف ویبسٹرس ڈکشنری (Webster's Dictionary) میں یہ کی گئی ہے کہ وہ عورت جو کسی مرد سے جنسی تعلق رکھے۔اس کے بغیر کہ اس سے اس کا نکاح ہوا ہو:۔

> A woman who has sexual intercourse with and, oftern, is supported by a man for a more or less extended period of time withour being married to him: paramout.

مسٹریس کا یہ طریقہ آج بشمول ہندستان، تمام ان ملکوں میں رائج ہے جہاں تعدد ازواج پر قانونی پابندی ہے یا سماجی طور پر اس کو برا سمجھا جاتا ہے ایسی حالت میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے تعدد ازواج کو اختیار کیا جائے یا نہیں اصل مسئلہ یہ ہے کہ آبادی میں عورتوں کی غیر متناسب تعداد کو کپا کے لیے قانونی تعدد ازواج کا طریقہ اختیار کیا جائے یا غیر قانونی تعدد ازواج کا۔

اسلامی طریقہ ::

اس کے بعد وہ طریقہ ہے جو اسلامی شریعت میں اس مسئلہ کے حل کے لیے بتایا گیا ہے یعنی مخصوص شرائط کے ساتھ کچھ مردوں کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت۔ تعدد ازواج کا یہ اصول جو اسلامی شریعت میں مقرر کیا گیا ہے وہ دراصل عورتوں کو مذکورہ بالا قسم کے بھیانک انجام سے بچانے کے لیے ہے بظاہر اگر چہ یہ ایک عام یہ ایک عام حکم ہے لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھیے کہ عملی طور پر کوئی عورت کسی مرد کی دوسری یا تیسری بیوی بننے پر ہنگامی حالات ہی میں راضی ہو سکتی ہے نہ کہ معمول کے حالات میں تو یہ بات واضع ہو جاتی ہے کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ حکم دراصل ایک سماجی مسلہ کے حل کے طور پر وضع کیا گیا ہے، وہ فاضل عورتوں کو جنسی آوارگی سے بچا کر معقول اور مستحکم خاندانی زندگی گزانے کا ایک انتظام ہے۔ بالفاظ دیگر یہ یک زوجگی کے مقابلہ میں تعدد ازواج کو اختیار کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ تعدد ازواج اور جنسی بربادی کے درمیان انتخاب کا مسئلہ پیدا ہونے کی صورت میں تعدد ازواج کو اختیار کرنا ہے۔

تعدد ازواج کے حکم کو اگر مجرد طور پر دیکھا جائے تو وہ ایک ایسا حکم معلوم ہو گا جو مردوں کی موافقف میں بنا گیا ہو۔ لیکن اگر اس کو سماج کی عملی صورت حال کے اعتبار سے دیکھیے تو وہ خود عورتوں کی موافقت میں ہے وہ عورتوں کے مسلہ کا ایک زیادہ معقول اور فطری بندوبست (Arrangement) ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت مردوں کی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں ہے یہ دراصل ایک مسئلہ کو حل کرنے کی عملی تزبیر ہے مردوں کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی وقت ممکن ہو گا جب کہ آبادی میں مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ تعداد میں پائی جارہی ہوں۔ اگر عورتوں کی تعداد نسبتاً زیادہ نہ ہو تو اس حکم پر

عمل کرنا سرے سے ممکن نہ ہوگا۔ پھر کیا اسلام فردوں کی خواہش کی تکمیل کے لیے ایک ایسا اصول بتا سکتا ہے جو سرے سے قابل حصوں اور قابل عمل ہی نہ ہو۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) نے بجا طور پر لکھا ہے کہ تعدد ازواج کے اصول کو اختیار کرنے کی ایک وجہ جنسی تناسب میں عورتوں کی زیادتی (super of women) ہے یہی وجہ ہے کہ جو قومیں تعدد ازواج کی اجازت دیتی ہیں یا اس کو پسند کرتی ہیں ان میں بھی مردوں کی بہت بڑی اکثریت فاضل عورتوں کی محدود تعداد کی وجہ سے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتی ہے:

> Among most peoples who permit or prefer it. The large majority of men live in monogamy because of the limited number of women (VIII/97)

اسلام میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت بطور آئیڈیل نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ایک عملی ضرورت (Practical reason) کی وجہ سے ہے اور وہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے آبادی میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس زیادہ تعداد کے باعزت حل کے لیے تعدد ازواج کا اصول مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ایک عملی حل ہے نہ کہ نظریاتی آئیڈیل۔

خلاصہ کلام::

اوپر جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی پیدائش کے اعتبار سے مرد اور عورت اگر چہ یکساں تعداد میں پیدا ہوتے ہیں، مگر بعد کو پیش آنے والے مختلف اسباب کی بنا پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معاشرہ میں مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور عورتوں کی تعداد زیادہ۔ سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہو۔ جنسی نابرابری کی ناگزیر صورت حال میں دونوں جنسوں کے درمیان صحت مند تعلق کس طرح قائم کیا جائے۔

یک زوجگی (ایک مرد، ایک عورت) کے اصولِ نکاح پر عمل کرنے کی صورت

میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی عورتیں باقی رہتی ہیں جن کے لیے معاشرہ میں ایسے مرد موجود نہ ہوں جن سے وہ نکاح کا تعلق قائم کر کے باعزت زندگی گزار سکیں۔ یک زوجگی کا مطلق اصول کسی کو بظاہر خوشنما نظر آ سکتا ہے۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ موجودہ دنیا میں وہ پوری طرح قابل عمل نہیں۔ گویا ہمارے لیے انتخاب (Choice) ایک زوجہ اور متعدد زوجہ کے درمیان نہیں ہے۔ بلکہ خود متعدد زوجہ کی ایک قسم اور دوسری قسم کے درمیان ہے۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ یہ ''فاضل'' عورتیں جنسی آوارگی یا معاشرتی بربادی کے لیے چھوڑ دی جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی آزادانہ مرضی سے ایسے مردوں کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں وابستہ ہو جائیں جو ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ عدل کر سکتے ہوں۔

مذکورہ بالا دو ممکن صورتوں میں سے اسلام نے دوسری صورت کا انتخاب کیا ہے۔ اور غیر اسلام نے پہلی صورت کا۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں کون سا طریقہ زیادہ باعزت اور زیادہ معقول ہے۔

حرف آخر

جدید طبقہ **مسلسل** یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اسلام کے قانون معاشرت میں تبدیلی لائی جائے۔ دیندار طبقہ جب اس مطالبہ کو نہیں مانتا تو یہ کہا جانے لگتا ہے کہ اسلام زمانہ کی ترقی کے ساتھ نہیں چل سکتا کیوں کہ اس کے قانون میں تبدیلی قبول کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں ہم ایک مثال نقل کریں گے۔ مسٹر موہن گروسیوامی کا ایک **مضمون** ہندوستان ٹائمس (۶ اپریل ۱۹۸۷) میں شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

> Islam instead of being a religion which is open to popular opinion, seems to have become a religion of laws impervious to change. The recent controversy on the payment of alimony and the rigid attitude displayed by most lsamic leaders in this country is yet another instance of this imperviousness to change.
> The Hindustan Times (New Delhei) April 6, 1987.

اسلام، بجائے اس کے کہ وہ ایک ایسا مذہب ہو جو عوامی رائے کے لیے کھلا ہوا ہو۔ وہ بظاہر ایسا مذہب بن گیا ہے جس کے قوانین تبدیلی کو قبول نہ کریں۔ (مطلقہ کو) گزارہ دینے کے مسئلہ پر حالیہ نزاع اور اس **ملک** کے اکثر اسلامی رہنماؤں کا جامد نقطہ نظر اختیار کرنا ایک اور مثال ہے کہ اسلام میں تبدیلی کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں (صفحہ ۹)

جو لوگ اس قسم کی باتیں لکھتے ہیں ان کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ وہ محض سطحی طور پر ایسا لکھ دیا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ کون سی **دلیل** ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اسلام کے قانون معاشرت میں تبدیلی لائی جائے۔

یہ دلیل صرف دو ہو سکتی ہیں ثابت شدہ علم یا تجربہ۔ زیر نظر کتاب میں جو تفصیلی مواد جمع کیا گیا ہے اس سے دو اور دو چار کی طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مذکورہ دعوے کے حق میں نہ حقیقی معنوں میں کوئی علم ہے اور نہ کوئی قابلِ لحاظ انسانی تجربہ۔ اس کے برعکس علم کے تمام متعلقہ شعبے اسلام کے قانون کی نظریاتی صحت ثابت کر رہے ہیں۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں جو معاشرتی تجربہ کیا گیا ہے اس کے نتائج غیر اختلافی طور پر بتا رہے ہے کہ اسلام کے قانونی تصورات عین درست ہیں اور ان کے بالمقابل جو نظریات موجودہ طور پر بڑا کام سمجھا جاتا ہے۔ وہ بھی یقینی طور پر عورتیں انجام دے سکتی ہیں۔ بغیر اس کے کہ وہ مردوں کی طرح باہر نکل آئی ہوں۔ اسلام کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ان میں سے ایک مثال وہ ہے جس کا ذکر پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ نے کیا ہے۔

یہ ایک معلوم واقعہ ہے کہ تیرھویں صدی کے آغاز میں تاتاریوں (منگولوں) نے اسلامی سلطنت پر حملہ کیا اور اس کو آخری حد تک تباہ و برباد کر ڈالا۔ مگر اس کے بعد ایک تاریخی معجزہ پیش آیا۔ وہی لوگ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے وہ اسلام قبول کر کے اس کے پاسبان بن گئے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) میں تاریخ اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے:۔

> Ghazan Khan (reigned 1295-1394) was able to embrace Islam amid general acceptance by his army and his successors were all Muslims. Within less than 40 years after Hulagu's terrible invasion his descendants had become partrons of Muslim culture (9/933).

منگول حکمراں غازان خاں (زمانہ سلطنت ۱۲۹۵ء۔۱۳۰۴) نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ اس کی تمام فوج نے بھی۔ اس کے بعد اس کے تمام جانشین مسلمان تھے۔ ہلاکو کے دہشت ناک حملہ کے ۴۰ سال سے بھی کم عرصہ میں اس کی اولاد مسلم تہذیب کی سرپرست بن گئی۔

پروفیسر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ منگول اور وحشی قبیلے جو ان کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے آخر کار انہیں مسلمانوں کے مذہب کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیا جن کو انہوں نے اس سے پہلے اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالا تھا:۔

Th Mongols and the savage tribes that followed in their wake were at length brought to submit to the faith of those Muslim peoples whom they had crushed beneath their feet.

The Preaching of Islam P.229)

پروفیسر آرنلڈ نے تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ دراصل عورتیں تھیں جن ان کے قبول اسلام کا سبب بنیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام کی اشاعت کا کام صرف مردوں ہی نے نہیں کیا ہے۔ بلکہ مسلمان عورتوں نے بھی اس مقدس کام میں حصہ لیا ہے، کئی تاتاری شہزادے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی مسلمان بیویوں کے اثر سے اسلام قبول کیا۔ غالباً یہی صورت کی کہ اس کا داماد (شہریار) جہاں گیر کے بعد مغل تخت کا وارث ہو۔ جہاں گیر کے تین لڑکے تھے ان میں شہزادہ خرم (شاہ جہاں) نہایت لائق تھا۔ چنانچہ جہاں گیر اسی کو اپنا سیاسی وارث بنانا چاہتا تھا۔ مگر نور جہاں نے سازش کی کہ جہاں گیر کا چھوٹا لڑکا شہریار (جو نور جہاں کا داماد تھا) وہ جہانگیر کا وارث بنے۔ اس کے نتیجہ میں آپس میں لڑائی ہوئی اور زبردست خرابیاں پیدا ہوئیں۔

تاہم اس خاص پہلو سے قطع نظر، نور جہاں کی مثال یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت اگر لائق ہے تو وہ باہر کے امور پر کتنا زیادہ اثر انداز ہوسکتی ہے۔ نور جہاں کے بارہ میں یہ ثابت شدہ ہے کہ وہ خاتون خانہ تھی۔ اس کے باوجود اس نے بیرونی کارنامے انجام دیئے۔ نور جہاں کے بارہ میں مورخین نے جو کچھ لکھا ہے، ان میں سے صرف ایک اقتباس ہم یہاں نقل کریں گے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) کا مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

Nur Jahan enjoyed great indluence and aouthority and beeme a power behing the throone. Nur Jahan exercised a strong influence on her husband and looked after hin with inparalleled care and devotion. Under her influcence Jahangir restrained himself from excessive drinking. She relieved him of much of the drudgery of administrative routine and anxiety. She chanced the splendour of the Mughal court and ably seconded the efforts of her husband in patronizing learning and art and disbursing charity (9383).

نور جہاں کو زبردست اثر اور اقتدار حاصل تھا۔ وہ تخت کے پیچھے ایک طاقت بن گئی۔ نور جہاں نے اپنے شوہر (جہاں گیر) پر زبردست اثر ڈالا اور بے مثال توجہ اور جاں نثاری کے ساتھ اس کی خبر گیری کرتی رہی۔ نور جہاں کے زیر اثر جہاں گیر نے اپنی شراب نوشی میں کمی کردی۔ اس نے جہاں گیر کو بہت سی انتظامی مشقتوں اور پریشانیوں سے نجات دیدی۔ اس نے مغل دربار کی عظمت بڑھائی اور علم اور آرٹ اور خیراتی امور میں اپنے شوہر کی کوششوں کی نہایت قابلیت کے ساتھ مدد کی۔

تاریخ ساز کارنامہ ::

اسلام کی تاریخ اس الزام کی تردید ہے کہ عورتیں گھر کے اندر رہ کر بڑے بڑے کام نہیں کرسکتیں۔ اگرچہ گھر کے اندر کا جو کام ہے وہ بھی بلاشبہ بڑا کام ۔ تاہم باہر کے جن کاموں کو معروف زمانہ میں اختیار کیے گئے وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے سخت ہلاکت خیز ہیں۔ ایسی حالت میں تبدیلی کا مطالبہ دوسروں سے کیا جانا چاہیے نہ کہ اسلام سے۔

اصل مسئلہ باشعور بنانا ::

ایک مصنف کے بارہ میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ انسانیت کی زیادہ بڑی خدمت اس وقت انجام دے سکتا ہے جب کہ اس کو مطالعہ کے کمرہ سے نکال کر اکھاڑے

کے میدان میں لایا جائے تو یہ ایک احمقانہ بات ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک صاحب شعور ہستی ہے۔ انسان کی ترقی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اپنے کو کتنا زیادہ باشعور بناتا ہے۔ نہ یہ کہ جسمانی طور پر وہ کس میدان میں اپنے آپ کو دوڑا رہا ہے۔

یہی بات مرد کے بارہ میں صحیح ہے اور یہی بات عورت کے بارہ میں بھی درست ہے۔ افریقہ میں کئی ملک ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر عملاً وہاں کی سیاست اور تجارت پر عیسائی چھائے ہوئے ہیں۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ عیسائی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ قوم ہیں اور مسلمان ابھی تک تعلیم میں آگے نہ بڑھ سکے۔

عورت کو ترقی دینے کا اصل راز یہ نہیں ہے کہ اس کو زندگی کے ہر میدان میں داخل کیا جائے۔ بلکہ اس کا اصل راز یہ ہے کہ عورت کو صاحب علم اور صاحب شعور بنایا جائے۔ عورت جتنا زیادہ باشعور ہوگی۔ اتنا ہی زیادہ بڑا کام وہ اس دنیا میں انجام دے سکے گی۔ عورت اگر حقیقی معنوں میں باشعور ہو تو گھر کے اندر رہ کر بھی وہ انتہائی بڑے بڑے کام انجام دے سکتی ہے۔ اور اگر وہ بے شعور ہو تو وہ کوئی بھی بڑا کام نہیں کر سکتی۔ خواہ اس کو سب سے بڑے چوراہہ پر کیوں نہ کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخ میں ایسی بہت سی عورتیں گزری ہیں جو عملاً گھر کے اندر رہیں مگر باہر کی دنیا پر انہوں نے اپنے زبردست اثرات ڈالے۔ انہیں میں سے ایک نور جہاں ہے جو مغل حکمراں جہاں گیر کی بیوی تھی۔ جہاں گیر نے اس کے بیوہ ہونے کے بعد ۱۶۱۱ء میں اس سے شادی کی۔ قدیم رواج کے مطابق نور جہاں زیادہ تر شاہی محل کے اندر رہتی تھی۔ مگر تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ اس نے محل کے باہر کے امور میں جہاں گیر کے واسطہ سے زبردست اثرات ڈالے۔

نور جہاں نے اگرچہ کئی حماقتیں کیں۔ اس کی سب سے بڑی حماقت یہ تھی کہ اس نے یہ کوشش بہت سے بت پرستوں کے ساتھ پیش آئی جب کہ انہوں نے مسلم ملکوں پر حملہ کیا:۔

It is interesting to note that the propagation of

Islam has not been the work of men only, but that Muslim women have also taken their part in this pious task. Several of the Mongolo princesowed their conversion to the influence of a Muslim wife, and the same was probably the case with many of the pagan Turks when they had carreid their raids into Muhammadan countries.

T.W. Arnold. The Preaching of Islam 1976.p.415

اس تاریخ ساز واقعہ کوظہور میں لانے میں نہایت اہم حصہ مسلم خواتین نے ادا کیا ہے۔تاتاریوں نے اسلامی خلافت کو برباد کیا تو انہوں نے پہلے قتل و غارت گری کی۔اس کے بعد انہوں نے کثیر تعداد میں عورتوں کو گرفتار کرلیا اوران کو اپنے گھروں میں بیویاں بنا کر رکھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد اکثر تاتاری فوجیوں یا ان کے سرداروں کے گھروں میں مسلم عورتیں موجود تھیں۔

یہ مسلم عورتیں مذہبی جوش سے سرشار تھیں۔اسلام کی حمایت کا جذبہ ان کے اندر شدت سے بھرا ہوا تھا۔چنانچہ انہوں نے تاتاری مردوں پر خاموشی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کردیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں کے دل اسلام کے حق میں نرم ہوگئے۔اس کے بعد وہ یا تو گھر کی تبلیغ سے ہی مسلمان ہوگئے۔یا ان کا حال یہ ہوا کہ باہر جب ان کا سابقہ مسلمانوں سے پڑتا تو معمولی تلقین سے وہ اسلام قبول کر لیتے۔کیوں کہ ان کے دل میں پہلے ہی اسلام کا بیج پڑ چکا تھا۔

یہی اکثر تاتاریوں (منگول) کا حال ہوا۔ان کا پہلا فرماں رواں جو مسلمان ہوا وہ برکہ خان تھا۔اس کا زمانہ حکومت ۱۲۵۶ سے لے کر ۱۲۶۷ تک ہے۔ برکہ خان کی ماں غالباً مسلمان تھی اوراس نے برکہ خاں کی تربیت بچپن ہی سے ایک مسلمان کی طرح کی تھی۔تخت نشینی کے بعد برکہ خاں کی ملاقات ایک مسلمان تاجر سے ہوئی۔اس نے تاجر سے اسلام پر کچھ گفتگو کی اور پھر مسلمان ہوگیا۔غازان خاں کا

بھائی الجائتو ۱۳۰۴ء میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کی بیوی مسلمان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔ یہی صورت اکثر تاتاری سرداروں اور ان کے عام فوجیوں کے ساتھ پیش آئی۔ کسی تاتاری کی بیوی مسلمان تھی اور کسی تاتاری کی ماں مسلمان۔ ان مسلم خواتین نے تاتاریوں کے دلوں میں اس طرح اسلام کی عظمت بٹھائی کہ دھیرے دھیرے سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

تقسیم کار کے اصول کے تحت اگرچہ عورت جسمانی طور پر زیادہ تر گھر کے دائرہ میں

رہتی ہے مگر ذہنی اور قلبی طور پر وہ اس مرد کی شریک کار ہوتی ہے جو گھر کے باہر نکلتا ہے اور باہر کے دائرہ کے کام سرانجام دیتا ہے۔ عورت کا تعلق مرد سے نہایت گہرا ہوتا ہے وہ اس کی ساتھی، اس کی مشیر اور اس کی غم خوار ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ہر لمحہ مرد کے تمام کاموں کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔ عورت اگر گھر کے کاموں کی خود نگراں ہوتی ہے تو باہر کے کاموں کی وہ مرد کے واسطہ سے نگرانی کرتی ہے۔

عورت کا تعلق دنیا کے ہر کام اور زندگی کی تمام سرگرمیوں سے ہے۔ ۵۰ فیصد معاملات میں براہِ راست طور پر اور بقیہ ۵۰ فیصد معاملات میں بالواسطہ طور پر۔ زندگی میں عورت کے رول کا معاملہ بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ مرد کا معاملہ۔ اس کا انحصار اس پر نہیں ہے کہ عورت کو جسمانی طور پر کہاں کھڑا کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کا انحصار اس پر ہے کہ اس کو کتنا زیادہ باشعور بنایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورف کا فرق مقامِ عمل کے اعتبار سے ہے نہ کہ خود عمل کے اعتبار سے۔

عورت اپنی ذات میں ایک کمزور جنس ہے۔ مگر وہ طاقت ور جنس کی طاقت ہے عورت کی اسی حیثیت میں اس کی طاقت کا راز چھپا ہوا ہے۔

معیار کی غلطی ::

عورت اور مرد کے معاملہ کو اگر ''تقسیم کار'' کے عنوان کے تحت دیکھا جائے تو

دونوں ایک دوسرے کے مساوی نظر آئیں گے۔اس کے برعکس اگر عورت اور مرد کے معاملہ کو ''یکسانیت کار'' کے عنوان کے تحت دیکھا جائے تو مرد برتر نظر آئے گا اور عورت کمتر، کیوں کہ حیاتیات کے اعتبار سے دونوں کے درمیان یکسانیت ممکن نہیں۔

موجودہ زمانہ میں مساوات مرد وزن کے حامیوں نے جب یہ دیکھا کہ عورت اور مرد کے درمیان حیاتیاتی فرق ہے اور اس بنا پر عورت کا یکساں عمل کے معیار پر پورا اترنا ممکن نہیں۔تو انہوں نے اپنے معیار پر نظر ثانی کرنے کے بجائے یہ کیا کہ اپنی ناکامی کی بے اصل توجیہات تلاش کرنے لگے۔اگر وہ اپنے میعار پر نظر ثانی کرتے تو صرف ان کے مفروضہ میعار زد پڑتی۔مگر جب انھوں نے اپنے معار پر نظر ثانی نہیں کی تو اس کا شکار خود عورت کو ہونا پڑا۔

مثلاً ایک گروہ وہ ہے جو اس واقعہ کی توجیہہ ڈارونزم کی روشنی میں کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ: عورتیں ارتقاء کے ابتدائی درجہ پر باقی رہ گئیں، جسا کی ڈارون نے کہا ہے کہ مرد بالآخر عورت کے اوپر فائق ہو گیا (ٹائم، ۲ مارچ ۱۹۸۷، صفحہ ۴۲)

مرد کے مقبلہ میں عورت کا فرق فطری بندو بست کا نتیجہ تھا، مگر مذکورہ توجیہہ نے اس فرق کو عورت کی فطری پسماندگی کے ہم معنی ٹھہرایا۔اور اس طرح عورت کو ایک مستقل احساس کم تری میں مبتلا کر دیا۔۔۔جدید نسوانی نظریہ کا یہ انجام اس کے غیر حقیقی ہونے کا ایسا ثبوت ہے جس کے بعد کسی مزید ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں۔۔

____________ختم شد__________